# دو اسلام

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

شیخ غلام علی اینڈ سنز ۔ پبلشرز
لاہور ۔ حیدر آباد ۔ کراچی

# فہرست

# حرف اول

یہ 1918 ء کا ذکر ہے۔

میں قبلہ والد صاحب کے ساتھ امرتسر گیا۔ میں ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ، جہاں نہ بلند عمارات، نہ مصفا سڑکیں، نہ کاریں، نہ بجلی کے قمقمے اور نہ اس وضع کی دکانیں۔ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ لاکھوں کے سامان سے سجی ہوئی دکانیں، اور بورڈ پر کہیں رام بھیجا سنت رام لکھا ہے، کہیں دُنی چند اگروال، کہیں سنت سنگھ سبل اور کہیں شادی لال فقیر چند۔ ہال بازار کے اس سرے سے اس سرے تک کسی مسلمان کی کوئی دکان نظر نہیں آئی۔ ہاں مسلمان ضرور نظر آئے۔ کوئی بوجھ اٹھا رہا تھا۔ کوئی گدھے لاد رہا تھا۔مالگدام سے بیل گاڑی پہ ہندو کا سامان لاد رہا تھا۔ کوئی کسی ٹال پہ لکڑیاں چیر رہا تھا۔ اور کوئی بھیک مانگ رہا تھا۔ غیر مسلم کاروں اور فٹنوں پر جا رہے تھے اور مسلمان اڑھائی من بوجھ کے نیچے دبا ہوا مشکل سے قدم اٹھا رہا تھا۔ ہندوؤں کے چہرے پر رونق بشاشت اور چمک تھی اور مسلمان کا چہرہ فاقے مشقت فکر اور جھریوں کی وجہ سے افسردہ و مسخ شدہ۔

میں نے والد صاحب سے پوچھا !

"کیا مسلمان ہر جگہ اسی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں؟

والد صاحب: ہاں !

میں: اللہ نے مسلمان کو بھی ہندو کی طرح دو ہاتھ، دو پاؤں اور ایک سر عطا کیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہندو تو زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے اور مسلمان ہر جگہ حیوان سے بدتر زندگی بسر کر رہا ہے۔

والد صاحب: یہ دنیا مردار سے زیادہ نجس ہے اور اس کے متلاشی کتوں سے زیادہ ناپاک۔ اللہ نے یہ مردار ہندوؤں کے حوالے کر دیا ہے اور جنت ہمیں دے دی ہے۔ کہو کون فائدے میں رہا ؟ ہم یا وہ؟

میں: اگر دنیا واقعی مردار ہے تو آپ تجارت کیوں کرتے ہیں اور مال تجارت خریدنے کے لئے امرت سر تک کیوں آئے ؟ ایک طرف دنیاوی ساز و سامان خرید کر منافع کمانا اور دوسری طرف اسے مردار قرار دینا ، عجیب قسم کی منطق ہے۔

والد صاحب: بیٹا ! بزرگوں سے بحث کرنا سعادت مندی نہیں۔ جو کچھ میں نے تمھیں بتایا ہے وہ ایک حدیث کر ترجمہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

"الدنیا جیفہ و طلابها کلاب" یہ دنیا ایک مردار ہے اور اس کے متلاشی کتے ہیں

حدیث کا نام سن کر میں ڈر گیا اور بحث بند کر دی۔ سفر سے واپس آ کر میں نے گاؤں کے مُلا سے اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ اس نے بھی وہی جواب دیا۔ میرے دل میں اس معمے کو حل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ لیکن

میرے قلب و نظر پہ تقلید کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ علم کم تھا اور فہم محدود۔ اس لئے معاملہ زیادہ الجھتا گیا۔

میں مسلسل چودہ برس تک حصول علم کے لئے مختلف علماء و صوفیا کے ہاں رہا۔ درس نظامی کی تکمیل کی۔ سینکڑوں واعظین کے وعظ سنے۔ بیسیوں دینی کتابیں پڑھیں۔ اور بالآخر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام رائج کا ما حاصل یہ ہے:

1۔ فرائض خمسہ یعنی توحید کا اقرار اور صلٰوۃ ، زکوٰۃ، صوم اور حج کی بجا آوری۔

2۔ اذان کے بعد ادب سے کلمہ شریف پڑھنا۔

3۔ مختلف رسوم مثلاً جمعرات، چہلم، گیارہویں وغیرہ کو باقاعدگی سے ادا کرنا۔

4۔ قرآن کی عبارت پڑھنا۔

5۔ اللہ کے ذکر کو سب سے بڑا عمل سمجھنا۔

6۔ قرآن اور درود کے ختم کرانا۔

7۔ اُچھل کر حق ہو کے ورد کرنا۔

8۔ نجات کے لئے کسی مرشد کی بیعت کرنا۔

9۔ مردوں سے مرادیں مانگنا۔

10۔ مزاروں پر سجدے کرنا۔

11۔ غلیظ لباس کو پیغمبری لباس سمجھنا۔

12۔ سڑکوں اور بازاروں میں سب کے سامنے ڈھیلا کرنا۔

13۔ تعویذوں اور منتروں کو مشکل کشا سمجھنا۔

14۔ آنحضرت کو عالم الغیب نیز حاضر و ناظر قرار دینا۔

15۔ کسی بیماری یا مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مولوی جی کی ضیافت کرنا۔

16۔ گناہ بخشوانے کے لئے قوالی سننا۔

17۔ غیر مسلم کو ناپاک و نجس سمجھنا۔

18۔ امام ابو حنیفہ کی فقہ پر ایمان لانا۔

19۔ صحاح ستہ کو وحی سمجھنا۔

20۔ تمام علوم جدیدہ مثلاً طبعیات ، ریاضیات، اقتصادیات ، تعمیرات وغیرہ کو کفر خیال کرنا۔

21۔غور و فکر اور اجتہاد و استنباط کو گناہ قرار دینا۔

22۔ صرف کلمہ پڑھ کر بہشت میں پہنچ جانا۔

23۔ ہر مشکل کا علاج عمل اور محنت سے نہیں بلکہ دعاؤں سے کرنا مثلاً سوتے وقت یہ دعا پڑھو ۔ اللھم باسمک اموت و احیی خواب میں خواجہ خضر کی زیارت ہو گی۔ جاگو تو بسم اللہ الذی احیانی بعد ما اماتنی کا ورد کرو حوریں تمھارا منہ چاٹیں گی سبحان اللہ و بحمدہ کا جملہ منہ سے نکالو تو ساری زندگی کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ وضو میں منہ دھوتے وقت جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

کا ورد کرو تو تمھیں حضرت آدم علیہ السلام کے دس لاکھ حج کا ثواب ملے گا۔ نماز کے بعد لاحول و لاقوۃ پڑھو تو سات آسمانوں اور سات زمینوں جتنا ثواب حاصل ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب علمائے کرام کے فیض سے میں تعلیمات اسلامی پر پوری طرح حاوی ہو گیا تو یہ حقیقت بھی مجھ پر واضح ہو گئی کہ خدا ہمارا، رسول ہمارا، فرشتے ہمارے، جنت ہماری، حوریں ہماری، زمین ہماری، آسمان ہمارا، الغرض سب کچھ کے مالک ہم ہیں اور باقی قومیں اس دنیا میں جھک مارنے کے لئے آئی ہیں۔ ان کی دولت ، عیش اور تنعم محض چند روزہ ہے۔ وہ بہت جلد جہنم کے پست ترین طبقے میں اوندھے پھینک دئیے جائیں گے اور ہم کمخواب و زربفت کے سوٹ پہن کر سرمدی بہاروں میں حوروں کے ساتھ مزے لوٹیں گے۔

زمانہ گزرتا گیا ۔انگریزی پڑھنے کے بعد علوم جدیدہ کا مطالعہ کیا۔ قلب و نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔ اقوام و ملل کی تاریخ پڑھی تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی 128 سلطنتیں مٹ چکی ہیں۔ حیرت ہوئی کہ جب اللہ ہمارا تھا تو اس نے خلافت عباسیہ کا وارث ہلاکو جیسے کافر کو کیوں بنایا؟ ہسپانیہ کے اسلامی تخت پہ فرونیاں کو کیوں بٹھایا؟ مغلیہ کا تاج الزبتھ کے سر پر کیوں رکھ دیا؟ بلغاریہ، ہنگری، رومانیہ سرویہ، پولینڈ، کریمیا، یوکرائین، یونان اور بلغراد سے ہمارے آثار کیوں مٹا دئیے؟ فرانس سے بیک بینی دو گوش ہمیں کیوں نکالا؟ ٹیونس، مراکو، الجزائر اور لیبیا سے ہمیں کیوں رخصت کیا؟

میں رفع حیرت کے لئے مختلف علماء کے ہاں گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ میں نے اس مسئلے پر پانچ سات برس تک غور و فکر کیا۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ بدقسمتی سے یہ وہ دور تھا جب میں اسلام سے سخت دلبرداشتہ ہو چکا تھا اور سالہاسال سے تلاوت کلام اللہ ترک کر رکھی تھی۔

ایک دن سحر کو بیدار ہوا۔ اوپر طاق میں قرآن شریف رکھا تھا۔ شغلاً اٹھایا ، کھولا اور پہلی آیت جو سامنے آئی وہ یہ تھی۔

اولم یردکم اهلکنا من بعد هم قرنا اخرین۔

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم ان سے پہلے کتنی اقوام کو تباہ کر چکے ہیں۔ ہم نے انھیں وہ شان و شوکت عطا کی تھی جو تمھیں نصیب نہیں ہوئی۔ ہم ان کے کھیتوں پر چھما چھم بارشیں برساتے تھے اور ان کے باغات میں شفاف پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ لیکن جب انھوں نے ہماری راہیں چھوڑ دیں تو ہم نے انھیں تباہ کر دیا اور ان کا وارث کسی اور قوم کو بنا دیا۔میری آنکھیں کھل گئیں۔ اندھی تقلید کی وہ تاریک گھٹائیں جو دماغی ماحول پر محیط تھیں یک بیک چھٹنے لگیں۔ اور اللہ کی سنت جاریہ کے تمام گوشے بے حجاب ہونے لگے۔ میں نے قرآن میں جا بجا یہ لکھا ہوا دیکھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں صرف عمل سے بیڑے پار ہوتے ہیں۔ ہر عمل کی جزا و سزا مقرر ہے۔ جسے نہ کوئی دعا ٹال سکتی ہے اور نہ دوا۔

لیس للانسان الا ماسعی ۔ یہاں صرف اپنی کوششیں ہی کام آتی ہیں۔ (القرآن)

میں سارا قرآن پڑھ گیا، اور کہیں بھی محض دعا یا تعویذ کا کوئی صلہ نہ دیکھا۔ کہیں بھی زبانی خوشامد کا اجر زمردیں محلات ، حوروں اور حجوں کی شکل میں نہ پایا۔ یہاں میرے کانوں نے صرف تلوار کی جھنکار سنی اور  میری آنکھوں نے غازیوں کے وہ جھرمٹ دیکھے جو شہادت کی لازوال دولت حاصل کرنے کے لئے جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود رہے تھے۔ وہ دیوانے دیکھے جو عزم و ہمت کا علم ہاتھ میں لئے معانی حیات کی طرف باانداز طوفان بڑھ رہے تھے۔ اور وہ پروانے دیکھے جو کسی کے جمالِ جاں افروز پہ رہ رہ کے قربان ہو رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ حدیث و قرآن کی بتائی ہوئی راہوں میں اتنا فرق کیوں ہے۔ احادیث کی تاریخ پڑھی تو منکشف ہوا کہ کہیں تو اعدائے اسلام نے توہین اسلام کے لئے اور کہیں ہمارے ملا نے  قرآن کے تیغ و سناں والے اسلام سے بچنے کی خاطر  تقریباً چودہ لاکھ احادیث وضع کر رکھی ہیں۔ جہاں ایک ایک دعا کا صلہ لاکھ لاکھ محل دیا ہوا ہے۔

اس انکشاف کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ مسلمان ہر جگہ محض اسی لئے ذلیل ہو رہا ہے کہ اس نے قرآن کے عمل، محنت اور ہیبت والے اسلام کو ترک کر رکھا ہے۔ وہ اوراد  و اوعیہ کے نشے میں مست ہے۔ اور اس کی زندگی کا تمام سرمایہ چند دعائیں اور چند تعویذ ہیں اور بس۔

اور ساتھ ہی یقین ہو گیا کہ اسلام دو ہیں۔ ایک قرآن کا اسلام جس کی طرف اللہ بلا رہا ہے۔ اور دوسرا وضعی حدیث کا اسلام جس کی تبلیغ پر ہمارے اسی لاکھ مُلا قلم اور پھیپھڑوں کا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔

آئیے ذرا اس "حدیثی اسلام" پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں۔

برق

کیمبل پور۔25 ستمبر 1949ء

# تعارف

میں نے زیر نظر کتاب "دو اسلام" کے کچھ حصے غور سے اور کچھ قلت فرصت کے سبب سرسری نظر سے دیکھیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں، اس کے پڑھنے والے اختلاف میلان کی وجہ سے اس سے مختلف قسم کے تین اثرات حاصل کریں گے۔

1۔ نوخیز طبقہ جو موجودہ روایتی اسلام سے صد فیصد بیزار ہو چکا ہے۔ وہ اسے اپنے دل کی آواز سمجھے گا اور مصنف کے ساتھ چل پڑے گا، جہاں جہاں وہ لے جائے۔

2۔ دوسرا متین و سنجیدہ گروہ، مصنف کی روح سے ہم آہنگ ہو جائے گا لیکن اس کے تند و تیز لہجے کی مخالفت کرے گا۔

3۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو ابھی ملائیت اور خانقاہیت کے زیر اثر ہیں، ان کی چیخیں نکل جائیں گی وہ چلائیں گے فریاد مچائیں گے آسمان سر پر اٹھا لیں گے۔

دیکھنا ، لینا، پکڑنا، دوڑنا، جانے نہ پائے

لے چلا میری شکیبائی وہ کافر لے چلا (طغرائی مرحوم)

مسجد و خانقاہ نے ایک وقت تک دنیا کو روشنی بخشی، روحانیت پھیلائی، اخلاق و دیانت کا درس دیا۔ لیکن غیر اسلامی دنیا کو اسلام کی یہ سطوت و عظمت ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے داخلی اور خارجی ہر ہتھیار سے مسلح ہو کر اس "جانِ عالم" کو شکست دینے کی ٹھان لی۔ پادریوں نے متعصبانہ حملے کئے۔ مستشرقین نے زہر آمیز شربت تیار کئے۔ ویدک دھرم کے پجاریوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ مغربی حکومتوں نے آزاد مسلم علاقوں کو محکوم اور محکوموں کو محکوم تر بنائے رکھنے کے لئے عجیب و غریب حیلے ایجاد کئے۔ بیرونی دباؤ کے ساتھ ساتھ ملت میں اندرونی انتشار و اضطراب، بددلی اور بے دینی پھیلانے کی منظم سازشیں کیں۔ اپنی سامراجی ڈپلومیسی کی تکمیل کے لئے بڑے بڑے ملا و پیر خریدے۔ مسیح و مہدی کھڑے کئے۔ مذہب کا احترام کرنے والوں کو ان مذہب فروشوں کے ذریعے جکڑا، اور نئی نسل کو

اپاہج بنانے کے لئے اخلاق و دیانت سے خالی ایک ملحدانہ نظام تعلیم تجویز کیا۔ وہ مسلمان جس کے نعرہ تکبیر سے مغرب کی ماؤں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے اس کو گرفتار کرنے کے لئے ہر طرف شکاری بٹھا دئیے۔ اب وہ مسجد میں جائے یا خانقاہ میں ، کالج میں گھومے یا یونیورسٹی میں، محمدؐ کا جلال کہیں نہیں، صدیق و فاروق کی ہیبت کا خاتمہ ہے۔ ابلیس کے بیٹے مختلف لباسوں میں جلوہ گر ہیں۔ کہیں مفتی اور کہیں مرشد بن کر کہیں پروفیسر اور کہیں لکچرار کی شکل میں۔

آخر غیرت سماوی اپنے زمینی بچوں کی اس زبوں حالی کو کب تک برداشت کرتی۔ شیطانوں کی باگیں کب تک ڈھیلی رہتیں۔ وہی جماعت جو تخریب اسلام کے لئے تیار کی جا رہی تھی، اسی میں سے کچھ لوگ نکلے۔ ان کو آفتاب اسلام کی کرنیں نظر آئیں۔ انھوں نے اپنے پاؤں سے روایتی اسلام کی بیڑیاں توڑ ڈالیں۔ ان نو خیزوں کے لئے زمین تیار کرنے والے وہ لوگ تھے ، جو

نہ ایلِ مسجد تھے ، نہ تہذیب کے فرزند

فرنگی فتنے کو سب سے پہلے سید جمال الدین افغانی نے بھانپا اور عالم آشکار کیا۔انھوں نے سرزمین فرنگ میں بیٹھ کر فرنگی کی شیطانی سیاست کا غائر مطالعہ کیا، اور اسلامی ممالک کے ہر گوشے میں پہنچ کر اپنے دل کی آگ سے مسلمانوں کے جمود کو پگھلانے کی کوشش کی۔مصر میں مفتی محمد عبدہ، اور ان کی جماعت سید افغانی سے بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ ہندوستان میں سرسید کی پارٹی ۔ مولوی چراغ علی، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، خواجہ حالی، مولانا شبلی وغیرھم نے اپنے طرز پر اپنی استعداد کے مطابق مسلمانوں کی اصلاح، اور اسلام کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مُلائی حلقوں سے ان کی شدید مخالفت کی گئی۔ لیکن جو بیج پڑ چکا تھا اسے بارور ہونا ضروری تھا۔ مشیت کو یہی منظور تھا۔ انگریز کی مسلم کُش کوششیں تیز تر ہوتی گئیں۔ لیکن وہ جو فرعون کو مٹانے کے لئے فرعون ہی کے گھر میں موسیٰ کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ اس کے سامنے انکی چالاکیاں کیا اہمیت رکھتی ہیں۔ اس نے انھی غارت گرِ اسلام کالجوں اور یونیورسٹیوں سے وہ انسان تیار کر دئیے جن کے متعلق بالکل بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اکبر الٰہ آبادی نے اپنے اشعار میں ٹھیٹھ اسلام پیش کیا اور نہایت ہی پیارے اور دلکش حربوں سے فرنگی تسلط کا مقابلہ کیا۔ اقبال نے اسلام کی ہیجان انگیز روح اور معصوم و مقدس فطرت کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ ان بزرگوں نے قوم کی فکری صلاحیتوں کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ لیکن عمل کی دنیا ابھی آگے تھی۔ اس کی تکمیل و احیاء کے لئے بھی مسجد و خانقاہ کی بانجھ فضاء کو چھوڑ کر مشیت ایزدی نے مکتب فرنگ ہی سے کام لیا اور اپنی معجز نمائی کا حیرت انگیز ثبوت پیش کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح جس کے رگ و ریشے میں انگریزیت کوٹ کوٹ کر بھری جا چکی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس مظلوم و محکوم قوم کو بیک وقت دو زبردست دشمنوں (ہندو اور انگریز) کے مظالم سے نجات دلانے کا کام اس سے لیا جائے گا۔ اس نے اسلام کے نام پر قرآنی قانون کو نافذ کرنے کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا۔ پاکستان جو اقبال کے دماغ سے نکلا تھا، جناح کے ہاتھوں مکمل ہوا۔

اب اسی اقبال و جناح کی مراد و مدعا کے مطابق ضرورت ہے۔ اس میں اسلام کو رائج کرنے کی۔ قرآن کو بلند کرنے کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا اسلام رائج کیا جائے؟ کس قرآن کو بلند کیا جائے؟آپ حیران ہوں گے کہ اسلام تو ایک ہے اور قرآن بھی ایک ۔ پھر کون سا کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا مفصل جواب تو اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ یہاں اختصاراً سمجھ لیجئے کہ ہمارے ہر فرقے کا اسلام و قرآن الگ ہے۔ ایک اسلام تو وہ ہے جو 14 لاکھ حدیثوں کے بوجھ تلے دبا کراہ رہا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو مختلف فقہی اسکولوں کے نرغے میں پھنسا ہوا بچ نکلنے کے لئے فریاد بھی نہیں کر سکتا۔ اور ایک تیسرا اسلام ہے جو حضرات اہلبیت کرام کے لکڑی اور کاغذ کے تعزیوں کے ساتھ بندھا ہوا کوچے و بازار میں سالانہ گردش کرتا نظر آتا ہے۔ ایک چوتھا اسلام وہ ہے جو استخوان فروش مجاوروں اور پیر زادوں کے حلقہ ٔ میں ہُو حق کے نعرے لگانے اور حال و قال کی بزم آرائی کے لئے مجبور ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور اسلام بھی ہے جس کے بطن سے نئی نئی نبوتیں اور خلافتیں جنم لیتی ہیں۔کہاں تک گناؤں۔ مدت ہوئی "مذاہب اسلام" نام سے حیدر آباد کی چھپی ہوئی ایک کتاب دیکھی تھی جو کم و بیش ہزار صفحات پر مشتمل ہو گی۔ اس میں عجیب و غریب قسم کے بے شمار اسلام بتائے گئے ہیں۔ اس کے آخری صفحات سے معلوم ہوتا تھا کہ سماوی نبوت کے ختم ہو جانے

کے باوجود خانہ ساز نبوتوں اور اسلاموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

اب پاکستان میں جو اسلامی قانون رائج ہو تو وہ کس اسلام کے مطابق ہو؟ یہ بڑا ٹیڑھا سوال ہے جو ہمارے واضعین قانون کو پریشان کئے ہوئے ہے۔

یہ" کثرت اسلام ہا" ایک عالمگیر مرض ہے، جس میں تمام مسلمانان عالم مبتلا ہیں اور خطہ ارض میں ہماری پستی اور ذلت کا یہی واحد سبب ہے۔ دفعئیہ مرض کے لئے سب سے پہلے اسباب مرض تلاش کئے جاتے ہیں، پھر علامات اور پھر علاج تجویز کیا جاتا ہے۔ ہمارے پیکر ملی کے مریض ہونے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ ہم یقیناً وہ نہیں ہیں جو ہمیں قرآن بنانا چاہتا ہے۔ پھر یہ کیوں ہے؟ اتنے بے شمار اسلام کہاں سے آ گئے۔ یقیناً محمد رسول اللہؐ نے ان سب کی طرف دعوت نہیں دی تھی۔ ان کے پاس بالاتفاق ایک ہی اسلام تھا۔ یہ سوال بیحد اہم ہے۔ اس پر ہماری موت و حیات کا انحصار ہے۔ اگر ہم اس کا جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہماری قومی کشتی یقیناً ساحل نجات سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے اس کا جواب حاصل کرنے کے لئے آج ہمیں پہلا قدم اٹھانے کی زحمت برداشت کرنے ضرورت نہیں۔ جس وقت انگریز کی بندھنیں ہمارے اعضاء و اعصاب پر مضبوط ہو رہی تھیں اسی وقت کچھ لوگ اس مشکل کا حل تلاش کرنے میں منہمک تھے۔ قریب قریب ایک ہی وقت میں مختلف حلقوں سے ایک ہی قسم کی آواز اٹھی۔ یہ ایک توارد تھا جو تصرف الٰہی سے وقوع پذیر ہو رہا تھا۔ آج سے 50/60 سال پہلے اسی شہر لاہور سے ایک آواز بلند ہوئی کہ اسلام وہ نہیں جو رائج ہے۔ بلکہ اسلام پورے کا پورا قرآن تنہا قرآن کے اندر موجود ہے۔ یہ ابتدائی قدم تھا بنیادی صداقت کی طرف ، لیکن اس میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ لغزشیں تھیں۔ اس کا دعویٰ صحیح ، دلائل صحیح، لیکن جو اسلام اس کے داعیوں[1] نے پیش کیا وہ بھی مروجہ اسلاموں ہی کی طرح ایک فرقہ بندانہ کوشش تھی جو پنپ نہ سکی۔ لیکن فضاء میں ایک عظیم گونج چھوڑ گئی۔ طبائع میں تجسس پیدا ہو گیا۔ لگ بھگ اسی زمانے میں عظیم آباد پٹنہ میں شمس العلماء مولانا محب الحق عظیم آبادی نے ایک سلسلہ تصانیف شروع کیا جس کی تکمیل شریعۃ الحق، بلاغ الحق نام کی دو کتابوں پر ہوئی، جن میں پوری سنجیدگی کے ساتھ اور عبور تحیر کے ساتھ ثابت کیا کہ

مسلمانوں کی عالمگیر بربادیوں کی ذمہ دار وہ متضاد حدیثیں ہیں جن پر ہر فرقۂ ایک دوسرے سے الجھنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ اور کامل دین صرف قرآن میں ہے۔ یہی نعرہ دہلی جامعہ ملیہ سے حضرت مولٰینا حافظ محمد اسلم جیراج پوری [2]نے بلند کیا۔ آپ کا لہجہ حد درجہ متین و مدلل ہے۔ بہار ہی کے ایک دوسرے بزرگ علامہ تمنا عمادی مدظلہٗ بھی اسی میدان کے شہسوار ہیں ؒ اس متبرک صف میں صرف آپ ہی ہیں جو باوجود پیرانہ سالی کے اب تک خدمت قرآن کر رہے ہیں۔ پنجاب کے تجارتی شہر امرت سر مرحوم میں یہ کام اللہ تعالیٰ نے خواجہ احمد الدین ؒ اور ان کے مخلص رفقاء سے لیا مولانا اسلم کا لگایا ہوا بیج ماہنامہ طلوع اسلام کی شکل میں کراچی میں پھل پھول رہا ہے۔

اور خواجہ احمد الدین مرحوم کی روح جریدہ "البیان" لاہور میں کام کر رہی ہے۔ یہ وہی البیان ہے جس نے "دو اسلام "کے مصنف کی حیرت انگیز تبلیغی تصنیف "دو قرآن" کو مسلسل قوم و ملک کے سامنے پیش کیا۔

پاکستان بننے سے بہت پہلے کار ساز غیب نے ان بزرگوں کے ذریعے یہ بات واضح کر دی کہ ہمارے بے شمار اسلاموں کا منبع ہماری فرقہ بندیوں کی وجہ ، ہماری مسلسل تباہیوں اور بربادیوں کا واحد سبب وہ بے شمار متضاد و متخالف حدیثیں ہیں جن سے ہر فرقۂ اپنے مطلب کی بات نکال لیتا ہے۔ مختلف فقہی حلقوں کی حدیثیں الگ، شیعوں کی حدیثیں الگ، صوفیوں کی حدیثیں الگ، اہل حدیث کہلانے والوں کا ذخیرہ الگ، نئے نئے مدعیان مسیحت و مہدیت کا دفتر جدا، اسماعیلیوں اور باطنیوں کا سرمایہ سب سے انوکھا، غرض کیا ہے جو اس مداری کی پٹاری میں نہیں۔

قائد اعظم کی زبان سے پاکستان کے آئین کے متعلق "قرآن" کے سوا کبھی کوئی لفظ نہ نکلا۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب تصرف الہی کے تحت ہوا۔ ورنہ کہاں انگریزی ماحول کا پروردہ جناح اور کہاں قرآن کہاں حکمائے فرنگ کا شاگرد اقبال اور کہاں ریگ زارِ حجاز کا عشق۔

"دو قرآن" اور "دو اسلام" کا مصنف بھی مے کدہ فرنگ کے خراباتیوں سے ہے۔ جس سے مشیت خداوندی اپنا کام لے رہی ہے۔

اس نے "دو قرآن" لکھ کر نئی نسل کے سامنے جمال قرآنی کے وہ دلکش دل گداز اور دل افروز گوشے آشکار کئے جو مُلا کی گھناؤنی کہانیوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ حالی ، اکبر اور اقبال زمین تیار کر

چکے تھے۔ برق نے اس زمین کو گلہائے رنگ رنگ کی جنت بنا دیا۔ اقبال نے کہا تھا

صد جہاں باقی ست در قرآن ہنوز

اند کہ خود را در آیا تش بہ سوز

برق نے اس "صد جہاں" کے سراغ کی راہ نکال لی۔ اب آنے والی نسلیں اس کو ڈھونڈیں گی اور پائیں گی۔ اس کی زیر نظر تصنیف پاکستان اور آئین پاکستان کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کے حل کی طرف ایک مؤثر قدم ہے۔

میں کہتا ہوں یہ ایک بم ہے۔ ایٹم بم۔ ان تمام مصنوعی مذاہب کے لئے جو "اسلام" کے نام سے مسلمانوں کے اندر آتشِ فتنہ و تفریق بھڑکائے ہوئے ہیں۔ یہ ایک دعوت ہے۔ مؤثر دعوت قرآن کی طرف۔ قرآن ہی ہے۔ جس کے آگے سب اسلامی فرقوں کو جھکنا پڑے گا۔ قرآن ہی ہے، جس میں ہماری تمام ملی بیماریوں کا علاج ہے۔ قرآن ہی ہے۔ جو بہ منت شارحین و مفسرین ہمیں ہمیشہ پیدا ہونے والی نئی نئی فرقہ بندیوں اور مسیحیوں اور مہدیوں کے فتنوں سے نجات دلا سکتا ہے۔ یہ آواز آج نہیں تو کل پاکستان کو اپنانی پڑے گی۔ ملاؤں کا زور توڑنا پڑے گا۔ موجودہ ملا و پیر اسلام کے تابناک چہرے پر ایک جذامی پردہ ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے پرائے سب اسلام سے بیزار ہو رہے ہیں۔ قدرت اب زیادہ دیر تک قرآن پر حدیث کے مظالم کو برداشت نہیں کرے گی۔ مُلائیت کی موت قریب آ لگی ہے۔ ملائیت کی موت اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہو گی۔

آخر میں ، میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی دو انسان جو فہم و فراست رکھتے ہوں، ہر بات میں متفق نہیں ہو سکتے۔ شریفانہ اختلاف عین منشائے فطرت ہے۔ موجب اصلاح و ارتقاء ہے۔ راقم کو "دو اسلام" کے مصنف سے کئی جگہ اختلاف ہے۔ مسائل میں بھی اور انداز بیان میں بھی۔ ایسی تصنیف کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت ہے ۔ کئی جگہ محترم مصنف اس کو ملحوظ نہیں رکھ سکے۔ ان کے قلم میں جوانی کا جوش ہے۔ ایک سخت قسم کی تڑپ ہے۔ اس اسلام کو پا لینے کے لئے جو ان کو قرآن میں نظر آیا ہے۔ وہ اس کے لئے تاخیر و انتظار کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں یہ انسانی فطرت ہے ۔ جب ہمیں اس قسم کی تلخ گوئی مجسمہ عفو و صفح مسیح علیہ السلام کی زبان سے سننے میں آتی ہے تو ہم "دو اسلام" کے مصنف سے چشم پوشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں وہ

اپنے وقت کے ملاؤں، فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ! ایک مرید کرنے کے لئے خشکی و تری کا  کا دورہ کرتے ہو، اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے۔ تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بناتے ہو۔ اے اندھے راہ بتانے والو تم پر افسوس ! اے احمقو اور اندھو! ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرتے ہو۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے" وغیرہ ذالک

اگر معاملہ یہیں تک رہتا تو  محتاط  اور معتدل قسم کے اصحاب بھی مصنف سے سؤ ظن رکھنے میں حق بجانب ہو سکتے تھے۔ لیکن اس نے نہایت فراخدلی سے جا بجا اعتراف کیا ہے۔ کہ وہ حدیث رسول کا مخالف نہیں بلکہ ان منسوب الی الرسول باتوں کے خلاف مسلح ہو کر اٹھ رہا ہے۔ جو دشمنان اسلام یا اسلام کے نادان دوستوں نے وضع کر کے رسولؐ کے نام پر مشتہر کر دیں اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور صف شکن نظام کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور اس  کا سینہ علمائے ربانی کے احترام سے معمور ہے۔ جنھوں نے اصلاح مسلمین اور ترویج دین کی خاطر صعوبتیں برداشت کیں۔ ہاں ! اس کا زور قلم ان سوداگران مذہب کے خلاف صرف ہوا۔ جنھوں نے اسلام کی پاکیزہ اور معطر فضا میں پادریت  اور برہمنیت کی مسموم و متعفن گیس پھیلائی۔ اور ساری امت کے ذہن و دماغ کو ماؤف کر دیا۔ اس سے زیادہ تعارف کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ مجھ سے بہت بہتر یہ دلچسپ، مفید اور معلومات سے بھری ہوئی کتاب اپنا تعارف  آپ کرائے گی۔ اگر آپ کے دل پر ملائی رنگ کی تہیں نہیں چڑھ چکیں تو آپ اس کو پڑھتے چلے جائیں گے اور ہاتھ سے نہیں رکھیں گے جب تک ختم نہ کر لیں۔

عرشیؔ

(علامہ محمد حسین عرشی)

لاہور

# حرف ثانی

"دو اسلام" پہلی مرتبہ 1949ء میں شائع ہوئی تھی اور آج 1957ء ہے۔ چونکہ کتاب کی زبان تلخ اور انداز تنقید بےباکانہ تھا۔ اس لئے بعض حلقوں میں آگ لگ گئی اور کتاب کے جواب میں بیسیوں مقالے اور نصف درجن کے قریب کتابیں لکھی گئیں جن میں میری تنقیدات کا جواب دیا گیا۔ تلخی لہجہ کی شکایت کی گئی اور بعض اغلاط کو واضح کیا گیا۔ لیکن کوئی صاحب اس بات کو واضح نہ کر سکے کہ:

1۔ حدیث وحی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو قرآن کا حصہ کیوں نہ بنی؟ خدا اور رسولؐ اور صحابہؓ نے قرآن کی طرح اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا مجموعۂ احادیث کیوں جلایا تھا اور فاروق اعظمؓ نے صحابہ کی احادیث کو کیوں سپرد آتش کیا تھا ؟

2۔ کہ ایک ہی حدیث کو جب مختلف راوی بیان کرتے ہیں تو الفاظ و جزئیات میں اختلاف کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟ صحاح ستہ میں ایسے اختلافات کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں ۔ یہاں بطور نمونہ صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

مشہور حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور چند سوالات پوچھے۔ یہ مکالمہ بخاری و مسلم نے یوں بیان کیا ہے:۔

پہلا سوال: ما الا یمان (ایمان کیا ہے)

جواب: بخاری میں

قال الایمان ان تومن باللہ و ملائکتہ و بلقائہ و رسلہ و تومن بالبعث

(ایمان یہ ہے کہ تم اللہ ، فرشتوں ، خدا سے ملاقات، رسولوں اور قیامت پہ ایمان لاؤ)

مسلم میں دو جواب ہیں

1۔ قال ان تومن باللہ و ملائکتہ و کتابہ و لقائہ و رسلہ و تومن بالبعث الاخرہ

(بہ روایت ابو ہریرہ جلد 1 ص 171)

ان دونوں جوابات میں چار اختلاف ہیں (1) مسلم نے قال کے بعد الایمان چھوڑ دیا۔(2) ملائکتہ کے بعد و کتابہ کا اضافہ کیا (3) بخاری میں بلقائہ ہے اور مسلم میں ولقائہ (4) بخاری میں بالبعث ہے اور مسلم میں بالبعث الاخر۔

2۔ قال ان تومن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخر و تومن بالقدر خیرہ و شرہ الخ (بہ روایت عمر بن الخطاب جلد 1 ص 164)

(کہ تم خدا ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخر اور تقدیر خیر و شر پہ ایمان لاؤ)

یہاں کتاب کی جگہ کُتب ہے اور ایمان بالتقدیر کا اضافہ بھی۔

دوسرا سوال تھا: ماالا سلام (اسلام کیا ہے؟)

بخاری کا جواب ہے: ان تعبد اللہ و لا تشرک بہ شیئا و تقیم الصلوٰۃ ۔ ۔الخ

اور مسلم میں دو جواب درج ہیں: ان تعبداللہ ولا تشرک بہ شیئا و تقیم الصلوٰۃ المکتربتۃ ۔ ۔ الخ

اور دوسرے میں" و تحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا " کا بھی اضافہ ہے۔

ایک اور سوال تھا: متی الساعۃ (قیامت کب آئے گی؟)

بخاری کا جواب:

قال ما المسئول عنها باعلم من السائل و ساخبر لا من اشراطها اذا ولدت الامۃ ربها و اذا تطاول رماۃ الابل البہم فی فی البنیان ۔ ۔ الخ

(فرمایا۔ اس معاملے میں میرا علم سائل سے زیادہ نہیں، البتہ علامات قیامت بتا دیتا ہوں۔ جب لونڈی کے بطن سے اس کا آقا پیدا ہو گا اور کالے اونٹ چرانے والے (یا اونٹوں کے کم عقل چرواہے) عالیشان محلات کے مالک بن جائیں گے ۔ ۔ الخ)

مسلم کے دو جواب:

1۔ قال ان تلد الا متہ ربتھا و ان تری الحفاۃ العالۃ رعا ء الشاء یتطاولون فی البنیان۔۔ الخ (بہ روایت عمر بن الخطاب مسلم جلد 1 ص 199)

(فرمایا جب لونڈی کے بطن سے اس کی مالکہ پیدا ہو گی اور بھیڑوں کے برہنہ پا برہنہ بدن اور مفلس چرواہے عالیشان محلات کے مالک بن جائیں گے)

بخاری کے جواب اور مسلم کے اس جواب میں بہت فرق ہے۔ وہاں لونڈی کی بطن سے آقا پیدا ہونے کا ذکر تھا اور یہاں مالکہ۔ وہاں محلات کے مالک اونٹوں کے کم عقل چرواہے تھے اور یہاں بھیڑوں کے برہنہ پا، برہنہ بدن اور مفلس گڈریے)

مسلم کا دوسرا جواب:

اذاولدت الامۃ ربھا فلاک من اشراطھا و اذا کانت العراۃ الحفاۃ رؤس الناس فذاک من اشراطھا و اذا تطاول رعاء البہم فی البنیان فذالک من اشراطھا ۔ ۔الخ (بہ روایت ابو ہریرہ جلد 1 ص )

(یہ جواب نہ صرف بخاری کے جواب سے مختلف ہے بلکہ خود مسلم کے پہلے جواب سے بھی کافی اختلاف رکھتا ہے۔ اور لطف یہ کہ مسلم کی دوسری روایت اور بخاری کی روایت کا آخری راوی ایک ہے۔ یعنی حضرت ابو ہریر

قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبریل کے پہلے سوال کے جواب میں حضور صلعم نے وکتبہ اور ایمان بالقدر کو فہرست ایمان میں شامل کیا تھا یا نہیں۔ اگر کیا تھا، تو بخاری کی حدیث میں ان کا کیوں ذکر نہیں۔ پھر حضور صلعم نے وہ کتابہ فرمایا تھا یا و کتبہ؟ اگر کتابہ کہا تھا تو حضرت عمرہ نے وکتبہ کہاں سے لیا۔ اگر کتبہ فرمایا تھا تو حضرت ابوہریرہ۔۔ کتابہ کہاں سے لے آئے؟ چونکہ واقعہ ایک ہے اس لئے ایک ہی بات صحیح ہو سکتی ہے کہ یا تو حضور صلعم نے ایمان بالتقدیر و الکتب کو شامل ایمان فرمایا تھا یا نہیں ؟ اگر فرمایا تھا تو بخاری کی روایت غلط ہے۔ اور اگر نہیں فرمایا تھا تو مسلم کی روایت غلط ٹھہرتی ہے ۔ ممکن ہے کہ آپ فرمائیں کہ یہ واقعہ بخاری کے راویوں نے اس طرح بیان کیا تھا اور مسلم کے راویوں نے اُس طرح۔ ان دونوں نے جیسا سنا ویسے لکھ دیا۔ ان کا کوئی قصور نہیں لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ صحیح واقعہ کس نے بیان کیا ہے؟ مسلم نے یا بخاری نے؟ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے۔ لونڈی کے سلسلے میں یا تو حضور نے

ربھا (آقا) کہا ہو گا یا ربتھا (مالکہ) کہا ہو گا اور عالی شان محلات کا
مالک یا تو سیاہ اونٹوں کے احمق چرواہوں کو بنایا ہو گا ، اور پا
برہنہ پا ، برہنہ بدن اور مفلس گڈریوں کو۔ ان میں سے جو روایت
بھی صحیح سمجھی جائے، دوسری خود بخود غلط ہو جاتی ہے۔ اگر آپ
یہ کہیں کہ راویوں کو پورا واقعہ بھول گیا تھا ، اور جسے جو یاد رہا
سنا دیا ، تو اس پر بھی وہی اعتراض وارد ہو گا کہ کس نے صحیح
سنایا؟ دونوں کا صحیح ہونا ناممکن ہے۔ پس لازماً ایک روایت واقعہ
کے مطابق اور دوسری خلاف واقعہ ہو گی۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ
دونوں خلاف واقعہ ہوں۔

صحاح میں اس طرح کی احادیث بے شمار ہیں۔ کہ واقعہ ایک ہے لیکن
روایات میں بڑا اختلاف ہے اور ان تمام کو بیک وقت صحیح کہنا نا
ممکن ہے۔ احادیث کے مشتبہ ہونے پر یہ داخلی شہادت اتنی زیادہ اور
زبردست ہے کہ ایک طالب حقیقت کو کوئی دلیل اور کوئی تاویل
مطمئن نہیں کر سکتی۔

صحابہ میں اختلاف احادیث: میرے نقاد اس امر پر مُصر ہیں کہ عہد
صحابہ میں احادیث اختلاف سے پاک تھیں۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں
کہ اگر اختلاف نہیں تھا ، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صحابہ سے
کیوں فرمایا تھا:

"تم لوگ آج احادیث میں اختلاف رکھتے ہو ۔ آئندہ یہ اختلاف بڑھتا چلا
جائے گا۔ اس لئے تم آنحضرتؐ سے کوئی احادیث روایت نہ کرو۔ اور
اگر کوئی پوچھے تو کہو ، کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اس نے
جائز قرار دیا ہے۔ اسے جائز اور جسے ناجائز قرار دیا ہے اسے ناجائز
سمجھو" (تذکرہ الحفاظ ، ذہبی ص 3)

تو جو احادیث حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مختلف فیہ تھیں و اڑھائی
سو برس بعد امام بخاری و مسلم کے دور میں کیسے صحیح اور متفق
علیہ بن گئیں۔

دلچسپ بات: مولانا محمد داؤد راز (بمبئی) نے بھی "دو اسلام" کا جواب
لکھا ہے۔ عنوان کتاب ہے "خالص اسلام" اس میں پہلے شبلی کا ایک
قول نقل کرتے ہیں۔

"حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سو حدیثیں قلمبند کی تھیں، لیکن پھر ان کو
آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس
کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو"

(نقل از الفاروق ص
45)

اور پھر اس قول پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

" اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت صدیق ؓ نے اس مجموعۂ کو مشکوک و مشتبہ ہونے کی وجہ سے تلف کر دیا تھا ، اور یہ آپ کا بہترین اقدام تھا ، کہ ایسا نہ کیا جاتا تو ایک مشکوک و مشتبہ چیز آپ کے توسط سے اشاعت پا جاتی"

(خالص اسلام ص 54)

حضرت صدیقؓ پورے تئیس برس تک آقائے نامدار کی خدمت میں رہے۔ آپ نے حضور صلعم کے ہزار ہا اقوال و خطبات اپنے کانوں سے سنے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جو مجموعہ احادیث مرتب کیا تھا وہ دیگر تمام مجموعوں سے صحیح ترین ہو گا۔ وہ کسی مشکوک روایت کی تصدیق خود رسالت پناہ سے کرا سکتے تھے۔ ہزار ہا صحابہ بھی مدینہ میں موجود تھے۔ اگر ان تمام سہولتوں کے باوجود انھوں نے اپنے مجموعہ کو مشکوک سمجھ کر جلا ڈالا تھا، تو پورے اڑھائی سو سال بعد امام بخاری و مسلم کے مجموعے کیسے صحیح ہو گئے؟ اور ان کی روایتیں کیسے وحی خفی بن گئیں ؟

حضرت صدیقؓ و عمرؓ کی روایات ہمارے محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ سے 142 احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے صرف 6 متفق علیہ ہیں۔ ان میں سے بخاری نے گیارہ اور مسلم نے صرف ایک روایت درج کی ہے۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ 539 احادیث کے راوی بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے متفق علیہ صرف دس ہیں۔ بخاری نے ان کی دس اور مسلم نے پندرہ روایات لی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو حضرت صدیقؓ کی وہ روایات جن کی صحت پر تمام ائمہ حدیث متفق ہیں صرف چھ ہیں ، لیکن امام بخاری کی صحیح میں گیارہ درج ہیں۔ سوال

یہ ہے کہ کیا یہ باقی پانچ بھی صحیح ہیں؟ اگر ہیں تو متفق علیہ کیوں نہیں؟ اور اگر مشکوک ہیں تو صحیح بخاری میں کیسے آ گئیں ؟

حضرت ابن عباسؓ کا رویہ حضرت ابن عباس مشہور صحابی تھے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بشیر بن کعب العدوی آپ کے ہاں گئے اور احادیث سنانا شروع کیں۔ لیکن ابن عباس نے کوئی بات نہ سنی اور نہ بشیر کی طرف دیکھا۔ بشیر نے شکا یتاً کہا کہ میں حدیث

سنا رہا ہوں اور آپ سنتے ہی نہیں۔ آپ نے جو جواب دیا وہ دو طرح منقول ہے۔

"انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلعم اذلم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب و الذلول ترکنا الحدیث عنہ" (مسلم مع فتح الملہم جلد 1 ص 128)

(حضور صلعم کی طرف جھوٹی روایات منسوب ہونے سے پہلے ہم حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے لوگوں نے سچ اور جھوٹ کو ملا دیا ہے، ہم نے حضورؐ سے حدیثوں کی روایت ترک کر دی)

دوسرے جواب کا آخری حصہ یوں ہے۔

"۔ ۔ ۔ لم ناخذ من الناس الا مانعرف" (مسلم جلد 1 ص 128)

(کہ جب سے لوگوں نے سچ میں جھوٹ کو ملا دیا ہے ہم لوگوں سے وہی حدیثیں لیتے (یا سنتے) ہیں جس کی صداقت کا ہمیں یقین ہو)

مُغیرہ کا قول ہے۔

"لم یکن یصدق علیٰ علی فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعود" (مسلم جلد 1 ص 129)

(کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا باقی جن لوگوں نے حضرت علی سے احادیث روایت کی ہیں وہ قابل اعتماد نہیں)

ان اقوال سے تو واضح ہے کہ خود صحابہ کے عہد ہی میں حدیث کا سرچشمہ مکدر ہو چکا تھا ، اور سچ میں جھوٹ اس قدر مل گیا تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے احادیث کو سننا تک چھوڑ دیا تھا۔ حضرت صدیق نے اپنا مجموعہ جلا ڈالا تھا اور حضرت فاروق نے مدینے بھر کا ذخیرہ حدیث نظر آتش کر دیا تھا۔ جب خود صحابہ کے دور میں احادیث کی کیفیت یہ تھی، تو وہی احادیث اڑھائی سو برس بعد "وحی خفی" کا درجہ کیسے حاصل کر سکتی تھیں؟

احادیث صحیحہ میرے نقاد مجھے منکر حدیث ٹھہراتے ہیں۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ ارباب حدیث سے میرا اختلاف تین باتوں میں ہے۔ یہ حضرات حدیث کو "وحی" (خفی) کہتے ہیں ، ان پہ قرآن کی طرح ایمان لاتے ہیں اور صحاح ستہ کی تمام احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔ میرا موقف یہ ہے کہ حضور صلعم پر بوساطت وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا کہ احادیث حضورؐ کے بشری اقوال تھے۔ جن میں انتہا

درجے کی تحریف ہوئی ہے کہ صحاح کی ساری احادیث صحیح نہیں رہا
یہ امر کہ آیا کوئی حدیث صحیح ہے بھی یا نہیں ؟ تو اس کے متعلق
میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ صحت کے دو مفہوم ہیں۔ اول یہ کہ کسی
حدیث کی نسبت حضور صلعم کی طرف صحیح ہو۔ ان معنوں میں
کوئی بھی حدیث یقینی طور پر صحیح نہیں۔ دوم یہ کہ حدیث کا
مضمون قرآن سے متصادم نہ ہو۔ اور ان معنوں میں ہزار ہا حدیثیں
صحیح ہیں۔جب ہم گلستان ، بوستان، بہار دانش اور مثنوی مولانا
رومی کی حکایات سے لطف اندوز ہوتے اور فائدے اٹھاتے ہیں۔ جب ہم
امام غزالی کی "احیاء العلوم" سقراط کے "اشعار زریں" اور شیخ
عبدالقادر گیلانی کی "غنیۃ الطالبین" کو زندگی میں شمع راہ بناتے
ہیں تو پھر صحیح احادیث سے درس لینے میں کون سا امر مانع ہے؟

اس وقت ایک طرف اہلحدیث اور اہل سنت سے علماء ہیں جو صحاح
کے ہر رطب و یابس کو واجب الایمان قرار دیتے اور ہر حدیث کے دفاع
میں سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھے ہیں۔ اور دوسری طرف ایسا ایسا
گروہ ہے جو حدیث کے تمام تر ذخیرے کو سو ختنی قرار دیتا ہے۔ ان
دو انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال یہی ہے کہ صحیح المضمون احادیث
کو سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے اور دیر و زود دونوں گروہوں
کو یہ راہ اختیار کرنا ہی پڑے گی۔

کتابت احادیث بعض احادیث سے پتا چلتا ہے کہ چند اصحاب نے
احادیث لکھ لی تھیں۔ خود حضور صلعم نے بھی چند خطوط ، فرامین
اور معاہدات قلمبند کرائے تھے۔ حیدر آباد دکن کے پروفیسر حمید اللہ
نے حضور کے یہ فرامین و معاہدات وغیرہ ایک جلد میں جمع کر دئیے
ہیں۔ جس کا نام ہے "الوثائق السیاسیہ" اور کچھ احادیث اس
مضمون کی بھی موجود ہیں کہ حضور نے کتابت احادیث سے روک دیا
تھا۔ نیز روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق و فاروق ذخائر احادیث
کو جلاتے بھی رہے۔ ان حالات میں کسی مجموعہ احادیث کا باقی رہ
جانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کوئی
مجموعہ بچ گیا تھا۔ تو یہ فیصلہ کرنا کہ اس کی کونسی روایت ہمارے
وضاعین و محرفین کی دستبرد سے محفوظ رہی ، مشکل تر ہے ۔
مزید تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔

لفظ مُلا کی تشریح میں نے اس کتاب میں مُلا پر بڑی لے دے کی ہے۔
کیوں ؟ بہ دو وجوہ۔

اولہ ائمہ حدیث نے ایسے علماء و قضاۃ کی طویل فہرست دی ہے جن
کا کام حدیث گھڑنا تھا۔ دوم۔ ان وضعی احادیث کو پھیلانے کی تمام تر
ذمہ داری مُلا پر ہی عائد ہوتی ہے۔ جو عقل و فہم سے کام لئے بغیر
ہی ہر حدیث کو لے اڑا۔ اور بستی بستی اپنے وعظوں اور خطبوں
میں بیان کرتا رہا۔ یہ خالی دعاؤں سے جنت خریدنے اور ایک آدھ نفل
پڑھنے پر ہزار ہزار حج کا ثواب کا نا معقول تخیل کس نے پیدا کیا؟ قوم
کو یہ کس نے سمجھایا کہ وہ کام کرے یا نہ کرے خدا اسی کا ہے،
شفاعت اسی کے لئے ہے اور جنت تو اس کے بابا کی خاص جاگیر ہے۔
ملا کسی خاص طبقے کا نام نہیں۔ بلکہ ایک خاص قسم کی ذہنیت
ہے۔ یہ غلط ہے کہ درس نظام کے فارغ التحصیل طلبہ سب کے سب
ملا ہوتے ہیں۔ اور سارے انگریزی خوان مسٹر ۔ دیو بند ، سہارن پور،
خیر آباد ، لاہور، لکھنؤ اور دہلی کے مکاتب و مساجد سے شبیر احمد
عثمانی ، سید انور شاہ، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن، فضل حق
خیر آبادی، عبدالحئی فرنگی محلی، عبدالحکیم سیالکوٹی ، ثنا اللہ
امرتسری، سید سلیمان ندوی۔ جیسے سینکڑوں علماء پیدا ہوئی اور
انگریزی یونیورسٹیوں سے لا تعداد ملا بھی نکلے۔ مُلا ایک ذات صد
جہات ہے۔جس کے تمام اوصاف بیان کرنا مشکل ہے اس لئے چند
موٹی موٹی علامات حاضر ہیں۔

1۔ مُلا ذہناً نہایت تنگ نظر ہوتا ہے۔ کسی غیر مذہب کے آدمی کو
برداشت کرنا تو رہا ایک طرف ، وہ ان مسلمانوں کو بھی برداشت
نہیں کر سکتا جن کی ڈاڑھی نہ ہو، جو انگریزی علوم پڑھتے ہوں اور
کوٹ پتلون پہنتے ہوں۔ بلکہ وہ ساتھ والی مسجد کے مُلا کو بھی
برداشت نہیں کر سکتا۔ اسےفاسق اور اس کی مسجد کو مسجد
ضرار بنانے کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل گھڑتا ہی رہتا ہے۔

2۔ مُلا علوم جدیدہ کا دشمن ہوتا ہے۔

3۔ کافر و فاسق بنانے میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔

4۔ لوگوں کے گھر سے کھاتا ہے اور خود کبھی نہیں کھلاتا۔ کھاتے وقت
منہ سے سُرڑ سُرڑ کی خوفناک آوازیں نکالتا اور ریش دسبُل کو شوربہ
میں بھگو لیتا ہے۔

5۔ یہ شاہراہوں پر ڈھیلا کرتا اور دوسروں کو اس نمائش کی ترغیب
دیتا ہے۔

6۔ اپنے مقتدیوں کو خوش کرنے کے لئے جنت و مغفرت کے نہایت  آسان نسخے جعلی احادیث سے ڈھونڈ کر لاتا ہے۔

7۔  تاریخ عالم سے نا آشنا، حالات دہر سے بے خبر اور سیاسیات سے قطعاً نا بلد ہوتا ہے۔

8۔ قلیل العلم ہونے کے باوجود اپنے علم پر سخت مغرور ہوتا ہے۔

9۔ بحث و مناظرہ میں سخت کج بحثی سے کام لیتا ہے۔ یعنی اگر حیات مسیح کا مسئلہ زیر بحث ہو تو وہ مخاطب سے  یہ پوچھتا ہے کہ مسیح کا صیغہ کیا ہے؟ کون سا باب ہے؟ مہموز یا مضاعف، موجیہ کلیہ کا عکس کیا ہوتا ہے اور سیبویہ کی بکری کے کان ایک منٹ میں کتنی بار ہلتے تھے؟

10۔ گزشتہ فقہا و ائمہ سے اتنا مرعوب ہوتا ہے کہ ان کے فرمودات سے سرتابی تو رہی ایک طرف ، ان پر تنقیدی نظر ڈالنے کی بھی جرات نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی مجھ جیسا سر پھرا تنقید کر بیٹھے تو وہ وہ ملاحیاں سناتا ہے کہ تہذیب کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔

11۔ اس کی لغات میں سنجیدگی کا لفظ ہوتا ہی نہیں۔ ذرا سے اختلاف پر یہ اپنے مدمقابل کی وہ خبر لیتا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔

میں نے اس کتاب میں جہاں کہیں مُلا کا ذکر کیا ہے اس سے مراد مذکورہ الصفات ہستی ہے نہ کہ شبلی و حالی جیسے علمائے کرام۔ میرے ناقدین نے مجھ پر یہ ستم کیا ہے کہ سید سلیمان ندوی و  شبلی جیسے حضرات کو بھی میرے ملا کے مفہوم میں شامل کر دیا ہے۔

میرے نقاد "دو اسلام" کے جواب میں اس وقت تک جتنی کتابیں نکلی ہیں ان میں سے قابل توجہ چار ہیں۔

1۔ "ایک اسلام" از مولانا فضل احمد غزنوی شیخ الحدیث مکہ ، حال حیدر آباد سندھ۔

2۔ "فتنہ انکار حدیث" از مولانا افتخارِ بلخی ۔ کراچی

3۔ "صرف ایک اسلام" از مولانا محمد سرفرازِ خاں خطیب گکھڑ

4۔ "خالص اسلام" مولانا محمد داؤد راز بمبئی

ایک لحاظ سے میں ان کا مشکور ہوں ۔ اور خصوصاً مولانا  محمد سرفرازِ خان کا کہ انھوں نے میری بعض اغلاط واضح کیں۔ موجودہ ایڈیشن کو ان اغلاط سے پاک کر دیا گیا ہے اور تحریر کی تلخی کو بھی

بڑی حد تک کم کر دیا گیا ہے۔ اغلاط کی نوعیت یہ تھی کہ ایک جگہ میں ایک دعا کو آیت سمجھ کر لکھ گیا۔ تین چار مقامات پر عربی متن کا ترجمہ نا فہمی سے غلط کر ڈالا تھا۔ اور دو چار جگہ تنقید غلط ہو گئی تھی۔ ان کتابوں سے اتنا ہی فائدہ ہوا ہے کہ میں اغلاط سے بچ گیا۔ رہا اصل موضوع کہ حدیث وحی ہے یا نہیں اور صحاح کی تمام احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ جُوں کا تُوں رہا۔ اور یہ حضرات میرے علم میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

مولانا سرفراز کے سوا کہ انھوں نے کتاب میں کافی حد تک سنجیدگی سے کام لیا ہے۔ باقی حضرات نے سب و شتم کا وہ مظاہرہ کیا ہے کہ شاید ہی کوئی شستہ مذاق انسان ان کا ایک صفحہ بھی پڑھ سکے۔ چونکہ ان تمام حضرات کی نیت نیک تھی اس لئے میں انھیں معاف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صداقت و حقیقت کی روشن منزل کی طرف رہنمائی کرے۔

برقؔ

15 جولائی 1957ء

## پہلا باب

# حدیث میں تحریف

جب پہاڑ کے دامن سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے تو اس کا پانی صاف
شفاف ہوتا ہے، لیکن جوں جوں وہ میدانوں کی طرف بڑھتا ہے ،
خس و خاشاک اور خاک و غبار کی کی وجہ سے گدلا ہو جاتا ہے۔ یہی
حال مذہب کا ہے۔ آج سے 1368 برس پہلے اسلام کا چشمہ دامن
فاران سے پھوٹا اور کئی دھاروں میں بٹ کر مشرق و مغرب کی طرف
بڑھا۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف الانواع کثافتیں
شامل ہوتی گئیں۔ کہیں عیسائیوں کی رہبانیت اس میں آملی اور
کہیں آریوں کا نظریہ حلول و وحدت الوجود، راہ میں کئی تصوف کی
دلدلیں آ گئیں اور کہیں کلام و اعتزال کے خاکستانے ان مختلف گزر
گاہوں سے ہوتا اور اس طویل راہ گرد کی آلودگیوں کو سمیٹتا ہوا
جب یہ چشمہ ہم تک پہنچا تو ہم فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ الہامی
بلندیوں کا مقطر آب تھا یا کسی بدرو کا مکدر پانی۔ اہل نظر لرزے ،
اور متلاشیان حق بے تابانہ منبع کی طرف بڑھے۔ تاکہ ان مقامات کا
کھوج لگائیں، جہاں سے کثافت اس چشمہ میں شامل ہو رہی تھی ،
سفر لمبا تھا منزل کٹھن ، راہبر ناپید، خانہ ساز عقائد کی گھٹائیں
محیط اور راہ تاریک ماحول میں گم۔

ظلمات بعضها فوق بعض (ظلمت تہ بر تہ)

بیسیوں جی ہار کر بیٹھ گئے اور کچھ ان ستاروں کی مدھم روشنی میں
آگے بڑھتے گئے جو گھٹاؤں کی چلمن سے ان راہ نوردوں کا تماشہ دیکھ
رہے تھے۔ جوں جوں وہ بڑھتے گئے۔ گھٹائیں چھٹتی گئیں، ظلمت سرکتی
گئی۔ پردے اٹھتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ ایسے خطوں میں جا پہنچے
جہاں آفتاب الہام کی تجلیوں سے نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں اور
دل و دماغ منور۔ ہر حقیقت وہاں عیاں تھی اور ہر راز بے حجاب ،
انھوں نے ملت کو بلند آواز سے پکارا اور کچھ کہا۔ یہ آواز چند کانوں
سے ٹکرائی اور پھر گونج بن کر دشت کی پنہائیوں میں گم ہو گئی۔

جانتے ہو انھوں نے کیا کہا تھا ؟یہی کہ ہمارے شکم پرست اور خود بین سامریوں نے حرم حقیقت میں سینکڑوں بت بنا رکھے ہیں، جن میں ایک کا نام "وضعی احادیث" ہے۔ یعنی وہ اقوال جو لوگوں نے تراش کر حضورﷺ کی طرف منسوب کر دئیے تھے اور آج و اقوال رسولﷺ کے ساتھ یوں غلط ملط ہو چکے ہیں کہ حق کو باطل سے علیحدہ کرنا ناممکن ہو رہا ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ ہمارے بعض علماء نے سچ کو جھوٹ سے علیحدہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، راویوں کا سراغ لگایا، ان کے حالات جمع کئے بے اندازہ ہمت تحقیق کی، لیکن معاملہ اس قدر الجھ چکا تھا کہ اسے سلجھانا انسانی دسترس سے باہر تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ علم کم تھا ، لکھنے والے محدود اور ذخائر علم معدوم، صحابہ کی تمام تر توجہ قیام سلطنت ، نشر اسلام اور تعمیر ملت پر صرف ہو رہی تھی۔ ان کے پاس خود رسولﷺ موجود تھے اور رسولﷺ کے بعد آپ کا دیا ہوا مکمل و اتم ضابطہ حیات یعنی قرآن۔

انھیں کیا خبر تھی کہ ڈیڑھ سو سال بعد لوگ قرآن کو چھوڑ کر احادیث پہ جھک پڑیں گے۔ احادیث کا ذخیرہ بڑھتے بڑھتے چودہ لاکھ تک پہنچ جائے گا۔ ہزارہا اہل غرض لاکھوں احادیث گھڑ کر اس مقدس ذخیرے میں شامل کر دیں گے اور اس وقت مسلمانوں کو صحیح و غلط میں امتیاز کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع کر جاتے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ اس کی بڑی بڑی وجوہ دو تھیں۔

اول: وہ قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب رحلت سے پہلے حضور نے فرمایا کہ

ایتونی بکتاب و قرطاس اکتب لکم شیاءً لن نضلوا بعدی

لاؤ قلم دوات اور کاغذ میں تمھیں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمھاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

تو حضرت عمر ؓ بن خطاب جھٹ بول اٹھے ہمیں مزید کسی تحریر کی ضرورت نہیں ، اس لئے کہ

حسبنا کتاب اللہ

ہمارے پاس کتاب الٰہی موجود ہے۔ جس میں انسانی فلاح و نجات کے مکمل گر درج ہیں ، اور یہ کتاب ہمارے لئے کافی ہے ۔ حضرت فاروق کا یہ جملہ رسالت پناہ کے حضور میں جسارت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ مجبور تھے اس لئے کہ کچھ عرصہ پیشتر قرآن کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمھیں پوری طرح عطا کر دی ہے۔

اس آیت کی رو سے نسل انسانی کی یہ کتاب ہر طرح مکمل اور پوری ہو چکی تھی۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے کسی مزید ہدایت کا انتظار بیکار تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ایمان کا امتحان لے رہے ہوں۔ اس لئے حضرت فاروقؓ کا یہ جواب نہایت برمحل معلوم ہوتا

دوم: حضور نے حدیث لکھنے سے روک دیا تھا۔

عن ابی سعید الحذری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تکتبوا عنی و من کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحہ (صحیح مسلم)

ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کے بغیر میرا کوئی اور قول قلمبند نہ کرو۔ اور اگر کوئی شخص ایسا قول لکھ چکا ہو تو اسے مٹا دے۔اور اس کی دو وجہیں تھیں۔

اول: کہ کہیں غلطی سے احادیث قرآن کے متن میں شامل نہ ہو جائیں۔ بعض گذشتہ انبیا کے الہامی صحائف میں ان کی احادیث بھی شامل ہو گئی تھیں اور کتاب الٰہی کا حلیہ بگڑ گیا تھا۔

دوم: خود رسول کریم صلعم کی زندگی میں ان کے اقوال محترف ہو چکے تھے اور یہ ہے بھی ایک فطری چیز۔ آدمی کو اپنی کہی ہوئی بات تک یاد نہیں رہتی ، وہ دوسرے کی کیا یاد رکھ سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک محفل میں چھ آدمی گھنٹے بھر گفتگو کرتے رہے ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اختتام مجلس پر تمام گفتگو بالفاظہ دہرا سکیں ؟ نا ممکن ہے۔ اسی طرح فرض کرو کہ ایک واقعہ کو پچاس آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس علیحدہ علیحدہ جا کر اس واقعہ کی تفصیل قلمبند

کریں، تو آپ کو ان تفاصیل میں کافی اختلاف نظر آئیں گے۔ اور اگر چھ ماہ یا سال بعد انھی لوگوں کے پاس جا کر اسی واقعہ کی تفصیل دوبارہ قلمبند کریں تو یہ اختلاف اور نمایاں ہو گا۔ اور مرُور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ تفاصیل یوں بدلتی جائیں گی کہ ان کا تعلق حقیقت سے منقطع ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام انسان کی اس فطری کمزوری سے آگاہ تھے۔ اس لئے آپ نے حکم دے دیا تھا کہ میری حدیث قید کتابت میں مت لاؤ۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ انسان اپنے یا اپنے ساتھی کی بات تو بھول سکتا ہے لیکن وہ اپنے رہبر اور محبوب پیمبر کی بات نہیں بھول سکتا۔ میں عرض کروں گا کہ آپ یہاں بھی غلطی پر ہیں۔ آپ میں سے لاکھوں نے اپنے محبوب و محترم لیڈر حضرت قائد اعظمؒ کی بیسیوں تقاریر سنی ہوں گی۔ جنھیں بعد میں پاکستان ریڈیو نے بھی بارہا دہرایا۔ لیکن آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جنھیں آج ان تقاریر کے تین فقرے بھی یاد ہوں۔ انسان ہے ہی فراموش کا ر ، وہ سنتا ہے اور بھول جاتا ہے۔ آپ کو تاریخ کا ایک اہم واقعہ یاد ہو گا کہ حضرت فاروقؓ کے زمانے میں عراق کا قرآن حجاز سے مختلف ہو گیا تھا کیوں ؟ اس لئے نہیں کہ کوئی بد نیت تحریف قرآن پہ تل گیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے سامنے قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے بعض آیات حافظے سے اتر گئیں۔ اور بعض میں کچھ رد و بدل ہو گیا تھا۔ حضرت فاروقؓ نے اس کا علاج یہ کیا کہ قرآن کے کافی نسخے لکھوا کر قلمرو کے مختلف حصوں میں بھیج دئیے اور قرآن تحریف سے محفوظ ہو گیا۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؒ کی رحلت کے وقت قرآن شریف کے ایک لاکھ نسخے تیار ہو چکے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام عشق خدا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ان کا یہ محکم عقیدہ تھا کہ کسی آیت کو غلط پڑھنا اگر کفر نہیں تو فسق یقیناً ہے۔ اگر ان عشاقان خدا کو قرآن کی آیات بھول گئیں تھیں تو حدیث کے بھولنے پہ انھیں کون ملامت کر سکتا تھا۔

آنحضرت صلعم نے کتاب حدیث سے منع فرما دیا تھا۔ اور جو چیز لکھی نہ جائے وہ لازماً پہلے بگڑتی ہے اور بلا آخر مٹ جاتی ہے۔ حضو کا مقصد بھی یہی تھا کہ قرآن کریم کے بغیر کوئی اور کتاب ہدایت باقی نہ رہے۔ اس لئے حضورؐ اور ان کے صحابہؓ قرآن کو ایک مکمل ضابطہ حیات تصور فرماتے تھے۔ اور اس کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی قطعاً ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ورنہ اگر صحابہ کو ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال آتا کہ قرآن کی تفصیل، تکمیل، تفسیر یا

امت کی رہبری کے لئے حدیث کا زندہ رہنا ضروری ہے تو ان کے لئے
حدیث کی تدوین نہایت آسان تھی۔ جو عمرؓ قرآن کے ایک لاکھ نسخے
لکھوا سکتا تھا وہ پانچ چھ ہزار احادیث کا ایک مجموعہ بھی تیار کرا
سکتا تھا۔ تمام صحابہ زندہ تھے ان کی بیشتر تعداد مدینہ میں موجود
تھی۔ اور بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ ؓ بن عمو حضرت
انس بن مالک کے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس احادیث کی کافی تعداد
لکھی ہوئی بھی تھی۔ راویوں کا لمبا چوڑا جھمیلا بھی نہیں تھا۔ ان
حالات میں اگر حضرت صدیقؓ یا فاروقؓ چاہتے تو صرف ایک ہفتہ
میں سرور عالمؐ کے تمام اقوال جمع ہو سکتے تھے

لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ کیوں ؟ کیا انھیں اقوال رسولؐ سے معاندت
تھی؟ عیاذاً باللہ! کیا انھیں اسلام سے محبت نہ تھی ؟ استغفراللہ !
بات یہی تھی کہ اقوال رسول میں تحریف ہو چکی تھی۔ نیز رسول
اکرم صلعم کا حکم تھا کہ احادیث مت لکھو۔ مزید برآں انھیں اس
حقیقت پر بھی محکم ایمان تھا کہ قرآن ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ اس
لئے انھوں نے احادیث کو در خور اعتنا نہ سمجھا۔

علامہ ذہبی تذکرہ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق
نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت
صدیق کے مجموعہ سے زیادہ قابل اعتماد اور کون سا مجموعہ ہو
سکتا تھا۔ لیکن ایک صبح اٹھ کر اسے جلا دیا۔

حضرت فاروق ؓ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ نے رسول اکرم صلعم کی
احادیث اور آپ کا اسوہ لکھوانے کا ارادہ کیا۔ مہینہ بھر استخارہ کرتے
رہے۔ اور پھر فرمایا۔

کانو اقبلکم قوما کتبو کتباً فاکتبوا علیھا و ترکوا کتاب اللہ و انی
واللہ لا اشوب کتاب اللہ بشیء ابداً

تم سے پہلے ایسی قومیں گزر چکی ہیں جنھوں نے کتابیں لکھیں اور
خدائی کتاب کو چھوڑ کر انھی پہ جھک پڑیں ، خدا کی قسم! میں قرآن
میں ایسی آمیزش ہرگز نہیں ہونے دوں گا

نامناسب نہ ہو گا ، اگر اس سلسلہ میں چند اور تاریخی واقعات بھی
بیان کر دئیے جائیں۔

نمبر1۔ جب حضرت صدیقؓ مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے تو آپ نے
ایک دن ایک مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"تم لوگ  آج حدیث میں اختلاف رکھتے ہو(ہم یہی عرض کر رہے تھے کہ اقوال رسول میں رد و بدل ہو چکا تھا اور وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ انھیں قلمبند کیا جاتا) آئندہ یہ اختلاف بڑھتا چلا جائے گا اس لئے تم آنحضرت سے کوئی حدیث روایت نہ کرو۔ اگر کوئی پوچھے تو کہو کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اس نے جائز قرار دیا اسے جائز سمجھو" (تذکرہ الحفاظ ذہبی ص 3)

نمبر2۔ ایک مرتبہ حضرت فاروقؓ نے تمام صحابہ سے فرمایاکہ گھر جاؤ اور احادیث کا تمام ذخیرہ اٹھا لاؤ۔ جب ذخیرہ جمع ہو گیا تو آپ نے تمام صحابہ کے سامنے اسے جلا دیا۔[3]

(طبقات ابن سعد  جلد 5 ص 140)

ذرا سوچو کہ خلفائے راشدین کا زمانہ ہے۔ شمع نبوت پہ فدا ہونے والے ہزاروں پروانے موجود ہیں۔ اور حضور کے دو سب سے بڑے دوست اور فدائی آپ کے اقوال کا ذخیرہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر  فنا کر رہے ہیں آخر کیوں ؟ کیا انھیں ارشادات رسولؐ سے ضد تھی؟ یا اقوال رسول میں تحریف ہو چکی تھی ؟ ظاہر ہے کہ پہلی وجہ غلط ہے۔ اور دوسری صحیح۔ مقام حیرت ہے کہ جن احادیث کو مشتبہ یا ناقابل التفات  سمجھ کر صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم فنا کر رہے تھے ، تاکہ اعمال و عقائد میں کوئی فتور پیدا نہ ہونے پائے ، انھی احادیث کو اڑھائی سو سال بعد  امام بخاری و مسلم وغیرہ نے جمع کیا اور ہم سب نے مل کر نعرہ لگایا۔

ھذا اصح الکتب بعد کتاب اللہ

(قرآن کے بعد صحیح بخاری صحیح ترین کتاب ہے)

آخر کس طرح؟ چند ایک احادیث جو بعض صحابہ کے پاس تھیں ان میں سے بیشتر جلا دی گئیں۔ جو زبانوں پہ جاری تھیں ان میں ہر لمحہ رد و بدل ہو رہا تھا۔ بات ایک دن میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے ۔ اور ان اقوال پر تو اڑھائی سو برس  گذر چکے تھے۔ وہ صحابہ جن کی دیانت اور سچائی پر بھروسا کیا جا سکتا تھا ، فوت ہو چکے تھے اور بعد  میں آ گئے تھے ہم جیسے لوگ۔ امام حسین کے قاتل، حضرت علیؓ کے باغی، کعبے کو ڈھانے والے حاکم شرابی، امراء راشی، غنی عیاش، فقیر پست کردار، کیا ایسے ماحول(امیہ کا دور) میں کسی حدیث کا اپنی اصلی حالت پہ رہنا ممکن تھا؟ بعض صحابہ سے بھی اخلاقی لغزشیں سرزرد ہوتی رہتی تھیں۔ بخاری میں مذکور ہے کہ ایک صحابی روزہ کی

حالت میں جماع کر بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابن نعمان کو شراب نوشی پر سزا دی تھی۔ حضور ﷺ نے ایک صحابی پر زنا کی حد جاری کی تھی۔ رحلت رسولؐ کے بعد بعض مرتد ہو گئے تھے، اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی جنگ میں دونوں طرف صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، اور ظاہر ہے کہ دونوں راستی پر نہیں ہو سکتے تھے۔ ان حالات میں بالکل ممکن ہے کہ کسی صحابی نے عمداً کسی حدیث کے الفاظ بدل دئیے ہوں۔ اور سہو و نسیان کا خطرہ تو ہر وقت تعاقب میں رہتا تھا۔ دو سو پچاس برس تک یہ حدیثیں کروڑوں زبانوں پہ جاری رہیں، ہر نیک و بد کے پاس پہنچیں، الفاظ بدلے ، مفہوم بدلا، اضافے ہوئے، لاکھوں نئی احادیث وضع کی گئیں۔ جن میں حلال کو حرام اور اور حرام کو حلال بنایا گیا، جہاد پہ ضرب کاری لگائی گئی، رہبانیت کو اچھالا گیا، اور ایک ایک ورد پر ہزار ہزار جنتیں تقسیم کی گئیں۔ ان مشتبہ گوش بریدہ اور خود تراشیدہ احادیث کا سیلاب عظیم ۔ جب حضرت امام بخاری کے دور میں داخل ہوا تو آپ نے چھ لاکھ احادیث میں سے جو آپ کو یاد تھیں ، صرف 7275 انتخاب کیں اور باقی تمام کو ناقابل اعتماد قرار دے دیا۔

آپ نے انتخاب کا معیار راویوں کی صداقت کو قرار دیا۔ امام بخاری اور رسول اللہ کے درمیان اڑھائی سو سال کا طویل زمانہ حائل تھا، چھ لاکھ احادیث، ہر حدیث کے کم از کم پانچ چھ راوی، یعنی تیس پینتیس لاکھ راوی، جن میں سے بیس پچیس لاکھ لازماً مر چکے ہوں گے۔ نہ ان کے حالات محفوظ ، نہ انھیں کوئی جاننے والا موجود۔ امام بخاری کو کیسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کے تمام راوی سچے تھے، اور کہ انھوں نے زندگی بھر میں کوئی گناہ نہ کیا تھا اور نہ کبھی جھوٹ بولا تھا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کے معاصر یحییٰ بن معین نے راویوں کے حالات قلمبند کئے تھے، لیکن ان کے متعلق بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں یہ حالات کس نے بتائے تھے، اور دو سو سال پہلے کے راویوں کے متعلق انھوں نے معلومات کہاں سے حاصل کیں تھیں ؟ اگر آج ہمیں کہا جائے کہ محلے کے تمام ان لوگوں کے حالات قلمبند کرو جو گذشتہ دو سال میں مر چکے ہیں، تو ہم کبھی نہ کر سکیں گے۔ ممکن ہے مجملاً ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب پابند صوم و صلوۃ تھے لیکن اس کے کردار کی صحیح تصویر کھینچنا ہمارے لئے نا ممکن ہو گا۔

علاوہ ازیں ہمارے سوانح نگاروں میں ایک خاص نقص بھی تھا ، کہ وہ کسی کے کردار پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے عادی نہیں تھے، ہمیشہ

حسن ظن سے کام لیتے تھے۔ اور مبالغہ آمیز مدح سرائی پر اتر آتے تھے۔ اس وقت ذہبی کا تذکرۃ الحفاظ میرے سامنے پڑا ہے۔ جس میں ہزار ہا بڑے بڑے راویان و حفاظ حدیث کے حالات مرقوم ہیں۔ میں ایک دور کے چند راوی لے کر ذہبی کی زبانی ان کی کہانی سناتا ہوں۔ جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے بزرگوں کا اندازہ کردار نویسی میں کیا تھا؟

مثلاً

1۔ علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے متعلق لکھتے ہیں

کان یصلی فی الیوم و اللیلۃ الف رکعۃ

آپ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ (تذکرہ ص 46)

اگر سونے کھانے ضروری حاجات اور وضو کے لئے کم از کم آٹھ گھنٹے الگ کر لئے جائیں تو باقی سولہ گھنٹے بچتے ہیں۔ اگر ہر رکعت پر اوسطاً دو منٹ صرف ہوں تو یہ تینتیس گھنٹے اور بیس منٹ بنتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سولہ گھنٹوں میں تینتیس گھنٹوں کا کام سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔

2۔ مطرف بن عبداللہ (وفات 95ھ) کے متعلق لکھا ہے

کان راساً فی العلم و العمل

کہ آپ علم و عمل میں سردار تھے (تذکرہ ص 55)

3۔ محمد بن سرین (وفات 110ھ) کے متعلق کہا

عزیز العلم، ثقہ، ۔۔۔ راس فی الورع

کہ آپ علم میں بے مثال ، قابل اعتماد۔۔ اور تقویٰ میں سردار تھے (تذکرہ ص 67)

4۔ طاؤس بن کیسان (وفات 106ھ) کے متعلق فرمایا

کان راساً فی العلم االواع

کہ علم و تقویٰ میں سردار تھا (تذکرہ ص 78)

5۔ ابو صالح ذکوان (وفات 110ھ) کے متعلق ارشاد ہوا

من اجل الناس و  او ثقھم

سب سے بڑا اور سب سے زیادہ قابل اعتماد (تذکرہ 78)

6۔ شعبی کے متعلق کہا

مارایت اعلم و افقہ من شعبی

شعبی سے بڑا عالم اور بڑا عقلمند یا فقیہہ میں نے نہیں دیکھا (تذکرہ ص 70)

7۔ عکرمہ (وفات 107ھ) کے متعلق لکھا

ما بقی احد اعلم بکتاب اللہ من عکرمہ

کہ عکرمہ سے بڑا کتاب اللہ کا کوئی عالم موجود نہیں (تذکرہ ص 84)

8۔ القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (وفات 106ھ) کے متعلق فرمایا

مارایت فقیھا اعلم من القاسم

کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہہ نہیں دیکھا(تذکرہ ص 84)

9۔ عطا بن ابی ریاح (وفات 114ھ) کے متعلق لکھا

مارایت افضل من عطاء

کہ میں نے عطاء سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا (تذکرہ ص 84)

دیکھا آپ نے سوانح نویسی کا انداز۔ یہ سب محدثین ہمعصر تھے۔۔ ذہبی ہر ایک بے مثال ، سب سے بڑا عالم، سرادر قرار دے گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی زمانے میں اور قریباً ایک ہی ملک کے سب لوگ بے نظیر و بے مثال نہیں ہوسکتے ۔ تو جن راویوں کے حالات ان مبالغہ پسند سوانح نگاروں نے اس فیاضی سے قلمبند کئے ہوں ، ان پر اعتماد کر کے کسی قول کو بالکل صحیح سمجھ لینا درست نہیں۔

10۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے موطا (امام مالک) کی ایک شرح لکھی تھی جس کا نام "مُصَفیٰ" ہے۔ اس کے آخر میں کوئی اشفاق الرحمان صاحب ، حضرت مالک کے حالات یوں قلمبند کرتے ہیں۔

" ۔۔۔۔۔ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیث لکھی۔ نو سو اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اور سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر درس دینا شروع کیا۔ جب موطا لکھ چکے تو اسے پانی میں پھینک کر کہنے لگے کہ اگر اس میں سچی احادیث ہیں تو یہ نہیں بھیگے گی۔ چنانچہ وہ نہ بھیگی۔ ایک دن حدیث پڑھا رہے تھے کہ بچھو کپڑوں میں گھس گیا۔ اس نے سولہ مرتبہ امام صاحب کو کاٹا۔ لیکن امام صاحب نے درس ختم کر کے ہی اس کی طرف توجہ دی"

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس سوانح نگار کو حقیقت نگاری سے کتنی چڑ ہے۔ ہر فقرہ اپنی تردید آپ کر رہا ہے۔ نو سو اساتذہ سے پڑھا بھی اور پھر سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل بھی ہو گئے۔ کوئی پوچھے کہ اس زمانہ میں نو سو اساتذہ عرب میں جمع کہاں سے ہو گئے تھے ؟ اگر بالفرض ہو ہی گئے تھے ، تو یہ نہ بتایا کہ امام مالک ہر استاد کے پاس کتنا عرصہ رہے تھے۔ اگر ایک استاد کے پاس صرف ایک مہینہ بھی بسر کیا ہوتا تو بھی ان کا زمانہ تعلیم 75 برس بنتا ہے۔ حالانکہ وہ سترہ برس کی عمر میں تعلیم ختم کر چکے تھے۔ اس گپ کے علاوہ کتاب نہ بھیگنے اور بچھو کاٹنے کا گپوڑا بھی قابل داد ہے۔

تو یہ ہیں وہ سوانح نگار ، جن کی تحریرات کو ہم وحی سمجھ کر بعض راویوں کو سچا اور بعض کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ اور پھر ان سچے راویوں کی احادیث ایک کتاب میں جمع کر کے اس کا نام رکھ دیتے ہیں "صحیح بخاری و صحیح مسلم" اور ساتھ ہی دنیا کو دھمکاتے ہیں کہ یہ وحی (خفی) ہے ۔ اگر تم ان کتابوں پر ایمان نہ لائے تو تمھارا نام جنتیوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ حدیثوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر تے رہے۔ ان کے بعد کیا ہوا۔ اس سلسلہ میں چند اور واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

<u>نمبر 3</u> ۔ حضرت عبداللہ ؓبن یسار فرماتے ہیں ک ایک دن حضرت علیؓ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے حکم دیا کہ یہاں سے واپس جانے

کے بعد ہر شخص پہلا کام یہ کرے کہ جس کے پاس کوئی بھی تحریر ہو اسے مٹا ڈالے، کیوں کہ پہلی قومیں اپنے علماء کی احادیث پہ چلنے اور کتاب اللہ کو چھوڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکیں ہیں ۔ (مختصر جامع بیان العلم ص 33)

نمبر4۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ، ابی بن کعب ؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو روایت حدیث کی بنا پر پیٹنے پر تل گئے تھے۔ اور اسی جرم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ جیسا عظیم المرتبت اصحاب کو قید کر دیا تھا ۔ (تذکرہ الحفاظ جلد 1ص 7)

ان اصحاب کو یہ سزا اس لئے نہیں ملی ہو گی کہ لوگوں کو صحیح احادیث سنایا کرتے تھے ۔ بلکہ اس لئے کہ وہ صحیح و غلط میں امتیاز نہیں کر سکتے ہوں گے۔

نمبر 5۔ آج حضرت عبداللہ ؓ ا بن مسعودؓ کی طرف سینکڑوں احادیث منسوب ہیں۔ لیکن ابو عمرو الشیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود کی خدمت میں برسوں رہا۔ اور ان کے منہ سے کوئی حدیث نہ سنی۔ ہاں جب کبھی مجبوراً کوئی حدیث بیان کرنا پڑتی تو خوف سے کانپنے لگتے اور فرماتے ، رسول اللہ نے غالباً یوں فرمایا تھا یا یوں یا قریباً یوں ۔ (تذکرہ الحفاظ جلد 1 ص 14)

یہ حال تھا ان صحابہ کا، جن کے علم و فضل پر خود بارگاہ رسالت کو ناز تھا۔ اور جن کے فضائل و فواضل ساری امت کے لئے سرمایہ افتخار تھے۔ اندازہ لگا لیا آپ نے کہ یہ حضرات احادیث کے معاملے میں کس قدر محتاط واقع ہوئے تھے۔

نمبر 6۔ ابی اسحٰق مرہ سے اور مرہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کہا کرتے تھے

"جب تمھیں حصول علم کی ضرورت پیش آئے تو قرآن پڑھو اس لئے کہ ا س میں اولین و آخرین کا علم موجود ہے" (تذکرہ جلد 1 ص 12)

نمبر 7۔ ایک شخص نے ابی بن کعب سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے ، فرمایا

اتخذ کتاب اللہ و ارض بہ حکما

کتاب اللہ کو ہاتھ میں لو اور صرف اسی کے فیصلوں پر عمل کرو (تذکرہ جلد 1 ص 15)

نمبر 8 ۔حضرت  عبداللہ بن عباس  ؓ سینکڑوں احادیث کے راوی ہیں لیکن علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ رحلت رسول کے وقت  آپ کی عمر صرف 13 برس تھی۔ (تذکرہ جلد 1 ص 34)

تیرہ برس تک کا بچہ کسی حد تک غیر ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسے کیا خبر کہ نبی دنیا میں کیوں آتا ہے؟ اس کے اقوال کو کیا اہمیت حاصل ہوتی ہے؟ اور  اگر ان اقوال میں رد و بدل ہو جائے تو کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں؟ اس طرح کے غیر ذمہ دار بچے اور آنحضرت صلعم میں اسناد کی کوئ اور کڑی قائم نہ کرنا اور خود انھیں عاقل ، بالغ ، ثقہ سمجھ کر رسول اکرام صلعم سے بلاواسطہ روایت  کے قابل قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

نمبر 9 ۔ ایک مرتبہ کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت، معاویہؓ کے دربار میں گئے۔ امیر نے احادیث کی فرمائش کی۔ آپ نے چند  احادیث سنائیں۔ اور منشی دربار ساتھ ساتھ لکھتا گیا۔ آپ نے وہ کاغذ لے کر پھاڑ ڈالا۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ (بیان العلم ص 32)

نمبر 10 ۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری عمر فاروق کے مکان پر گئے۔ تین آوازیں دیں اور واپس چل دئیے۔ حضرت فاروق باہر نکلے ، واپس جانے کا سبب پوچھا ، تو کہا !

"رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر گھر پر تین آوازیں دو۔ اگر صاحب خانہ نہ بولے تو واپس لوٹ جاؤ"

حضرت عمر نے کہا اس حدیث  پہ فوراً شہادت پیش کرو ورنہ میں تمھیں سزا دوں گا۔ وہ گھبرائے ہوئے مسجد نبوی میں پہنچے اور خوش قسمتی سے انھیں شہادت مل گئی ، ورنہ شاید پٹ جاتے۔ (تذکرہ جلد1 ص6)

نمبر 11۔ اسود بن ہلال کوفی (وفات 84ھ) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود  کے پاس ایک بیاض یا کتاب لے کر گیا جس میں کچھ احادیث درج تھیں۔ آپ نے پانی منگوا کر اس کتاب کو پہلے دھویا اور پھر جلا دیا۔ (جامع ص 33)

نمبر12 ۔  ضماک بن مزاحم (وفات 105ھ) فرمایا کرتے تھے

"وہ زمانہ جلد آ رہا ہے۔ جب احادیث کی کثرت ہو جائے گی ، لوگ کتاب الٰہی کو ترک کر دیں گے۔ مکڑیاں اس پر جالے تانیں گی۔ اور وہ گرد و غبار کے نیچے یوں دب جائے گی کہ نظر تک نہ آئے گی" (جامع ص33)

نمبر13 ۔ عبدالرحمن بن الاسود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ، علقمہ کے ہمراہ حضرت ابن مسعود کے ہاں گئے۔ اور ان کی خدمت میں ایک مجموعہ احادیث پیش کیا۔ آپ نے خادمہ کو آواز دی کہ ایک طشت میں پانی لاؤ۔ جب آ گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اس مجموعہ کو دھو ڈالا اور فرمایا

ان ھذہ القلوب اوعیۃ فا شتغلو ھا بالقرآن ولا تشتغلوھا  بغیرہ

تمھارے دل برتنوں کی طرح ہیں ، ان میں قرآن کے سوا کوئی چیز مت ڈالو (جامع ص 33)

کچھ ہفتے ہوئے آئر لینڈ کے شہر ہ آفاق شاعر برنارڈ شا نے اپنے یوم ولادت پر اپنی دو تین تصانیف پر دستخط کر کے انھیں نیلام کیا۔ اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ دو تین چھوٹی چھوٹی کتابیں دو لاکھ چوبیس ہزار روپے میں فروخت ہوئیں۔برنارڈشا کی تحریرات کی تو یہ قدر ہو اور رسول کے اقوال کو ان کے فدائی جہاں پائیں دھو ڈالیں اور یا مٹا دیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ کیا ان لوگوں کو رسولؐ سے محبت نہیں تھی ؟ اس کا جواب یہی ہے کہ محبت تو تھی لیکن وہ اقوال ، اقوالِ رسول نہ تھے۔

نمبر14 ۔ جریر بن عبدالحمید  کہتے ہیں کہ منصور ،مغیرہ اور الاعمش جیسے محدثین ، کتابت احادیث کو گناہ سمجھتے تھے ۔ (جامع ص 34)

نمبر 15 ۔ قرظۃ بن کعب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم عراق کو روانہ ہوئے ، حضرت فاروقؓ مقام حرار تک ساتھ آئے۔ وہاں نماز ادا کی اور پھر فرمایا دیکھو میں ایک نہایت اہم بات کہنے کے لئے تمھارے ہمراہ یہاں تک آ یا ہوں۔ اور وہ یہ کہ عراق کی سرزمین سے تلاوت قرآن کی سریلی آواز یوں اٹھ رہی ہے جس طرح چھتے کے ارد گرد شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ خدا کے لئے انھیں احادیث میں پھنسا کر قرآن سے دور نہ پھینکنا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص 6 ۔ جامع بیان ص 174)

نمبر 16 ۔ رحلت حضور ؐ سے صرف تین برس پہلے حضرت ابو ہریرہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ لیکن روایت  احادیث میں سب سے بازی لے گئے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ پٹے بھی۔ واقعہ یوں ہے کہ آپ رسول اکرم صلعم کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضور نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ جا اور ہر اس شخص کو جنت کی بشارت دے دے ، جس نے زبان سے لآ الٰہ کہہ دیا ہو۔ ابو ہریرہ باہر نکلے تو سب سے

پہلے حضرت عمر بن خطاب سے ملاقات ہوئی اور یہ بشارت سنائی۔ حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہ کی چھاتی پر گھونسا کھینچ مارا۔ جس سے وہ زمین پر گر پڑے۔ اور رونی صورت بنائے واپس دربار رسالت میں پہنچے۔ پیچھے پیچھے عمر بھی پہنچ گئے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ اسے کیوں پیٹا ؟ کہا کیا آپ نے صرف لآ الٰہ کہنے پہ جنت کی بشارت دی ہے ۔

فرمایا ہاں ۔ عمر نے کہا ۔ از راہ نوازش ایسا نہ کیجئے ،ورنہ لوگ اعمال کو ترک کر دیں گے۔ فخلهم یعلمون (آپ لوگوں کو کام کرنے دیں) ۔ حضور نے فرمایا ، بہت اچھا۔ لوگوں کو کہہ دو کہ کام کریں (ملخص)

(صحیح مسلم ۔ کتاب الایمان۔ طبع مجتبائی ص 405 مع فتح الملہم)

ملاحظہ کیا آپ نے کتنی دلچسپ حدیث ہے۔ صرف دو لفظ (لآ الٰہ) منہ سے نکالو، اور جنت لے لو۔ نہ صوم نہ صلوٰۃ کی ضرورت ، نہ میدان جہاد میں لہو بہانے کی حاجت، نہ صدقہ و زکوٰۃ کے جھمیلے اور نہ جہاد اکبر و اصغر کے جھگڑے۔ دوسری دلچسپی یہ کہ حضرت فاروق بارگاہ رسالت کو حکم دیتے ہیں ولا تفعل فخلهم یعملون آپ لوگوں کو ایسی احادیث نہ سنایا کیجئے۔ مطلب یہ کہ ایسی احادیث سنا کر انھیں خراب نہ کیجئے۔ اور لوگوں کو کام کرنے دیجئے۔ یعنی مذہب کے معاملے میں حضرت فاروق سرور کائنات کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔ اور لطف یہ کہ حضور اس حکم سے سرتابی کی جرات نہیں کر سکتے اور فرماتے ہیں فخلهم (بہت اچھا لوگوں کو کام کرنے دو)۔ بدیگر الفاظ رسول اکرم صلعم نے اعتراف فرما لیا کہ ان کی حدیث (من قال لا الہ) سے لوگ بے عمل ہو سکتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ اس حدیث نے حضور پر نور کی منزلت کو کتنا کم کر دیا۔ کہ ان کا ایک طفل مکتب انھیں سیدھا راستہ دکھا رہا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اس قسم کی احادیث تراشا کرتے تھے۔ بلکہ یہ ہے کہ یار لوگ گھڑ کر ان کا نام جڑ دیتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود ابو ہریرہ بھی روایت میں قدرے غیر محتاط ہوں۔

علامہ ذہبی نے ان کا یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

قال ابو هريرة لمقد حدثنكم باحاديث لوحدثت بها فی زمن عمر بن الخطاب لضر بنی بالدرۃ

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ اگر عمر بن الخطاب کے زمانے میں روایت کرتا تو وہ مجھے دُرّے سے پیٹ ڈالتے۔ (تذکرہ الحفاظ ص 8)

کیوں پیٹ ڈالتے؟ سرور کائنات کا اسوہ بیان کرنے پر؟ کیا کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے؟ نہیں ۔ بلکہ مشتبہ احادیث کی روایت پر۔ حضرت عمر اسی لئے تو احادیث جلا دیا کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے صحابہ کو اس جرم میں قید و بند کی سزا دیتے تھے۔ جس عمر نے ابوہریرہ کو حضور پر نور کی کی زندگی میں پیٹ ڈالا تھا ، اور جس نے رسول اکرم صلعم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا حسبنا کتاب اللہ وہ اپنے عہد خلافت میں ابوہریرہ یا کسی اور بزرگ کو روایت احادیث کی اجازت یسے دے سکتے تھے؟ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ حدیث وحی غیر متلو ہے۔ اس پر ایمان لائیے۔ میں اس قسم کے علماء سے صرف ایک سوال پوچھتا ہوں کہ آپ بڑے مسلمان ہیں یا حضرت عمرؓ؟ اللہ و رسول کی منشا سے وہ زیادہ باخبر تھے یا آپ ؟

حاشا وکلا کہ مجھے حدیث سے بغض نہیں، بلکہ انسانی اقوال سے ضد ہے۔ جنھیں یہودیوں ، زندیقوں اور ہمارے فرقہ باز رہنماؤں نے تراش کر مہبط الوحی صلعم کی طرف اس لئے منسوب کر دیا تھا کہ خدا ، رسول اور قرآن کا کوئی وقار دنیا میں باقی نہ رہے۔

ہمارے موجودہ علماء میں ایک دو بڑی بڑی خوبیاں موجود ہیں

اول: کہ ان کا دامن وضع احادیث کے داغ سے ملوث نہیں۔

دوم: انھیں سرورکائناتؐ سے گہری محبت ت اور دو خرابیاں بھی ہیں

اول: کہ ملکہ تنقید سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے وہ صحیح و غلط میں تمیز نہیں کر سکتے۔

دوم: وہ اسلاف پرستی اور اندھی تقلید کے امراض میں مبتلا ہیں۔ چونکہ ہمارے بعض اسلاف کہہ بیٹھے ہیں کہ صحیح بخاری کی ہر حدیث صحیح ہے۔ اس لئے ہمارے علماء بخاری کی کسی حدیث کو ناقدانہ نظر سے دیکھنا یا معیار روایت پہ پرکھنا کفر سے کم نہیں سمجھتے۔ شیخ عبد الحق دہلوی کی رائے تھی کہ صحاح میں انسانی اقوال کی آمیزش ہے۔ علامہ ابن حجر کا خیال تھا کہ صحیح بخاری کی چالیس احادیث مشتبہ ہیں (ملاحظہ ہو حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا رسالہ الفرقان شاہ ولی اللہ ص 268 ، 276)

اور شیخ حمید الدین فرای فرماتیں

"میں ن صحاح میں بعض ایسی احادیث دیکھیں ، جو قرآن کا صفایا کر دیتی یں م اس عقید س پنا مانگتیں ک کلام رسول ، کلام خدا کو منسوخ کر سکتا " (نظام القرآن)

<u>نمبر 17</u>  شعیب بن حرب (وفات 197ھ) بیان کرتیں ک ایک دن سفیان ثوری ک اں حدیث کا ذکر چل پڑا تو آپ ن کیا۔

لوکان فی ھذا الحدیث خیر لنقص کما ینقص الخیر و لکن شر فارا یزید کما یزید الشر

اگر حدیث کوئی اچھی چیز وتی تو باقی نیکیوں کی طرح ی بھی گھٹتی جاتی لیکن ی بڑھ رى اس لئ ی ایک بدی (جامع ص 178)

<u>نمبر 18</u> - جب سفیان بن عینی س حدیث کی فرمائش کی گئی تو آپ ن فرمایا

ما ادری الذی تطبون من الخیر ، ولو کان خیراً لنقص کما ینقص الخیر

تم جس چیز کی تلاش میں و و کوئی نیکی نیں اگر نیکی وتی تو باقی نیکیوں کی طرح کم وتی جاتی  ( جامع 178)

<u>نمبر 19</u>  بکر بن حماد (دوسری صدی کا ایک شاعر) مضمون بالا کو یوں ادا کرتیں

اری الخیر فی الدنیا یقل کثیر ویںقص نعتما و الحدیث یزید

و لوکان خیر اقل کالخیر کل فاحسب ان الخیر من بعید

میں دیکھ را وں ک دنیا میں نیکی کم و رى لیکن حدیث بڑھ رى اگر حدیث اچھی چیز وتی تو باقی نیکیوں کی طرح ی بھی گھٹتی جاتی پس میں ی نتیج نکالن پر مجبور وں ک حدیث کا نیکی س کوئی تعلق نیں

(توجی لنظر شیخ طاربن صالح ص 11-18)

<u>نمبر 20</u>  بشران حارث کت یں ک میں ن ابو خالد الاحمر الکوفی (وفات 196ھ) کو ی فرمات سنا

باقی علی الناس زمان تعطل لیما المصاحف لایفر فیھا و یطلبون الحدیث

ایک ایسا زمانہ بھی آ رہا ہے کہ لوگ قرآن شریف کو ایک طرف رکھ دیں گے اور احادیث کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔ (جامع ص 180)

اور وہ زمانہ دوسری صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اور اب یہ عالم ہے کہ ساری امت قرآن سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ قوائے عمل پر اوس پڑ چکی ہے۔ ہر فرد حدیث کی ارزاں جنت کی تلاش میں ہے۔

سارا زور اوراد اور وظائف پر یہ صرف ہو رہا ہے۔ صرف وضو کرنے پہ گناہوں کی مغفرت ہو رہی ہے۔ چند الفاظ کے ورد پر زمرد اور موتیوں کے محل تیار ہو رہے ہیں۔ نماز میں ربنا لک الحمد کہنے پر زندگی کی تمام سیاہ کاریاں دھوئی جا رہی ہیں۔ اور حلوے کا ایک لقمہ کھلانے سے قبر کا عذاب ٹل رہا ہے۔ کہیے ، کہ اس قدر سستی جنت کو چھوڑ کر قرآن کے شمشیر و سناں ، صبر و ابتلا، خوف و جوع، ایثار و شہادت والے اسلام کے قریب کون جائے ؟ کون عمر بھر کی کمائی قوم کے حوالے کر دے۔دسمبر کی ٹھنڈی راتوں میں برفانی پہاڑوں پہ کون پہرہ دے۔ طیاروں کی بمباری کون سہے۔ ٹینکوں کے آگے میلوں کون بھاگے۔ اور گولیوں سے سینہ چھلنی کرا کے بہشت کون لے؟ کیوں نہ مسجد میں گھس کر کچھ وقت کے لئے اللہ اللہ کرے اور مرنے کے بعد سیدھا جنت میں چلا جائے۔

من قال سبحان اللہ و بحمدہ فی یوم مائتا مرہ حطعت منہ خطا یاہ وان کانت مثل زیدہ البحر

جو شخص دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمد" کا ورد کرے گا۔ اس کی تمام سیاہ کاریاں معاف ہو جائیں گی۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں ۔ (موطا امام مالک ۔ مطبع مجتبائی طبع 1345ھ ص 73)

موطا کے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث دی ہوئی ہے۔ جو موطا میں موقوف (حضورﷺ تک نہیں پہنچتی بلکہ کسی صحابی کی رائے ہے) اور ترمذی و ابن ماجہ میں باقاعدہ حضور سے مروی ہے۔

عن ابی الدردا قال الا اخبرکم بخیر اعمالکم وارفعھا فی درجاتکم و خیر لکم من اعطاء الذھب و الورق و خیر لکم من ان

تلقو عدوکم فتضربوا عناقکم و یفربوا اعناقھم۔ قالو بلیٰ۔ قال ذکر اللہ تعالیٰ۔

ابی االدردا (صحابی) کہتے ہیں کہ آؤ میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے بہتر عمل جس سے تمھارے مدارج بہت بلند ہو جائیں ، کون سا ہے؟ ایسا عمل جو سونے اور چاندی کی قربانی اور جہاد سے بھی بہتر ہو ، وہ جہاد جس میں تم دشمن کا سر کاٹتے ہو اور وہ تمھارا، لوگوں نے کہا فرمائیے! کہا! اللہ کا ذکر۔

ہر صاحب علم جانتا ہے کہ حدیث کی دنیا میں موطا کا درجہ کتنا بلند ہے۔ اس بلند کتاب میں اس حدیث کو پڑھنے کے بعد کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ اپنے ملک و ملت کی حفاظت یا اپنی مستورات کی عزت و عصمت بچانے کے لئے سر دیتا پھرے۔ وہ غلام رہے یا آزاد اس کی بلا سے۔ ساری دنیا جنت کے لئے مرتی ہے۔ اور یہ نعمت اس کو زبانی خدا کی یاد سے مل سکتی ہے۔ پھر خوامخواہ دکھ کیوں اٹھائے اور اپنی لاش کو خاک و خون میں کیوں تڑپائے۔

نمبر 21۔ وکیع فرماتے ہیں کہ امام داؤد طائی سے کسی نے پوچھا کہ آپ احادیث کی روایت کیوں نہیں کرتے ۔ فرمایا

"میں بچوں کا کھلونا نہیں بننا چاہتا" (جامع ص 180)

نمبر22 ۔ ایک مرتبہ چند طلبائے حدیث حضرت فضیل بن عیاض کے ہاں درس حدیث لینے کے لئے آئے۔ آپ نے انھیں ان الفاظ میں ڈانٹ پلائی۔

انکم قد ضیعتم کتاب اللہ ولو طلبتم کتاب اللہ لوجد تم فیہ شفاء ثم قر یا ایھاالناس قد جاء تکم مر عظہ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمتہ للمومنین۔ قل بفضل اللہ و برحمتہ فیذلک فلیف حوا ھر خیر مما یجمعون

تم لوگوں نے اللہ کی کتاب کو ضائع کر دیا ہے اگر تم کتاب الٰہی کی تلاش کرتے تو اس میں تمھیں شفاء مل جاتی۔ اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ اے لوگو! تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ضابطہ حیات آ چکا ہے جس میں دل و دماغ کی تمام بیماریوں کا علاج درج ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ اے رسول ان مسلمانوں سے کہہ دو وہ اللہ کی اس رحمت اور نعمت (قرآن) پر خوش ہوں اور

یہ قرآن اس چیز (اس سے مراد حدیث بھی ہو سکتی ہے) سے اچھا ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔ (جامع ص 181)

تو جو کتاب شفاء بھی ہے، موعظت و رحمت بھی، اللہ کا فضل بھی ہے اور نعمت بھی۔ کیا وہ ہدایت کے لئے کافی نہیں؟

نمبر 23 ۔ اسی طرح ایک دفعہ چند طلباء نے حضرت فضیل بن عیاض کو درس حدیث کے لئے مجبور کیا۔ تو آپ نے فرمایا

لم تکر ھونی علی امر تعلمون انی کارہ لہ

تم مجھے ایسی بات پہ کیوں مجبور کر رہے ہو جس سے مجھے نفرت ہے (جامع ص 181)

نمبر 24۔ سفیان ثوری کا قول ہے

انا فی الحدیث منذ ستین سنۃ ودرت ان خرجت مند کفافاً لا علی ولالی

میں گزشتہ ساٹھ برس سے حدیث کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں اور اب اس سے اس حالت میں نکلنا چاہتا ہوں کہ اس کے فائدے اور نقصان ہر دو سے محفوظ رہوں۔ (جامع ص 181)

نمبر 25۔ اس زمانہ میں علمائے اسلام احادیث کی کثرت اور رنگ برنگی سے اس قدر گھبرا اٹھے تھے کہ یموت بن المزرع کو یہ فقرہ کہنے کی جرات ہو گئی تھی

اذا رایت شیخاً یعدوا فاعلم ان اصحاب الحدیث خلفہ

جب تم کسی عالم کو سرپٹ بھاگتا دیکھو تو سمجھ لو کہ طلبہ حدیث اس کا پیچھا کر رہے ہیں ۔ ( جامع ص 181)

نمبر 26 ۔ محمد بن سلام حضرت فاروقؓ کے اس قول کے راوی ہیں

ما رایت علماً اشرف و لا اھلا اخف من اھل الحدیث

میں نے حدیث سے بہتر کوئی علم اور اہل حدیث سے زیادہ ذلیل کوئی مخلوق نہیں دیکھی ۔ (جامع ص 181)

مطلب صاف ہے کہ اقوال رسول کی عظمت میں تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا لیکن ان میں انسانی اقوال کی اس قدر آمیزش ہو گئی ہے کہ اس علم کے خزینہ دار بے قابو ہو کر رہ گئے ہیں۔

نمبر 27 ۔ سفیان بن عینیہ مسعر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے کہا

"خدا میرے دشمن کو محدث بنا دے"

ایک اور موقعہ پر فرمایا

"کاش علم حدیث میرے سر پر شیشوں کا ایک ٹکڑا ہوتا جو گر کر چُور چُور ہو جاتا"

نمبر 28۔ ایک دفعہ چند طلبہ حدیث سفیان بن عینیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا

انتم منخزذعینیۃ

تم میری آنکھوں کی جلن ہو۔

اور ساتھ ہی کہا

"اگر آج عمر بن خطاب زندہ ہوتے اور ہم سب کو دیکھ پاتے ، تو ہمیں سزا دیتے" (جامع ص 182)

نمبر 29 ۔ ابن ابی عدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام شعبہ نے فرمایا۔

"ایک زمانہ تھا کہ میں اصحاب حدیث سے مل کر خوش ہوتا تھا لیکن آج لیس شی ابغض الی من ان اری واحد امنھم میرے ہاں سب سے زیادہ قابل نفرت یہی لوگ ہیں" (جامع ص 182)

نمبر 30۔ یحییٰ بن سعید القطان البصری (وفات 198ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند طلبہ امام شعبہ کے پاس درس حدیث لینے کے لئے آئے۔ آپ نے چمک کر کہا۔

ان ھذا لحدیث لیصد کم عن ذکر اللہ فھل انتم منتھون

یہ حدیثیں تمھیں اللہ کے ذکر سے روکتی ہیں۔ کیا تم باز نہیں آؤ گے ؟ (جامع ص 182)

نمبر 31۔ سفیان بن الحسین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایاس بن معاویہ سے میری ملاقات ہوئی، تو انھوں نے کہا

اراک تطلب الاحادیث التفسیر ایاک و الشناعۃ

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم احادیث اور تفسیری اقوالہ کی تلاش میں پھر رہے ہو۔ خبردار ! اس کثافت سے بچو۔ (جامع ص 183)

نمبر 32 ۔ ایک مرتبہ امام الاعمش ؒ نے طلبہ حدیث سے کہا

"مجھے حدیث حنظل سے بھی زیادہ کڑوی معلوم ہو ، تم جس شخص کے قریب جاتے ہو، اسے جھوٹ بولنے (یعنی احادیث پڑھنے) کی ترغیب دیتے ہو۔ (جامع ص 183)

نمبر 33 ۔ ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ ایک موقع پر مغیرہ العنبی نے ارباب حدیث کے متعلق فرمایا

واللہ لانا اشد خوفاً منهم من الفساق

خدا کی قسم میں بدمعاشوں سے اتنا نہیں گھبراتا ، جتنا ان حدیث والوں سے (جامع ص 183)

نمبر 34 ۔ سعید القطان نے اپنے بیٹے کو کہا

لم تری الصالحین فی مثیی اکذب منهم فی الحدیث

کہ یہ صوفی و زاہد لوگ احادیث کے معاملے میں سب سے بڑے جھوٹے واقع ہوئے ہیں۔

(فتح الملہم شبیر احمد عثمانی طبع مجتبائی جلد 1 ص 132)

نمبر 35 ۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ تین قسم کی احادیث میں تحریف ہو چکی ہے۔ پیشین گوئیاں، جنگیں اور تفسیری احادیث۔ صرف باب التفسیر میں احادیث کی یہ کثرت ہے کہ ابن حنبل کے ایک دوست ابو زرعہ کو ایک لاکھ چالیس ہزار تفسیری احادیث یاد تھیں۔
(توجیہات ص 11- 18)

## دوسرا باب

# تدوین حدیث

---

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں صحابہ کبار جمع احادیث کے خلاف تھے۔ صحابہ کرام میں سے چند بزرگ یعنی انس بن مالک، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو ایسے نظر آتے ہیں جن کے پاس کچھ احادیث محفوظ تھیں۔ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے رسول اکرم صلعم سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ کے اقوال لکھ سکتا ہوں تو حضور نے فرمایا ! نعم ! انی لا اقول الاحقا بیشک لکھ لیا کرو۔ اس لئے کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

حیرت ہے کہ جس ہستی نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا (مسلم) اور جس کے جلیل القدر جانشین آپ کے ارشاد کی تعمیل میں نہ صرف اپنے مجموعے بلکہ ہر صحابی کے مجموعے ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر تے رہے اسی ہستی نے عبداللہ بن عمر کو کتابت کی اجازت کیسے دے دی تھی ؟ مزید حیرت اس امر پر ہے جب حضرت عمر اور حضرت علی نے احادیث جلانے یا مٹانے کا حکم دیا تھا تو حضرت ابن عمرو نے کیوں تعمیل نہ کی۔

کیا قرآن کی رو سے اولی الامر کی تعمیل فرض نہیں ؟ یا تو ہم تسلیم کریں، کہ صحیح مسلم کی حدیث غلط ہے اور یا ابن عمر کو رسول خدااور خلفائے کرام کی حکم عدولی کا ملزم ٹھہرائیں۔ حضور کے خلفا کے عمل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہے۔ اور اگر مسلم کی حدیث کو صحیح قرار دیں تو ابو داؤد والی حدیث وضعی ثابت ہو تی ہے۔

مسند ابن وہب میں حضرت ابو ہریرہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن صحیح بخاری میں خود ابو ہریرہ کی یہ روایت موجود ہے۔

ما من اصحاب النبی اکثر حدیثا منی الاعبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب و کنت لا اکتب

تمام صحابہ میں صرف عبداللہ بن عمرو کی روایات مجھ سے زیادہ
تھیں اس لئے کہ وہ حدیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا۔
چونکہ امام بخاری کی صحیح کو مسند کو مذکور سے زیادہ قابل اعتماد
ہے اس لئے مسند کے بیان کو ہم صحیح قرار نہیں دے سکتے۔

حضرت انس کے متعلق ایک روایت ترمذی میں ملتی ہے۔ آپ سرور
کائنات صلعم کے خادم خاص تھے۔ اور عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ یعنی
جب حضور مدینہ تشریف لائے تھے تو حضرت انس کی عمر صرف
ساڑھے نو برس تھی اور رحلت حضور کے وقت انیس  بیس برس۔

اپنے اردگرد نظر ڈال کر دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ کیا کوئی لڑکا
اٹھارہ انیس برس کی عمر تک کسی قسم کی کوئی ذمہ داری
محسوس کر سکتا ہے؟ حضرت انس کا کام تھا حرم نبوی اور رفات
نبوی کی خدمت۔ دن کا پیشتر حصہ ، خرید و فروخت، لین دین، جھاڑ
پھونک میں گزر جاتا  تھا۔ کچھ فرصت ملتی تو قرآن شریف یاد کیا
کرتے تھے۔ وہ ارشادات نبوی ضرور سنتے ہوں گے۔ لیکن لڑکپن کا
زمانہ تھا ، انھیں کیا پڑی تھی کہ ہر ارشاد اور ہر واقعہ تمام جزئیات
کے ساتھ یاد کرتے پھرتے۔ واقعہ سامنے آیا اور گزر گیا۔ کچھ یاد رہا
کچھ بھول گیا۔ کوئی بات کان سے ٹکرائی سن لی۔ اور پھر کام میں
لگ گئے۔ لیکن جب لوگ حضور کی رحلت کے بعد قرآن چھوڑ کر حدیث
کے پیچھے پڑ گئے اور راویان حدیث کی منزلت بڑھ گئی۔ تو آپ نے بھی
بھولے بسرے واقعات اور گوش گزشتہ ارشادات کا جائزہ لینا شروع کیا۔
ممکن ہے کہ کوئ ارشاد بالفاظہ یاد رہا ہو۔ اور بعض دیگر کا خاکہ
خود مکمل کر لیا ہو۔ بہرحال جو احادیث آپ سے مروی ہیں ان کی
تعداد 1286 ہے۔جن میں سے 168 کی صحت پر ائمہ حدیث کا اتفاق
ہے۔ اور باقی 1118 کو کو ناقابل توجہ سمجھا جاتا ہے۔ امام بخاری
نے ان متفقہ احادیث میں سے صرف 83 نقل کیں ہیں۔ مسلم نے 71
اور باقی کو مشکوک سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔ اتنی کانٹ چھانٹ
کے بعد بھی آپ کی بعض احادیث بدستور محل نظر ہیں۔ مثلاً

"عتبان بن مالک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضورؐ سے التماس
کی کہ وہ میرے گھر آ کر نماز پڑھیں۔ آپ نے یہ التجا قبول فرما لی۔
آپ کے ہمراہ چند صحابہ بھی تشریف لائے۔ صحابہ نے منافقین کا ذکر
چھیڑ دیا۔ وہ کہنے لگے کتنا اچھا ہو ۔ اگر حضو ، مالک جودُخشم
(منافق) کی ہلاکت کی دعا کریں۔ حضور نے فرمایا کیا وہ کلمہ نہیں
پڑھتا؟ صحابہ نے کہا زبان سے تو پڑھتا ہے۔ لیکن اس کا دل بہ ایمان

ہے۔ فرمایا ! جو شخص کلمہ پڑھتا ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔
حضرت انس کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث عجیب معلوم ہوئی۔ چنانچہ
میں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ لکھ لے ۔ اور اس نے لکھ لی۔

(صحیح مسلم کتاب
الایمان)

اگر ابن دخشم واقعی منافق تھا اور اتنے صحابہ کی شہادت کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور خود حضورﷺ نے بھی اس کی تردید نہیں فرمائی۔ تو پھر اس کی مغفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ منافقین کے متعلق اللہ کا یہ صریح ارشاد موجود ہے۔

ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم

اے رسول اگر تو ان منافقین کے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کرے، پھر بھی ہم ان کی بدکاریوں کو معاف نہیں کریں گے۔

ایک اور آیت ملاحظہ ہو۔

اذا جآ ء ک امنا فقون قالوانشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون

اے رسول ! جب یہ منافق تیرے پاس آتے ہیں تو تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں (یعنی باقاعدہ کلمہ پڑھتے ہیں) لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

جھوٹے ان معنوں میں کہ ان کی زبان ان کے دل کی ترجمان نہیں ہوتی۔ تو جن لوگوں کے کذب و نفاق پہ خود اللہ شہادت دے رہا ہو۔ ان کی مغفرت کی امید معلوم۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو

"انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آپ کے پاس جبریل آیا۔ آپ کو پکڑا۔ زمین پر گرایا۔ سینہ چیر کر دل نکالا۔ پھر دل کو چیرا اور ایک ٹکڑے کے متعلق کہا کہ یہ شیطان والا حصہ ہے۔ اس حصے کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا۔ پھر دوسرے ٹکڑے کے ساتھ جوڑ کر دوبارہ سینے میں رکھ دیا۔ اور اس زخم کا نشان تا دمِ آخریں باقی رہا"۔

(صحیح مسلم مع فتح
الملہم ص 323)

یہ حدیث کئی طرح سے مشکوک ہے۔

اول: جب بچپن میں حضور بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حضرت انس کہاں تھے؟ آپ ایک ایسے واقعے کو بیان کر رہے ہیں جو آپ کی پیدائش سے قریباً چھتیس برس پہلے ہوا تھا۔ اگر آپ نے یہ واقعہ کسی سے سنا تھا ، تو اس کا نام بتانا ضروری تھا۔

دوم: دل کے دو حصے ہیں۔ دایاں حصہ خون کو پھیپھڑوں میں بھیجتا ہے جو وہاں سے صاف ہو کر دل کے بائیں حصے میں داخل ہوتا ہے اور پھر جسم میں چلا جاتا ہے۔ دل ایک پمپ ہے جس کا کام لہو کو پہلے پھیپھڑوں میں بھیجنا اور پھر جسم میں دھکیلنا ہے۔

یہ صرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جو ہاتھ پاؤں کی طرح لذت و الم کا احساس نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی خیر و شر کا محرک ہے۔ تمام افکار ، جذبات، خیالات اور تصورات کا مرکز دماغ ہے۔ خیر و شر کی تحریک یہیں پیدا ہوتی ہے۔ اور ارادے یہیں بندھتے ہیں ۔ اگر جبریل کا مقصد منبع شر کو مٹانا تھا تو دماغ کو چیرتا نہ کہ دل کو۔ اس میں کلام نہیں کہ ہمارے صوفیاء و شعرا دل ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جذبات کا مرکز دل ہے۔ لیکن غلط فہمی سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ دماغ کو مجازاً دل کہہ دیں۔ بہرحال آپ دماغ کو دماغ کہیں یا دل، حقیقت یہی ہے کہ خیر و شر کی تمام تحریکات دماغ سے ابھرتی ہیں اور دماغ کا مسکن کھوپڑی ہے۔ نہ کہ سینہ۔ چونکہ اس حدیث کا واضع دل ہی کو سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ حدیث گھڑتے وقت یہ قطعاً نہ سوچا کہ جب علم ترقی کر جائے گا تو اس وقت لوگ اس حدیث کو پڑھ کر خدا اور رسول اور جبریل کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ یہی کہ خاکم بدہن ہر سہ دل و دماغ کی ساخت اور ان کے اعمال سے نا آشنا تھے۔

سوم: گناہ کی دنیا حسین بھی ہے لذیذ بھی۔ انسان اسی صورت میں کامل بن سکتا ہے کہ وہ گناہ کی تمام ترغیبات کو جھٹک کر نیکی کی اجاڑ راہوں پر بڑھتا چلے۔ ایک حسین نوجوان کا تیر نگاہ سے بچ جانا اس کا کمال ہے۔ لیکن اگر کوئی پیر صد سالہ یہ کہے کہ میں عورتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھنا نگاہ کی توہین سمجھتا ہوں تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔ اس لئے ہمیں اس رسول پر ناز ہے جو بشر ہوتے ہوئے بھی ہر ترغیب، ہر کشش، اور ہر گناہ سے دامن بچا کر

نکل گیا تھا۔ نہ اس رسول پر کہ جس کا آپریشن کر کے خطا کاری کی استعداد ہی سے محروم کر دیا گیا تھا۔

چہارم:اگر اللہ کی منشا یہی تھی کہ ہر نبی معصوم ہو تو وہ ماں کے پیٹ میں ان کے دماغ کی ساخت ویسی بنا سکتا تھا کہ گناہ کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو سکتا اور بعد میں جبریلؑ سے آپریشن (اور وہ بھی غلط مقام پر) کرانے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

پنجم: یہ زمزم کے پانی سے مرکز گناہ دھونے کی بھی خوب کہی۔ اگر کوئی شخص بجلی کے تاروں کو پانی سے دھونا شروع کر دے اور کہے کہ میں ان تاروں سے بجلی ختم کر کے رہوں گا تو آپ اس کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟ دل یا دماغ میں نیکی یا گناہ کا صرف ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم دماغ سے بھیجا نکال کر اسے پانی سے دھونا شروع کر دیں اور کہیں کہ آج ان ارادوں کا تمام مواد ختم کر کے ہی دم لیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟

تو یہ ہے حقیقت حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ ؓ بن عمو اور انس بن مالکؓ کے مجموعہ ہائے حدیث کی۔ صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ آیا۔

تذکروں میں مذکور ہے کہ مغیرہ شعبی اعمش اور قاسم جیسے علمائے تابعین جمع احادیث کو ناجائز سمجھتے رہے۔ امام بن شہاب الزہری المدنی (وفات 114ھ) پہلا محدث ہے جس نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے کچھ احادیث جمع کیں۔ آپ کے بعد ابن جریح نے مکہ میں ، ابن اسحق اور مالک نے مدینے میں، ربیع بن صبیح سعد بن عروبہ اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں سفیان ثوری نے کوفہ میں اوزاعی نے شام میں، میثم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، جریر نے رے میں، اور ابن مبارک نے خراسان میں یہی کام شروع کیا۔ لیکن امام مالک کے بغیر باقی سب کے مجموعے ضائع ہو گئے۔ دوسری صدی کے آخر میں چند اور مجموعے مرتب ہوئے مثلاً مسند اسد بن موسیٰ مسند عبید اللہ بن موسی العسبی، مسند مسد بصری، اور مسند نعیم بن المحماد المخراعی۔ تیسری صدی کے آغاز میں امام احمد بن حنبلؒ امام بخاری ؒ مسلم اور ابو داؤد وغیرہ تدوین احادیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابن حنبل نے چالیس ہزار احادیث جمع کیں، ان کے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ ان احادیث کو روایت و درایت کے معیار پر پرکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ امام بخاری پہلے محقق ہیں جنھوں نے چھ لاکھ احادیث(امام بخاری تک صرف چھ لاکھ پہنچی تھیں ورنہ

یحییٰ بن معین کو 14 لاکھ احادیث کا علم تھا) میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی۔ بعض اوقات ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی استخارے کئے۔ یعنی جو کچھ انسانی طاقت میں تھا انہوں نے کیا۔ لیکن جن احادیث کو مشتبہ سمجھ کر فاروق و صدیق جلا رہے تھے ، اڑھائی سو برس بعد کیسے صحیح بن سکتی تھیں۔ پھر اس عرصے میں ہزاروں جعلساز پیدا ہو سکے تھے۔ جن کا پیشہ ہی حدیث تراشی تھا۔ علامہ محمد طاہر گجراتی نے اپنی مشہور تصنیف "قانون الاخبار الموضوعہ و الرجال الضعفار" میں تقریباً دو ہزار ایسے اشخاص کے نام دئیے ہیں جو زندگی بھر جھوٹی حدیثیں گھڑتے رہے۔ کسی نے ہزار تراشیں اور کسی دس ہزارہ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ابن عکاشہ اور محمد بن تمیم نے دس ہزار احادیث وضع کیں تھیں۔ جب ابن ابی العواجا زندیق گرفتار ہوا تو اس نے اقرار کیا کہ میں چار ہزار احادیث گھڑ چکا ہوں۔ جب خلیفہ وقت نے دریافت کیا کہ وضع حدیث سے تمھارا کیا مقصد تھا ، تو کہا کچھ نہیں۔ صرف قرآن کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بناتا رہا۔ بالکل درست کہا تھا۔ ابن ابی العواجا نے عام حدیث کو تو جانے دیجئے۔ صحاح ستہ میں بعض ایسی احادیث راہ پا چکی ہیں جو نہ صرف قرآن سے متصادم ہیں بلکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند علم ، عظیم المرتبت شخصیت اور بے مثال کردار کے سخت منافی ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی بنا پر مولانا عبید اللہ سندھی نے فرمایا تھا۔

"میں ایک یورپین نو مسلم کو کتاب بخاری کیوں نہیں پڑھا سکتا ؟ اس کی وجہ میں مجلس عام میں نہیں بتا سکتا"

(الفرقان شاہ ولی اللہ
نمبر 285)

یہ نہ سمجھئے کہ حدیث تراشی کا کام صرف یہود ، منافق اور زنادقہ ہی کیا کرتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے قضاۃ بھی اس "کارِ خیر" میں شامل تھے۔ مثلاً ابن ابی یحییٰ مدینے میں۔الواقدی بغداد میں۔ اورمقاتل بن سلیمان خراسان میں بیٹھ کر حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی نے وضاعین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جس میں قاضی وہب بن وہب، محمد بن سعید الشامی ، ابو داؤد النخعی، غیاث بن ابراہیم النخعی، مغیرہ بن سعید کوفی، احمد بن عبداللہ جوبیازی، ماعون بن احمد الہروی، محمد بن قاسم طالتافی اور محمد بن زیاد الیشکری جیسے "بزرگان قوم" شامل ہیں۔

(تذکرہ الموضوعات علامہ
محمد طاہر ص9)

جمال الدین المزنی فرماتے ہیں کہ قاضی ابو نصر بن دوعان کی تمام احادیث جھوٹی ہیں۔

(ابو جیزہ و تذکرہ الموصوعات
ص 9)

علامہ محمد طاہر کہتے ہیں کہ ابن ابی الدنیا، ابی نسطور الرومی، بشر، نعیم بن سالم، خراش، دینار، ابان بن سفیان، ابراہیم بن اسمعیل، ابراہیم بن بطیار الخوارزمی، ابان بن نہشل، ابراہیم بن رستم اور اسی قماش کے کئی ہزار بزرگ جھوٹی احادیث تراشا کرتے تھے۔

امام سیوطی اپنی مشہور کتاب لآلی میں لکھتے ہیں کہ ابان بن جعفر البصری نے تین سو احادیث وضع کر کے امام ابو حنیفہ کا نام جڑ دیا تھا۔ الوجیز میں المزنی کہتے ہیں کہ حضور کا مشہور خطبہ جو خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، تمام تر جعلی ہے۔ اور اس کا واضع میسرہ بن عبدربہ ہے۔ علامہ ویلمی فرماتے ہیں کہ ابو الفضل جعفر بن محمد بن علی الحسینی کی کتاب العروس خرافات کا ایک پلندہ ہے۔ اور اس کی سب حدیثیں جھوٹی ہیں۔

(تذکرہ الموضوعات ص 10)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ احمد بن اسحاقب ابراہیم بن بلیط بن شریط کا مجموعہ احادیث خرافات ہے۔

(تذکرہ الموضوعات ص 10)

مفرقہ علوم الحدیث (صفحہ 60) میں مذکور ہے، ابان نے جعلی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ اور ہر روایت میں حضرت انس بن مالک کا نام جڑ دیا تھا۔ مقام تعجب نہیں ، اگر حضرت انس کی وہ سینہ چیرنے والی حدیث بھی اسی قسم کے مجموعہ سے نکل کر صحیح مسلم میں جا پہنچی ہو۔ علامہ ابو الخیر شمس الدین السخاوی "مقاصد" میں لکھتے ہیں

"تفسیری احادیث کے دو مجموعے تیار ہو چکے ہیں۔ ایک کلبی کا اور دوسرا مقاتل بن سلیمان کا۔ کلبی کے متعلق احمد بن حنبل نے لکھا ہے کہ اس کی ایک بھی حدیث صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض

مفسرین اپنے عقائد کے مطابق احادیث گھڑتے رہے۔ جن میں
عبدالرحمن بن کیسان الاصمؒ الجبائی الرمانیؒ زفخشری (صاحب
کشاف) ابی عبدالرحمن السلمیٰؒ الثعلبیؒ اور الواحدی خصوصیت سے
قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت دور از کار مطالب بیان کئے۔ اور
ایسی احادیث وضع کیں کہ عقل سر پیٹ کر رہ جائے۔ مثلاً ایک مفتر
مرج البحرین یلتقیان (دنیا کے دو سمند آپس میں مل رہے ہیں) کی
تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ بحرین (دو
سمندر) سے مراد حضرت علی اور فاطمہ ہیں۔ اور یخرج منهما
اللولوء والمرجان (ان سمندروں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں) میں
لولو و مرجان سے مراد حسین و حسن ہیں۔
(مقاصد و تذکرۃ الموضوعات ص 82)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ وضع احادیث میں کیسے کیسے بزرگوں کی "دعا و
ہمت" شامل تھی۔ منافقوں،یہودیوں اور دشمنان اسلام کا تو ذکر ہی
نہ کیجئے۔ ان کا تو مقصد ہی اسلام کے چشمہ مصفا کو مکدر کرنا
تھا۔ بات کیجئے اپنے بڑے بڑے جبہ پوش قاضیوں کی اور خضر صورت
واعظوں کی کہ نہ اللہ سے ڈرے، نہ رسول سے شرمائے۔ نہ نقصان
مایہ کی فکر کی نہ شماتت ہمسایہ کا خیال آیا۔ اور چودہ لاکھ
احادیث کا طور مار عظیم تر اش کر ملت کے سر پہ دے مارا۔ اور کہا
کہ یہ ہے۔ تمھارا لائحہ عمل۔ قرآن وحی جلی تھا اور یہ وحی خفی۔
قرآن مجمل تھا اور یہ مفصل۔ خاکم بدہن قرآن ناقص تھا ( کہ اس
میں ادائے صلوۃ کا طریقہ درج نہیں) اور یہ مکمل۔ اس لئے اسے اپنانا
ہی پڑے گا۔

زندگی کی چند روزہ وجاہت اور چند ٹکوں کی خاطر ان لوگوں نے
تعلیم اسلام کا ستیاناس کر ڈالا۔ اور اللہ کے انقلاب انگیز، حیات آفرین
اور سکون بخش پیغام میں وہ وہ اباطیل و خرافات داخل کر دئیے گئے
کہ الامان و المحذور ملت کی ذہنیت مسخ ہو گئی۔ تصورات حیات
بدل گئے۔ اور حقائق نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ وہ مسلمان جو سطح
ارضی پہ جہانگیر اخوت کی بنیاد ڈالنے آیا تھا وہ خود ایک تنگ و تاریک
حجرہ میں مقید ہو گیا۔ وہ جس نے ساحل سے اچھل کر بیکراں بننا تھا
ایک جوئے کثیف بن کر رہ گیا۔ وہ جس کے خرام ناز کا تماشہ تمام
عالم نے دیکھنا تھا، گام اول ہی پہ منزل سمجھ کر بیٹھ گیا۔ وہ جس
نے نسل آدم کو اوہام و اباطیل کی دنیا سے نکالنا تھا خود سب سے

بڑا پرستار اوہام بن کر رہ گیا۔ اور وہ جس نے ظواہر و مناسک کے تمام بت توڑنے تھے، ہزاروں بت تراش کر خود ان کی پرستش میں محو ہو گیا۔ درست فرمایا تھا حکیم الامت نے

تمدن، تصوف ، شریعت کلام　　　　بتان عجم کے پجاری تمام

یہ امت روایات میں کھو گئی　　　　حقیقت خرافات میں کھو گئی

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

(اقبال)

## تیسرا باب

# چند عجیب راوی صحابہ

مبالغہ پسندی، بیجا مدح سرائی، داستان میں ڈرامائی رنگ بھرنا اور خلاف عقل و عادت باتیں لکھنا، ایشیائی سوانح نگاروں کا امتیازی وصف ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ بیماری بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو اٹھا کر دیکھو شاہنامہ فردوسی میں ہفت خوان رستم، اور اپنے ہزاروں ائمہ و صوفیا کے سوانح حیات۔ مسلم سوانح نگار کو جب تک اپنے ممدوح کے متعلق کوئی خلاف عقل و عادت واقعہ نہ ملے، وہ اپنی تصنیف کو نامکمل سمجھتا ہے۔ یہی حضرات جب احادیث تراشی کی طرف متوجہ ہوئے تو وہاں بھی ڈرامائی رنگ پیدا کر دیا۔

اسی رسول ﷺ کی زبان سے قرآن نکلا تھا۔ جس میں از اول تا آخر نہ مبالغہ ہے نہ کوئی خلاف عقل بات، نہ حقیقت سے تجاوز ہے، نہ ڈرامائی رنگ۔ لیکن جب ہمارے کم سودا و کم نظر لوگ احادیث گھڑنے بیٹھے ، نہ رسول کے رنگ کلام کو سامنے رکھا، نہ ان کی شخصیت کا پاس کیا، نہ قرآن کی حقیقت نگاری کا خیال کیا ، اور جو اناپ شناپ منہ میں آیا، اسے معلم کائنات کی طرف منسوب کر دیا۔ ہر مصنف کا ایک خاص انداز تحریر ہوتا ہے، جس سے اس کی شخص جھانک رہی ہوتی ہے۔ آپ غالب کا کوئی کتنا ہی غیر معروف شعر پڑھیں، غالب داں مضمون اور تراکیب کو دیکھ کر فوراً تاڑ جائیں گے کہ یہ شعر غالب کا ہے۔ یہی حال ٹیگور ، اقبال اور شیکسپیر کا ہے، کہ وہ اپنے انداز بیان ، اسلوب تحریر ، مخصوص تراکیب اور خاص فلسفہ کی وجہ سے فوراً پہچانے جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی احمق استاد امام دین گجراتی کے ان اشعار

کوئی سیٹ جنت میں خالی نہیں ہے

خوشی سے جہنم میں وڑ مام دینا

قبض کی شکایت اگر تم کو ہووے

تو کھا مولیاں اور مٹر مام دینا

کو اقبالؒ و غالب کی طرف منسوب کرتا پھرے تو کون تسلیم کرے گا؟
ہمارے حدیث سازوں نے نہ رسولہ کو سمجھا، نہ ان کل انداز بیان کا
جائزہ لیا، نہ ان کے بلند پیغام، عظیم المرتبت شخصیت، مخصوص
فلسفہ حیات اور جہانگیر تعلیم کا خیال کیا اور ہر رطب و یابس ان
کی طرف منسوب کرتے چلے گئے۔ یوں تو حدیث میں اس کی دو نہیں
چار نہیں بلکہ لاکھوں مثالیں موجود ہیں۔ لیکن یہاں صرف ایک دو
مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اعتنلۃ من الجنابہ حلا
لا احطاہ اللہ مائہ قصر من درہ بیضا و کتب اللہ لہ بکل قطرہ
ثواب الف شهید

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ
مباشرت کرنے کے بعد نہاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہشت میں اس کے لئے سفید
موتیوں کے ایک سو محل تیار کر دیتا ہے۔ اور پانی کے جتنے قطرے اس
کے جسم سے ٹپکتے ہیں ہر قطرے پہ اسے ایک ہزار شہید کا اجر ملتا
ہے۔

دیکھا آپ نے کہ اس شخص کے ہاں مجامعت کتنا بہشت آفریں اور
محل ساز عمل ہے؟ اور یہ بھی ملاحظہ کیا کہ اس حدیث میں
ڈرامائی رنگ بھرنے کے لئے یہ شخص کہاں پہنچا؟ کہاں سے موتی لئے؟
اور کس سرزمین میں محل جا بنایا۔ اور پھر جان سپاری و سرفروشی
جیسے بلند عمل یعنی شہادت کا کیا مضحکہ اڑایا ؟

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

ملا علی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد
بن حنبل اور یحییٰ بن معین بغداد کے ایک محلہ رصافہ میں صلوہ جمعہ
ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ خطیب نے دوران وعظ میں مندرجہ
ذیل حدیث بیان کی۔

"میں نے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے سنا۔ انھوں نے معمر
سے،

معمر نے قتادہ سے، قتادہ نے انسہ سے اورانس نے رسول اکرم
صلعم سے کہ جب کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے۔ تو ہر لفظ پر ایک

پرندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے پر زمرد کے اور چونچ سونے کی ہوتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔الخ ۔

وعظ کے بعد ان بزرگوں نے اس خطیب سے پوچھا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سنی ہے؟ کہا احمد بن حنبل اور یحییٰ سے۔ بولے وہ تو ہم ہیں۔ ہم نے قطعاً کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ خطیب کہنے لگا اس وقت دنیائے اسلام میں سترہ احمد بن حنبل اور سترہ یحییٰ بن معین موجود ہیں۔ تم کس باغ کی مولی ہو؟ یہ ہر دو بزرگ اس ملا کی دیدہ دلیری و بے حیائی پر لعنت بھیجتے ہوئے واپس چلے گئے۔

یہ تو تھا ان کی احادیث کا رنگ۔ اب ذرا سوانح نگاری میں ان کی "حقیقت نگاری" کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

1۔ قیس بن تمیم گیلانی چھٹی صدی ہجری کے راوی تھے۔ آپ کی پیشانی پہ ایک داغ تھا۔ جس کے متعلق ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے خچر نے آپ کی پیشانی پر لات رسید کی تھی۔

(توجیہ)مطلب یہ کہ آپ سوا پانچ سو برس پہلے بھی موجود تھے۔

2۔ اسحاق بن ابراہیم طوسی کہتا ہے کہ میں ہندوستان گیا۔ وہاں قنوج میں ہندوستان کے بادشاہ سرباتاسہ ملا۔ اس کی عمر اس وقت سات سو ستر برس تھی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کے پاس رسول اللہ صلعم نے حضرت اسامہؓ اور حضرت حذیفہؓ کو تبلیغ کے لئے بھیجا تھا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ (ذیل ، علامہ ذہبی، تذکرہ الموضوعات)

اسحاق بن ابراہیم غالباً علامہ ذہبی (673ھ ۔ 784ء، 1275ھ ۔ 1382ء) کا ہمعصر تھا۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں ہندوستان آیا ہو گا۔ حیرت ہے کہ رسول اللہ کا ایک صحابی ساڑھے سات سو برس سے زندہ تھا۔اور کسی ہندوستانی مسلم کو یہ خیال نہ آیا کہ ایسی بزرگ ہستی کی زیارت ہی کر لیں۔ اور تذکروں میں ان کے واقعات محفوظ کر لیں۔ محمود غزنوی نے 408ھ 1017ء میں قنوج فتح کیا تھا۔ اگر وہاں کوئی صحابی بادشاہ حکمراں ہوتا تو وہ حملہ ہی کیوں کرتا۔ اگر غلط فہمی کی بنیاد پر حملہ کر بیٹھا تھا تو معافی مانگتا اور اپنے

دربار کے سینکڑوں مصنفین و شعراء سے کہتا کہ اس مقدس ہستی کے
حالات نظم و نثر  ہر دو میں قلمبند کرو۔ اگر بالفرض غزنوی سے بھول
ہو گئی تھی، تو سلاطین غوری اس فرض کو سرانجام دیتے۔ 1206ء سے
1387ء تک خاندان غلامان برسراقتدار رہا۔ اگر کوئی ایسا صحابی
موجود ہوتا تو اس دور کے تذکروں میں اس کا نام آ جاتا۔

مزید برآں ایک بادشاہ کا ہندوستان سے چل کر مدینے جانا اور پھر
مشرف بہ اسلام ہونا اتنا اہم واقعہ تھا کہ اگر یہ درست ہوتا تو
نجاشی اور ہرقل کے معمولی سے اسلامی رجحان کو اچھالنے والے
صحابہ ہزارہا روایات میں اس کا ذکر کرتے۔ چونکہ اس کا کہیں ذکر
موجود نہیں۔ اس لئے یہ واقعہ صریحاً غلط اور  اور ہمارے تذکرہ
نگاروں کے ڈرامائی انداز بیان کا ایک نمونہ ہے۔ بحمداللہ کہ اسلام میں
کچھ محققین بھی ہو گذرے تھے۔ جنھوں نے ایسے تمام واقعات پر سخت
تنقید کی ہے۔ فجذ اھم اللہ احسن الجزاء ۔

3۔ابو سعید مظفر بن اسد کہتا ہے کہ میں شاہ ہندسرباتک سے ملا ۔
اور اس نے مجھے بتایا کہ میں تین مرتبہ آنحضرت صلعم سے ملا تھا۔ دو
دفعہ مکے میں اور ایک مرتبہ مدینے میں۔ سرباتک کی وفات 333ھ
945ء میں ہوئی تھی۔ اور اس کی عمر 894 برس تھی۔    (تذکرہ
الموضوعات ص 102)

حیرت ہے کہ جب اسحاق بن ابراہیم 700ھ کے قریب سرباتک سے
ملاقاتی ہوا تھا تو اس کی عمر سات سو ستر برس تھی۔ اور 333ھ
میں یعنی 368 برس پہلے  اس کی عمر  894 سال تھی۔ ریاضی کے
ان "محدثانہ نکات" کو ہم جیسے بے علم کیا سمجھیں گے۔

4۔ علامہ ابن الحجر عسقلانی "لسان المیزان"  میں مندرجہ ذیل
داستان نقل فرماتے ہیں۔

"کہتے ہیں کہ 573ھ میں امیر عبدالکریم بن نصر کسی جنگل میں
شکار کے لئے گئے۔ اور پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا پہنچے۔ جس کے
تمام باشندے اپنے آپ کو جبیر بن حرب کی اولاد بتلاتے تھے۔ اور لطف یہ
کہ جبیر بدستور زندہ تھا اور کہتا تھا کہ میں حضورؐ کے ساتھ جنگ
خندق میں شامل ہوا تھا"۔

کُجا جنگ خندق (5ھ) اور کجا 573 ہجری۔ صرف 568 برس کا فرق ہے۔ حیرت ہے کہ جس جبیر کے حالات زندگی اس "نقادانہ صحت" کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں ، وہ بھی ہمارے راویوں میں شمار ہوتا ہے؟

5۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص ابو عبداللہ محمد الصقلی سے ملا جس نے مجھے بتایا کہ میرے استاد کو حضرت علیؓ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اور کہ اس کی عمر چار سو برس سے کچھ زیادہ تھی۔

(تذکرہ الموضوعات ص 107)

ابن حجر کا سال وفات 852 ھ ہے۔ اور حضرت علی کا 40ھ ۔ اگر سال مصافحہ 40ھ ہی فرض کر لیا جائے تو بھی الصقلی کا استاد 400 ھ کے قریب فوت ہو گیا ہو گا۔ تعجب ہے کہ شاگرد صاحب ابن حجر کو یہ واقعہ سنانے کے لئے نویں صدی ہجری تک جیتے رہے ؟

6۔ جعفر بن نسطور 340ھ میں فوت ہوا تھا۔ لیکن صحابی ہونے کا اسے بھی دعویٰ تھا۔

7۔ علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ بابا رتن ہندی کی وفات 632ھ 1238ء میں ہوئی تھی۔ لیکن محدثین کی ایک خاص تعداد اسے صحابی سمجھ کر اس کی احادیث روایت کرتی ہے۔ جب علامہ ذہبی نے بابا رتن کی روایات کو جھوٹا قرار دیا تو قاموس کے مصنف علامہ مجد الدین فیروز آبادی (وفات 814ھ) کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ انھوں نے علامہ ذہبی سے تمام تعلقات توڑ لئے۔

بابا رتن تین سو احادیث کے راوی ہیں۔ جن میں سے دو تین یہاں درج کی جاتی ہیں۔

کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحت شجرہ ایام الخریف فھبت الریح فتناثر الورق فقال النبی ان المومن اذا صلی الفریضہ فی الجماعۃ تناثر عنہ الذنوب کماتناثر ھٰذ الورق

بابا رتن کہتے ہیں کہ " ہم حضورؐ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ پت جھڑ کا موسم تھا۔ ہوا چلی اور درخت کے پتے جھڑنے

لگے تو حضور نے فرمایا کہ جب ایک مومن جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں"

من اکرم غنیاً لغناہ و اھان فقیرا لفقرہ لم یزل فی لعنۃ اللہ

جو شخص کسی امیر کی عزت کرتا ہے کہ اس کے پاس دولت ہے اور فقیر کو اس لئے حقیر سمجھتا ہے کہ وہ مفلس ہے۔ اس پر قیامت تک لعنت برستی رہے گی۔

من مات  علی بغض آل محمد مات کافرا

جو شخص اولاد رسول کے بغض میں مر گیا ، وہ کافر ہو کے مرا۔

بابا رتن کی احادیث بہ شکل جھوٹی ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مضمون اور الفاظ کے لحاظ سے اس کی احادیث ان احادیث سے بہت بلند ہیں جو اسلامی غلاموں نے وضع کی تھیں۔ بابا رتن  ایک پیمبر کا صحیح مقام سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے اس مقام کے مطابق احادیث تراشیں۔

امام ذہبی کا خیال یہ ہے کہ بابا رتن کی تمام روایات موسیٰ بن محلی بن بندرا نے 700ھ کے قریب وضع کیں۔ سال مذکور سے پہلے یہ روایات کہیں بھی موجود نہیں تھیں۔ بابا رتن سے کئی حضرات نے روایت کی ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ موسیٰ بن محلی نے اسے رتن بن نصر بن کرپال الہندی کے نام سے یاد کیا ہے۔ زید بن میکائیل نے اسے رتن بن مہادیو بن باسند بوا بنا دیا۔ داؤد بن اسد نے اسے رتن بن بدن بن نبدی الصراف السندھی قرار دیا۔ اور ابو بکر المقدسی نے اسے رتن بن عبداللہ بتایا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابو الطفیل عامر ؓبن دائلہ  آخری صحابی تھا جس کی وفات 102ھ میں  مکہ مکرمہ  میں ہوئی تھی (جامع الصحاح) اس لئے جبیر اور رتن وغیرہ کے افسانے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

## چوتھا باب

# کچھ ائمہ حدیث اور معتبر راویوں کے متعلق

ائمہ حدیث میں ایسے بزرگ بھی پائے جاتے ہیں، جن پر ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ناز رہا ہے۔ ان کا علمی مقام اتنا بلند اور ان کے ثقافتی کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہمیں ان پر تنقید کی جرات ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم یہاں صرف اتنا ہی بتائیں گے کہ ایک امام کی رائے دوسرے امام یا راوی کے متعلق کیا تھی۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

1۔ علی بن مسہر نے سنا ہشام بن عروہ سے۔ اس نے اپنے والد سے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں

ماعلم انس بن مالک و ابو سعیدن الخدری بحدیث رسول اللہ صلعم و انما کانا غلامین صغیرین

حضرت انس اور حضرت ابوسعید الخدری حدیث رسول سے محض نا واقف ہیں اس لئے کہ وہ رسول اللہ کی زندگی میں چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ (جامع بیان العلم ص 197)

2۔ حجاز میں تابعین کے بڑے بڑے محدث تین تھے۔ عطاء ، طاؤس اور مجاہد۔ طاؤس کہتا ہے کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے وتر کے متعلق حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث پڑھی۔ ابن عمرو نے فرمایا کذب ابوھریرہ (ابوہریرہ جھوٹا ہے) ۔ (جامع ص 197)

یہ نہ بھولئے گا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ احادیث پانچ ہزار سے کم نہیں۔

3۔ جب حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث پڑھی گئی۔

صلواۃ الیل مثنیٰ مثنیٰ و اذا اخشیت الصبح فواحدۃ

رات کی نماز دو رکعت ہے اور جب صبح قریب آ جائے تو ایک رکعت (یعنی وتر) ادا کرو۔

تو آپ نے فرمایا کذب ابن عمر ، ابن عمر جھوٹا ہے۔ (جامع ص 197)

4۔ جب حضرت عمر بن خطاب کی یہ حدیث

ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ

کہ میت پہ رونے سے میت کو سزا ملتی ہے۔

حضرت عائشہ کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا، اللہ ، عمر پہ رحم کرے ، کیا اس نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی۔

لا تزرو ازرۃ دزرء اخری

کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (بخاری و مسلم)

مسلم نے یہ حدیث چھ مرتبہ چھ صحابہ سے روایت کی ہے۔ یعنی مغیرہ بن شعبہؓ، نافع بن عبداللہؓ عمر بن خطابؓ، عبداللہؓ ابن عمرؓ، ابو موسیٰؓ اور انس بن مالکؓ سے حضرت عائشہؓ نے گویا سب کی تردید فرما دی۔

5۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے سامنے ابن عمرؓ کی یہ حدیث بیان کی گئی

اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ اھل القلیب فقال ھل وجدتم ماوعد ربکم حقا، فقیل لہ اقدعوا امواتاً فقال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون

حضور ﷺ نے مقتولین جنگ کی لاشوں کو جو ایک گھڑ میں پڑی تھیں دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ مواعید پورے کر دئیے ہیں جو تم سے کئے گئے تھے؟ کسی نے کہا آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ فرمایا تم

ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ فرق یہ ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

تو آپ نے کہا کہ حضورؐ ان لاشوں کو دیکھ کر صرف اتنا فرمایا تھا۔

انھم لیعلمون الان ان ماکنت اقوا حق

ان لوگوں کو اب معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کہا کرتا تھا، وہ درست تھا۔

اور پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

انک لا تسمع الموتی تم مردوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتے ۔
(صحیح بخاری باب ما جامد فی عذاب القبر)

حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کی یہ روایت قرآن سے متصادم ہوتی ہے۔ اس لئے یہ درست نہیں۔

6۔ عروہ بن زبیر مدنی (وفات 94ھ) سے کسی نے کہا کہ بقول ابن عباسؓ، رسول کریم صلعم نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں رہے تھے، تو عروہ بولے ابن عباس جھوٹ کہتا ہے۔ (جامع ص 197)

7۔ حضرت امام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب سے کسی نے وشاھد و مشھود کی تفسیر پوچھی۔ جب آپ بیان کر چکے تو سائل نے کہا کہ ابن عمرو اور ابن زبیر کی تفسیر کچھ اور ہے۔ فرمایا قدکذبا۔ ان دونوں نے جھوٹ بولا ہے۔ (جامع بیان ص 197)

9۔ محمد بن جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ کو عبداللہ بن عمرو کی ایک حدیث سنائی۔ جس پر معاویہ کو سخت غصہ آیا اور لوگوں کو جمع کر کے کہا

بلغنی ان رجالا منکم یتحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولاتوثرعن رسول اللہ صلعم فاولئک جھالکم فایاکم والا مانی التی تضل اھلہا

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ ایسی حدیث بیان کر رہے ہیں جو نہ رسول اللہ سے منقول ہیں اور نہ تعلیمات قرآن کے مطابق یہ لوگ جاہل ہیں۔ تم گمراہ کن آرزوؤں سے دور رہو۔

(صحیح بخاری جلد 2 ص 171)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے زمانہ ہی میں احادیث کا چشمہ مکدر ہو چکا تھا۔ اقوال رسول کو مسخ کیا جا رہا تھا۔ اور اہل نظر صحابہ کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔ ورنہ امیر معاویہ ، ابن عمرو جیسے جلیل القدر صحابی کو جاہل کیوں کہتے ؟

اس حدیث میں " ان رجالا منکم" کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کافی تعداد ایسے حضرات کی موجود تھی جو محرف احادیث بیان کرنے کے خوگر تھے۔ ورنہ معاویہ رجالا (کئی اشخاص) کی جگہ رجلاً (ایک آدمی) کا لفظ استعمال کرتے۔

10۔ جب سمرہ کی یہ حدیث

کانت للنبی سکتتان عند قرائتہ فی الصلاۃ

حضور نماز میں دو مرتبہ سکتہ (ٹھہرنا ، وقفہ کرنا) فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمران بن الحصینر (وفات52ھ) نے سنی تو کہا کذب سمرہ۔ سمرہ جھوٹا ہے۔

(کتاب الانتقاعہ بجلو و المیتتہ للمروزی و جامع ص 197)

یہ تو تھے صحابہ کرام۔ اب ذرا نیچے آئیے اور دیکھئے کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ایک دوسرے کو کیا سمجھتے تھے۔

حضرت امام مالک بن انس کے متعلق محمد بن اسحٰق کہا کرتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے اور امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ ابن اسحٰق دجال ہے۔
(جامع ص 198)

امام ابو حنیفہ سے کسی نے پوچھا کہ جابر الجعفی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا ھوا کذاب ۔ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔
(جامع ص 195)

الاعمش حدیث کا امام تھا۔ علی بن حشرم المروزی (وفات 257ھ) فضل بن موسیٰ السینانی المروزی روایت کرتا ہے کہ ایک مرتبہ الاعمش بیمار پڑ گئے۔ تو فضل بن موسیٰ اور امام ابو حنیفہ اس کی عیادت کو گئے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا۔ اگر میرا آنا آپ کو ناگوار نہ گزرتا تو میں ہر روز آتا۔ اعمش نے جھٹ کہا۔ مجھے تو تیرا اپنے گھر میں بھی رہنا گوار نہیں۔ (جامع ص 199)

الاعمش کے متعلق امام ابو حنیفہ کی متعلق رائے یہ تھی کہ نہ وہ روزے رکھتا ہے اور جنابت کے بعد غسل کرتا ہے۔ یعنی ایک فاسق اور نجس سا آدمی ہے۔ ( جامع ص 199)

سعید بن المسیب المدنی (وفات 105ھ) اور حسن بصری، عکرمہ (وفات 107ھ) کو جھوٹا کہا کرتے تھے۔ اور یہ ان کو کذاب سمجھتا تھا۔ (جامع ص 197 – 198)

قتادہ (وفات 118ھ) یحییٰ بن ابی کثیر (وفات 129ھ) کو جھوٹا سمجھتا تھا۔ اور یہ اسے۔ (جامع ص 199)

اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان التیمی (وفات 143ھ) کے ہاں ابن عروبہ کا ذکر چل پڑا تو اصمعی نے کہا کہ ابن ابی عروبہ اور اس کا استاد قتادہ دونوں جھوٹے ہیں۔ (جامع ص 20)

یحییٰ بن معین پہلا محدث ہے جس نے راویوں کے حالات قلمبند کئے تھے۔ آپ امام شافعی کے متعلق فرماتے ہیں۔ ہولیس بثقہ آپ کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ (جامع ص 201)

(کتاب فی الضعفا ۔ حافظ ازوی محمد بن الحسین الموصلی)

حضرت امام مالک پر ابن ابی ذئب، ابراہیم بن سعد، اور ابراہیم بن ابی یحییٰ نے سخت نکتہ چینی کی ہے۔ الساجی ، کتاب العلل میں لکھتا ہے کہ عبدالعزیز بن سلمہ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم، ابن اسحق، ابن ابی یحییٰ اور ابن ابی الزناد، امام مالک کی حدیث کو اس لئے قابل اعتماد نہیں سمجھتے کہ آپ نے ثور بن زید اور سعد بن ابراہیم جیسے جھوٹے راویوں سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔
(جامع ص201)

امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن سلیمان سے کسی نے پوچھا کہ حجاز کے محدثین عطا ، طاؤس اور مجاہد کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو کہا :

و صبیانکم اعلم منهم

تمھارے نادان بچے بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں ۔
(جامع ص 196)

امام شعبی کوفی کے ہاں امام ابراہیم نخعی کوفی (وفات 95ھ) کا ذکر آیا تو کہنے لگے یہ یک چشم رات کے وقت ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ جاتا ہے اور دن کے وقت لوگوں پہ اپنی علمیت کا رعب کستا رہتا ہے۔ نخعی کو یہ بات پہنچی تو اس نے کہا ہو کذاب وہ مہا جھوٹا ہے۔ (جامع ص 196)

جابر بن یزید کا قول ہے کہ میرے پاس ستر ہزار حدیثیں ایسی ہیں جن کا راوی صرف ابو جعفر ہے۔

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم طبع مجتبائی ص 153)

اندازہ لگائیے کہ وضع احادیث کی وبا کس قدر عالمگیر تھی۔

ابو الجعفر الہاشمی المدنی کی رائے یہ تھی کہ عمرو بن عبید جھوٹا ہے۔

(فتح الملہم ص 137)

عبید اللہ بن معاذ عنبری کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ (وفات 160ھ) کو لکھا کہ واسط کے قاضی ابی شیبہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟
جواب میں لکھا :

لاتکتب عنہ شیئا و مزق کتابی

اس کی کوئی حدیث مت لکھو اور میرا یہ خط ضائع کر دو

(فتح الملہم ص 138)

عفان کہتے ہیں کہ میں نے صالح المری کے سامنے حماد بن سلمہ بصری (وفات 167ھ) کی بیان کردہ احادیث پیش کیں تو اس نے کہا ، وہ جھوٹا ہے۔

(فتح الملہم ص 138)

یزید ہارون بیان کرتا ہے، کہ زیاد بن میمون نے ایک ہی حدیث مجھے تین موقعوں پر سنائی اور ہر مرتبہ نئے راوی جڑ دئیے۔ چنانچہ میں نے قسم کھا لی کہ آئندہ اس کی کوئی حدیث بیان نہیں کروں گا۔

(فتح الملہم ص 139)

علی بن مسہر کوفی کہتا ہے ، کہ میں نے اور حمزہ الزیات نے ابان بن ابی عیاش سے قریباً ایک ہزار احادیث سنی تھیں۔ حمزہ بیان کرتا ہے کہ ایک رات میں حضور علیہ السلام کے دیدار نصیب ہوئے۔ میں نے وہ تمام احادیث آنحضرت کو سنائیں۔ حضور نے صرف پانچ یا چھ احادیث کو صحیح قرار دیا اور باقی کے متعلق فرمایا کہ میں انھیں نہیں پہچانتا۔

(فتح الملہم ص 140)

اب اسحٰق الفزاری فرماتے ہیں کہ صرف مشہور اور معتبر راویوں کی احادیث بیان کرو۔ لیکن اگر اسماعیل بن عیاش مشہور راویوں سے بھی کوئی حدیث روایت کرے تو مت مانو۔

لیکن یحییٰ بن معین کہتے ہیں اسماعیل ثقہ (قابل اعتماد) ہے۔

(فتح الملہم ص 140)

محمد عبدالرحمن کے متعلق امام مالک کی یہ رائے ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے

لیکن ابو زرعہ اسے ثقہ سمجھتے ہیں یہی حال مندرجہ ذیل راویوں کا ہے:

| راوی کا نام | غیر ثقہ کہنے والے | ثقہ سمجھنے والے |
|---|---|---|
| شعبہ مدنی | امام مالک | احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابن عدی |
| فرقد | ایوب، ابن حبان | یحییٰ بن معین |
| ابو الحویرث | امام مالک | ابن حبان |
| شرجیل بن سعید | ابن عدی، محمد سعد | سفیان بن عیینہ، ابن حبان، یحییٰ بن معین |

(فتح الملہم ص 141-142)

کہاں تک گنوں، سینکڑوں راوی ایسے ہیں جنھیں ایک جماعت سچا سمجھتی ہے اور دوسری جھوٹا۔ شعبہ المدنی کو دیکھئے کہ امام مالک جیسا عظیم الشان مجتہد اسے جھوٹا سمجھتا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل جیسا امام الدہر اسے سچا قرار دیتا ہے، کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ ائمہ حدیث اور صحابہ کرام کے فتوے ایک دوسرے کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں تو جو احادیث ان صحابہ ان ائمہ حدیث اور ان دلچسپ راویوں سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہیں ان پہ کوئی کہاں تک اعتماد کرے۔

## پانچواں باب

# حدیث پر ایک مکالمہ

ہمارے علماء کا خیال یہ ہے کہ حدیث وحی خفی ہے۔ چند روز ہوئے اسی عقیدے کے ایک مولانا میرے ہاں تشریف لائے اور اس موضوع پہ مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

مولانا: قرآن شریف میں مذکور ہے کہ وحی تین طرح سے آتی ہیں۔

ماکان لبشر ا ن یکلم اللہ الاوحیا اومن ورآ حجاب اریرسل رسولا

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے گفتگو کرنا چاہتا ہے تو تین طریقے استعمال کرتا ہے یا تو اپنا پیغام بغیر کسی وساطت کے اسکے دل پہ نازل کر دیتا ہے یا پردے کے پیچھے سے گفتگو کرتا ہے اور یا اپنے قاصد یعنی جبریل علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجتا ہے ۔ یہ تیسری قسم وحی متلو ، یا وحی جلی ہے۔ اور باقی دو قسمیں وحی خفی ہیں ۔ جن کا دوسرا نام حدیث ہے۔

برق: وحی کے اصطلاحی معنیٰ کیا ہیں ؟

مولانا: پیغام خدا۔

برق: بہت اچھا۔ جب قرآن بھی پیغام خدا ہے اور حدیث بھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم صلعم اور آپ کے صحابہ نے قرآن کو لکھنے اور محفوظ رکھنے کے لئے تمام تر انسانی وسائل اختیار کئے۔ لیکن حدیث کو نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ حضور نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا اور صدیق و فاروق نے احادیث کو مٹانے اور جلانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی۔ حدیث اللہ کا پیغام ہو اور صحابہ اسے جلاتے پھریں۔ یعنی چہ ؟

مولانا:فلاں عالم ، فلاں مجتہد اور فلاں امام نے حدیث کو وحی خفی کہا ہے۔ آپ کون ہیں انکار کرنے والے ؟

برق:مجھے سچائی سے معاندت نہیں۔ بات کو واضح کیجئے۔ اور میں
ابھی آپ کا ہم خیال بن جاتا ہوں۔ اگر حدیث وحی تھی تو اسے قرآن
کے متن میں کیوں شامل نہ کیا گیا؟ وہ بھی اللہ کا پیغام ، یہ بھی اللہ
کا پیغام۔ پھر فرق کیا تھا ؟

مولانا: قرآن کے مضامین اور الفاظ ہر دو الہامی تھے۔ اور احادیث کے
صرف معانی بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے۔ اور الفاظ رسول اللہ صلعم
کے اپنے تھے۔

برق: اللہ نے یہ دو قسم کے پیغامات کا سلسلہ کیوں شروع کیا تھا؟ کیا
اللہ کے خزانہ میں الفاظ کی کمی ہو گئی تھی یا کوئی خاص مصلحت
اس دو رنگی کی متقاضی تھی۔ اللہ تعالیٰ جب مضامین اتارنے کی
تکلیف گوارا کر رہا تھا تو الفاظ بھی ساتھ ہی بھیج دیتا۔ مزید برآں
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب قرآن و حدیث ہر دو وحی تھے تو ایک
کی حفاظت کیوں کی گئی اور دوسرے کو مٹانے کے وسائل کیوں اختیار
کئے گئے۔ کیا حدیث کوئی گھٹیا قسم کی وحی تھی۔ اگر الفاظ ساتھ
نہیں تھے تو نہ سہی۔ پیغام تو اللہ کا ہی تھا۔ پھر رسول اللہ صلعم
کے اپنے الفاظ کیا کم تھے۔ یہ آپ ہی قول توہے۔ انا افصح العرب و
العجم (میں عرب و عجم کا فصیح ترین انسان ہوں) ۔ پیغام اللہ کا ،
کلام افصح العرب و العجم کا اور پھر صحابہ کرام اس کی حفاظت نہ
کریں۔ آخر بات کیا تھی ؟

مولانا: کیا آپ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی۔ وما ینطق عن الھوی
ھو الا وحی یوحی کہ رسول جو کچھ منہ سے ادا فرماتے ہیں وہ وحی
ہے۔ اس آیت کی موجودگی میں آپ حدیث کے وحی ہونے سے کیسے
انکار کر سکتے ہیں ؟

برق: آپ نے اپنے" مقدمے" کو اور زیادہ خراب کر لیا ہے۔ پہلے آپ فرما
رہے تھے کہ حدیث کے الفاظ الہامی نہیں۔ اور الفاظ رسول اللہ صلعم
کے۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ ان کا نطق ، یعنی الفاظ بھی الہامی
تھے۔ مطالب بھی خدائی اور الفاظ بھی خدائی۔ پھر یہ احادیث قرآن
سے جدا کیوں کر دی گئیں ؟

مولانا: تو پھر آپ قرآن کی اس وحی والی آیت کا ترجمہ کیا کریں گے؟

برق: اس آیت کا صاف مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پیغمبر کو دنیا میں بھیجتا ہے تو اس کی طرف پیغامات بھیجنے کے لئے تین طریقے اختیار فرماتا ہے۔ کبھی پردے کے پیچھے سے بولتا ہے۔ کبھی قاصد بھیجتا ہے۔ اور کبھی رسول پر ایک خاص کیفیت طاری کر کے پیغام اس کے دماغ پہ نازل کر دیتا ہے۔ ہر الہامی کتاب کے نزول کے وقت یہ تینوں طریقے استعمال کئے گئے۔ اور احادیث میں وحی قرآنی کے ان تینوں مدارج کا ذکر موجود ہے۔ معراج کی رات  اللہ نے رسول سے گفتگو کی۔ بارہا جبریل انسانی شکل میں آئے۔ کچھ کہا ، کچھ پوچھا اور چلتے بنے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بیٹھے بیٹھے رسول اللہ صلعم پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ جسم اتنا وزنی ہو جاتا تھا کہ آپ کی ناقہ بوجھ کو سہار نہ سکتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی۔ آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ نتھنوں سے خراٹوں کی آوازیں نکلنے لگتی تھیں۔ اور یہ وہ وقت ہوتا تھا جب آپ پر بلاواسطہ وحی آتی تھی۔

بہرحال، وحی کسی طریقے سے آئے، وہ وحی ہے۔ واجب التعمیل ہے اور واجب الحفاظت۔ قرآن کے متعلق اللہ کا یہ ارشاد موجود ہے۔

نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

یہ ذکر اور یہ ہدایت ہم نے نازل کی اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ قرآن کی ایسی حفاظت ہوئی کہ تمام عالم نے ہماری کتاب کی صحت پر شہادت دی۔ لیکن حدیث ! توبہ ہی بھلی۔ اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرف اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا کے صفحہ پر موجود نہیں۔ مولانا! خدارا کچھ سوچئے۔ مطالب خدائی ہوں، الفاظ بھی بقول آپ کے الہامی ہوں اور پھر اللہ اپنے وعدے کے مطابق نہ کرے ، نہ ہمیں اس پر ایمان لانے کا حکم دے نہ اپنے رسولوں کو اس کی کتابت کا حکم دے  نہ صحابہ کو اس کی تباہی سے روکے۔ آخر بات کیا تھی ؟

مولانا: آپ ہی کچھ بتا دیں۔ میرے تو حواس تک آپ کی زبان درازی نے اڑا دئیے ہیں۔

برق: بات صاف ہے اللہ نے رسول کریم کو جو کتاب بذریعہ وحی عطاء کی تھی اس کا نام قرآن ہے نہ کہ صحیح بخاری۔ ملاحظہ ہوں یہ آیات۔

اوحینا الیک ھذ القرآن (سورہ یوسف)

ہم نے جو کتاب بذریعہ وحی تمہیں عطا کی ہے اس کا نام قرآن ہے۔

"وحی" کے لفظ میں تینوں مفہوم آ جاتے ہیں۔ اللہ نے سارے قرآن میں کہیں نہیں کہا نہ صراحتاً ، نہ اشارتاً ، نہ کنایۃً

کہ وحی بواسطہ جبریل سے ہم قرآن اتار رہے ہیں۔ اور وحی کے باقی طریقہ حدیث نازل کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا سارے قرآن میں حدیث کا ضمناً بھی کہیں ذکر ہے؟ اگر نہیں ہے تو آپ اسے ہمارے ایمان کا جزو کیسے بنا رہے ہیں۔ اگر حدیث پہ ایمان لانا ایسا ہی ضروری تھا تو جس خدا نے لاکھوں انبیاء سینکڑوں صحائف کروڑوں ملائکہ پہ ایمان لانے کا بیسیوں مرتبہ حکم دیا تھا کیا وہ حدیث پہ ایمان لانے کا حکم نہیں دے سکتا تھا؟ اگر اللہ نے اس چیز کو قابل ایمان نہیں سمجھا تو آپ کون ہیں ہمیں حدیثوں پہ ایمان لانے کا حکم دینے والے؟

مولانا: آپ کے پاس و ما ینطق عن الھوی ہے۔ کا کیا جواب ہے؟

برق:آیت کا مفہوم نہایت صاف ہے کہ قرآن رسول کی خواہشات کا آئینہ دار نہیں۔ بلکہ وہ اللہ کا پیغام ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن رسول کی تصنیف نہیں، کہ جو جی میں آیا ، اس کے مطابق آیات تیار کر لیں۔ (وما ینطق عن الھوی) بلکہ وہ ہمارا پیغام ہے جو ہماری مشیت کی ترجمانی کر رہا ہے ( ان ھو الا و حی یوحی) اس آیت میں ھو کا مرجع ہے قرآن ، جو وہاں محذوف ہے۔ آپ کہیں گے کہ محذوف کے لئے کوئی قرینہ چاہیے۔ بھائی صاحب ! قرآن میں سینکڑوں آیات اس حذف کے لئے بطور قرینہ موجود ہیں۔ مثلاً

و اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ

تمہیں ڈرانے کے لئے مجھ پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔

اور آپ کہتے ہیں کہ حدیث بھی ساتھ اتری ہے۔ ایک اور آیت دیکھئے۔

انا انزلنا لناہ قرآناً عربیاً

ہم نے قرآن نازل کیا ، جو عربی زبان میں ہے۔

ان کے علاوہ درجنوں آیات اسی مضمون پر موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسول کو صرف قرآن دیا، جو ہدایت ہے ، نور ہے، روشنی ہے ، فرقان ہے ، رحمت ہے ، کامل ہے ، احسن ہے ، اتم ہے اور اس طرح محفوظ ہے کہ

لایاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ

اس میں باطل کسی راستے سے داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

اور دوسری طرف حدیث کا باطل نے وہ پلستر بگاڑا ہے کہ لاکھوں آفتاب و ماہتاب لے کر بھی ڈھونڈو، تو حقیقت کا سراغ نہ مل سکے ۔ الا ماشاء اللہ

مولانا: مگر حدیث کی حجت پر ایک آیت موجود ہے۔

برق: فرمائیے

مولانا: اطیعواللہ و الرسول (اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کرو) اللہ نے قرآن دیا ہے اور رسول نے حدیث۔ اس لئے دونوں پہ ایمان لانا فرض ہے۔

برق: آپ نے پوری آیت نہیں پڑھی۔ و اولی الامر منکم چھوڑ گئے ہیں۔ ساری آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہوا "اللہ اور رسول اور حاکم وقت(جو تم میں سے ہو)کو مانو" اگر رسول کی اطاعت کا یہی مطلب ہے کہ آپ کے تمام اقوال پر ایمان لاؤ، تو پھر حاکم وقت کے اقوال پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ نے اس کی اطاعت کا بھی ویسا ہی حکم دیا ہے۔ کئی بادشاہ مصنف بھی تھے۔ مثلاً بابر نے "تزک بابری" لکھی ۔ جہانگیر نے "تزک جہانگیری" اور اورنگ زیب عالمگیر کی بھی ایک آدھ کتاب موجود ہے۔ یہ اپنے زمانے میں "اولی الامر" تھے۔ تو کیا تزک بابری و جہانگیری پر بھی ایمان لاتے پھریں ؟

مولانا: تو کیا اقوالِ رسول قابل ایمان نہیں؟

برق: کیوں نہیں! بشرطیکہ کہیں سے کوئی قول رسول مل جائے۔ رونا تو اسی بات کا ہے کہ اقوال رسول کا دستیاب ہونا بیحد دشوار ہے۔ اگر اقوالِ رسول مل جاتے تو مجھے یقین ہے کہ ہر لفظ قرآن حکیم کی تشریح ہوتا۔ اور قرآن پہ ایمان لاتے ہی وہ ہمارے دائرہ ایمان میں شامل ہو جاتے۔

مولانا: آپ "اطیعو الرسول" کا مفہوم کیا سمجھتے ہیں ؟

برق: ہر حکومت کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہر دفتر، ہر افسر اور ہر
ملازم کے لئے پہلے چند قوانین بناتی ہے اور پھر حکم دیتی ہے کہ ان

ہدایت و قوانین کی پابندی کرو، اور جو افسران قوانین کے نفاذ کے لئے
تم پر مقرر کیا گیا ہے اس کی اطاعت کرو۔ یہی حال ہمارا اور اللہ کا
ہے۔ اللہ نے ہمیں قوانین کی ایک کتاب یعنی قرآن دے کر اپنے رسول
کو ہمارا امیر اور اولی الامر بنا دیا، تاکہ وہ ان قوانین کو نافذ کر
سکے۔ اور ہمیں حکم دے دیا کہ رسول کی اطاعت کرو۔ رسول خدا
جب تک بقید حیات رہے۔ صرف انھی قوانین کی تعمیل کراتے تھے۔ جن
کی تفصیل قرآن میں دی ہوئی تھی۔ اور آج بھی ہم پر رسول خدا کی
اطاعت قرآنی احکام کی حد تک فرض ہے۔

مولانا:آپ کا مطلب غالباً یہ ہے کہ اگر رسول قرآنی احکام کے علاوہ
کسی اور بات کا حکم دیں تو آپ اس کی تعمیل نہیں کریں گے۔

برق:یہ آپ نے فرض ہی کیوں کر لیا کہ رسول صلعم قرآن کے علاوہ
کسی اور چیز کا حکم دینے کی جرات بھی کر سکتے تھے۔ انھیں بار بار
کہا جا رہا تھا۔

بلغ ماآنزل الیک

اے رسول! تم وہ احکام امت تک پہنچاؤ جو ہم تمھیں دے رہے ہیں۔

کیا رسول صلعم اس صریح حکم سے سرتابی کی جرات کر سکتے تھے؟
لفظ رسول کے معنی ہی قاصد، ایلچی اور چٹھی رساں ہیں تو ایک
قاصد خود کیسے آقا بن سکتا ہے ؟

آپ ایک چھوٹا سا نقطہ پیش نظر رکھیں کہ رسول اکرم صلعم کی دو
حیثیتیں تھیں۔

وہ پیمبر بھی تھے اور بشر بھی۔ بحیثیت پیمبر ہم ان کی اطاعت پر
مامور ہیں، اور بحیثیت بشر ، اللہ اور رسول نے ہمیں مکمل آزادی دے
رکھی تھی، کہ ہم چاہیں تو کھانے ، پینے ، چلنے ، بولنے ، لیٹنے اور
سونے میں حضور کی روش اختیار کریں یا حدود شریعت کا خیال رکھتے
ہوئے اپنی پسند، اپنے مذاق، اپنے ملک و ماحول اور اپنے رجحان سے کام
لیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ بعض اوقات صحابہ نے آپ
کی بشری ہدایات یا مشوروں پر عمل نہیں کیا تھا۔ مثلاً جب آپ کے
غلام زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہی تو آپ نے فرمایا "امسک

علیک زوجک" (طلاق مت دو) لیکن زید نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ اسی
طرح جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضرت عمر کا اصرار تھا کہ انھیں
قتل کر دیا جائے لیکن حضور نہ مانے اور وحی نے حضرت عمر کی تائید
کر دی۔ حضور نے گیارہ نکاح کئے تھے۔ لیکن ہمیں اس کی اجازت
نہیں۔ حضور نے ایک اندھے سے بے التفاتی فرمائی جس پر سورہ عبس
نازل ہوئی۔ اور ملک العرش نے اپنے محبوب کو ایک ہلکی سی ڈانٹ پلا
دی۔

اسی طرح کے چند اور واقعات بھی موجود ہیں۔ جہاں صحابہ نے
حضور کے بشری رجحانات کی تقلید سے آزاد ہو کر اپنی راہ خود
نکالی۔ اور یہی اسلام کا سب سے بڑا وصف ہے کہ قرآن کے گنے ہوئے
چند سادہ سے ابدی احکام کے سوا ہم کسی اور ہنگامی حکم یا وقتی
ہدایت کے لئے مامور نہیں۔

مولانا: وہ جو ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ احادیث میں روایت بالمعنی
ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

برق: روایت بالمعنی کی تشریح کیجئے۔

مولانا: بالکل سادہ سا لفظ ہے کہ احادیث میں رسول صلعم کے الفاظ
منقول نہیں بلکہ صرف مطالب منقول ہیں۔

برق: آپ کا مطلب یہ ہے کہ مضمون حضور صلعم کا ہوتا ہے اور
الفاظ راوی کے[4] ؟

مولانا:جی ہاں ۔

برق: تو پھر آپ ہر حدیث میں یہ کیوں کہا کرتے ہیں قال رسول اللہ۔
اگر ہر حدیث راوی کا قول ہے تو پھر وہ قول رسول نہیں ہو سکتی۔
یہ تو ناممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی قول راوی کا بھی ہو
اور حضورؐ کا بھی۔

مزید براں اگر روایت بالمعنی تسلیم کی جائے تو اس صورت میں حدیث
کبھی وحی خفی نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ تمام احادیث راویوں کے
اقوال ہیں۔ اور وحی حضورؐ پہ آیا کرتی تھی نہ کہ راویوں پر ایک
عام انسان کا قول وحی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اگر آپ وحی خفی کا
مفہوم اور واضح کر دیں تو شاید ہم کسی مفید نتیجہ پر پہنچ سکیں۔
اس لئے کہ یہ وحی بلا الفاظ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ وحی کے
معنی ہیں پیغام۔ اگر اللہ کوئی پیغام بھیجے اور الفاظ ساتھ نہ ہوں تو
وہ سمجھ میں کیسے آئے گا؟

مولانا: آپ وحی خفی کا مطلب "سوجھنا" سمجھ لیں کہ حضور کو جب کوئی بات سوجھ جاتی تھی تو وہ اپنے الفاظ میں ادا کر دیتے تھے۔ سوجھتے ہمیشہ خیالات ہی ہیں نہ کہ الفاظ۔ اور یہی وحی خفی ہے۔

برق: سوجھنا انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ ایک فلسفی کسی نئی الجھن کو پہروں، ہفتوں بلکہ مہینوں سوچتا رہتا ہے اور کسی نہ کسی دن اسے حل سوجھ ہی جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حل اس فلسفی کے دماغ میں اللہ نے ڈالا تھا لیکن اسے وحی یا الہام نہیں کہتے بلکہ القا کہتے ہیں۔ علمائے مغرب بے شمار مسائل سے دو چار ہوئے۔ سوچتے رہے ، حل سوجھتے رہے۔ اور آج وہ ساری کائنات کو مسخر کرنے کی فکر میں ہیں۔ کیا آپ ان لوگوں کی رفتار کو بھی وحی کہیں گے؟ جس طرح ہم زید و بکر سوچتے ہیں اور انہیں نئے نئے نتائج سوجھ جاتے ہیں۔ اسی طرح حضورؐ بھی سوچا کرتے تھے۔ یہ آپ نے کیسے فرض کر لیا کہ اس معلم کائنات میں فکر ہی نہیں تھی۔ اگر تھی تو اسے قطعاً استعمال نہیں فرماتے تھے۔ اور ہر معاملہ وحی کے منتظر رہتے تھے۔ کیا لوگوں کو استعمال فکر و عقل کی دعوت دینے والا نبیؐ ہے۔ لقوم یتفکرون۔ یتدبرون یعقلون۔ (یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہے جو سوچتے ہیں اور عقل کو استعمال کرتے ہیں) خود نہیں سوچا کرتا تھا۔ اور اسے اپنے آپ پر اس قدر بے اعتمادی تھی کہ جب تک جبریل کوئی مشورہ نہ دیتا، یا اللہ تعالیٰ رہنمائی نہ کرتا تو وہ دین و دنیا کے کسی معاملے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہ وحی خفی کا شوشہ تعظیم رسول کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ تنقیص رسول کے لئے چھوڑا گیا ہے۔

ہمارے بعض علماء تو عشق حدیث میں یہاں تک کھو چکے ہیں کہ اللہ کے کلام کو نہ صرف احادیث کا محتاج ٹھہراتے ہیں بلکہ یہ کہتے بھی سنے جاتے ہیں کہ اگر اللہ کا کوئی قول رسول کے قول سے متصادم ہو جائے تو قول رسول خدا کو منسوخ سمجھو۔ یعنی اللہ کے جاری کردہ احکام کو اللہ کی مرضی کے بغیر ایک حدیث بھی منسوخ کر سکتی ہے۔ احادیث کی سینہ زوری اور قرآن کی بےچارگی کا تماشہ کیجئے۔

مولانا: لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔ یہ صریح بہتان ہے ۔ کوئی عالم اس طرح کی جسارت نہیں کر سکتا۔

برق: ثبوت حاضر ہے۔

عن اوزاعی عن مکحول قال القرآن احوج الی السنہ من السنہ الی الکتاب

اوزاعی کمحول کے اس قول کے راوی ہیں کہ حدیث قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن حدیث کا محتاج ہے

(جامع بیان العلم ص 224)

امام شافعی کا قول ہے۔

القرآن لا ینسخہ الا القرآن

کہ قرآن کو قرآن ہی منسوخ کر سکتا ہے

لیکن ابو الفرح نے حضرت امام مالک کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے
( اور یہ نسبت صریح غلط معلوم ہوتی ہے)

ان السنہ تنسخ القرآن

کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے

عام دستور تو یہی ہے کہ یا تو ایک افسر اپنے کسی پچھلے حکم کو خود منسوخ کیا کرتا ہے اور یا اس سے کوئی بڑا افسر۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ ڈپٹی کمشنر کے جاری کردہ حکیم کو کوئی نائب تحصیلدار منسوخ کرتا پھرے۔ لیکن ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ارض و سماء کے خالق اور ان کروڑوں دنیا کے مہیب فرمانروا کا حکم ، اس کا ایک قاصد منسوخ کر سکتا ہے۔ اور وہ خاموش دیکھتا رہتا ہے۔

مولانا: آپ نے حدیث کس سے پڑھی تھی؟

برق: اپنے آپ سے ۔

مولانا: کیا مطلب ؟ کیا آپ کا کوئی شیخ الحدیث نہیں؟

برق: جی نہیں ۔

مولانا:اگر آپ نے حدیث پڑھی نہیں تو آپ کو حدیث کی اقسام معلوم نہیں ، ائمہ حدیث کی خبر نہیں، اسناد و رجال سے آگاہی نہیں، تو پھر آپ جاہل مطلق ٹھہرے۔ آپ سے گفتگو ہی فضول ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ لاحول ولا ۔ ۔ ۔ ۔

(اور مولانا داغ مفارقت دے گئے)

## چھٹا باب

# تحریف احادیث کے اسباب

تحریف احادیث کے کئی اسباب تھے۔

<u>اول:</u> حضور صلعم نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا اور جو چیز لکھی نہ جائے اسے تحریف سے بچانا نا ممکن ہو جاتا ہے۔ سیدھی سادھی بات میں ڈرامائی رنگ بھرنا اور ایک معمولی سے واقعہ کو "سنسنی خیز" بنانا اگر انسانی فطرت نہیں تو یقین کیجئے اس سے کمتر بھی نہیں۔ اپنے آپ ہی کو دیکھئے ، کتنی ایسی باتیں ہیں جنھیں آپ ہو بہو نقل کر دیتے ہوں۔ نہ ان میں رنگ بھرتے ہوں اور نہ مبالغہ کرتے ہوں۔ گزشتہ 47 برس میں مجھے ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جو رنگ آمیزی، مبالغہ اور دیگر سخن گسترانہ عیوب سے پاک ہو۔ میں خود ان عیوب سے مبرا نہیں اور آج کہ میری عمر 47 برس سے کچھ اوپر ہو چکی ہے۔ علم کی کئی منازل طے کر چکا ہوں۔ متانت ، حقیقت اور واقعیت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوں۔ پھر بھی داستان سرائی، مبالغہ اور رنگ آمیزی سے پوری طرح نہیں بچ سکا۔ ہم ہر روز اخبارات میں ایک ہی واقعہ کی مختلف تعبیریں دیکھتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم لاہور تشریف لائے۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں ایک جلسہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں عبدالباری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جب میاں صاحب تقریر کے لئے اٹھے ،تو مجمع میں سے آوازیں بلند ہوئیں "ہم خائنوں کے سردار کی تقریر نہیں سننا چاہتے ، بیٹھ جاؤ ، بیٹھ جاؤ" چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ "نوائے وقت" اور اس کے ہمنواؤں نے لکھا کہ شور مچانے والوں کی تعداد دو بارہ سے زیادہ نہیں تھی لیکن "زمیندار" اور چند دیگر اخبارات کا بیان ہے کہ یہ جلسہ میں شریک ہونے والے دو لاکھ انسانوں کی متفقہ آواز تھی۔ واقعہ دو دن کا ہے۔ دو لاکھ انسانوں نے اسے دیکھا ، تمام اخبارات کے نمائندے بھی وہاں موجود تھے اور پھر بھی اصل حقیقت نہیں کھلتی۔ اسی طرح آج سے کچھ دو روز پہلے واہ

کیمپ میں مہاجرین کشمیر کے دو گروہ باہم الجھ پڑے[5]۔ اور فوج کو مجبوراً گولی چلانا پڑی ۔آناً فاناً خبر سارے علاقہ میں پھیل گئی۔ میں بھی اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑا۔ بازار میں ساٹھ آدمیوں کے مرنے اور ڈیڑھ سو کے زخمی ہونے کی داستان چکر لگا رہی تھی۔ ذرا آگے مقتولین کی تعداد دو سو ، اور آگے چار سو تھی۔ لیکن جب ان سرکاری حکام سے حقیقت پوچھی ، جو موقع پر موجود تھے تو معلوم ہوا کہ مقتولین کی کل تعداد چار ہے اور زخمیوں کی صرف بارہ۔ احادیث کی تحریف میں انسان کے اس فطری خاصہ کا کافی دخل ہے۔ حضور علیہ السلام سے ایک بات نکلی۔ ہزاروں نے سنی۔ رفتہ رفتہ اس میں رد و بدل ہونے لگے۔ زمانہ گزرتا گیا اور بات بگڑتی گئی۔ ہزاروں سے نکل کر لاکھوں  اور لاکھوں سے کروڑوں زبانوں تک پہنچی۔ جہاں کوئی حصہ بھول گیا ، پاس سے بڑھا لیا۔ اصلی قول محفوظ نہیں تھا کہ مقابلہ کر کے تصحیح کر لیتے۔ راویوں میں اچھے بھی تھے برے بھی ۔ موخرالذکر نے احادیث کو اپنی اغراض کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا اور بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔

حضورؐ کا زمانہ تھا۔ خود سرورکائنات بقید حیات تھے کہ  حضرت زبیرؓ سے ان کے بیٹے  حضرت عبداللہؓ نے پوچھا کہ آپ روایت  حدیث سے کیوں اجتناب کرتے ہیں ؟ فرمایا  ! اللہ کی قسم! احادیث میں اختلاف ہو گیا ہے۔ میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ حدیث ان الفاظ میں سنی تھی۔

من کذبو علی فلیتبوا مقعدہ من النار

جو شخص کوئی غلط قول میری طرف منسوب کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

لیکن لوگوں نے اس میں "متعمدا" کا لفظ (من کذب علی متعمداً) بڑھا لیا ہے۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہؓ بن عمرو کے سامنے حضرت ابو ہریرہؓ کی کتے والی حدیث بیان کی گئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مویشیوں کی رکھوالی اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ تو ابن عمرو نے فرمایا ۔

کیوں نہ ہو۔ ابو ہریرہ کھیتوں کا ملک جو ٹھہرا ۔ (توجیہہ ص 8 – 11)

چونکہ حضرت ابو ہریرہ نے اپنے کھیت کے لئے کتا پال رکھا تھا اس لئے
بقول ابن عمروؓ آپ نے ایک حدیث تراش کر کتے پالنے کا جواز نکال لیا۔

زمانہ گزرتا گیا، اللہ سے ڈرنے والے اور ذات رسول سے عشق کرنے
والے لوگ ختم ہو گئے۔ اور بعد میں آ گئے ایسے مسلمان جو کعبہ گرانے،
آل رسول کو ذبح کرنے اور حرم نبوی کے معصوم بچوں کو گرم
ریگستان میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں
کرتے تھے۔ کیا ان حضرات کے لئے احادیث میں رد و بدل کوئی بڑی بات
تھی؟ کروڑوں سچی اور جھوٹی زبانوں ، ان مشوش زمانوں، اور اسلام
بر انداز حادثوں سے گزری ہوئی احادیث کو صحیح سمجھ کر ان پر
مذہب کی بنیاد اٹھانا صحیح نہیں۔

<u>ایک اعتراض</u> ہمارے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ احادیث کو چھوڑ دو گے تو
نماز پڑھنے کا طریقہ کہاں سے سیکھو گے۔ اور زکوٰۃ کی مقدار کہاں
سے معین کرو گے؟

اس سوال کے تین جواب ہیں ۔

اول: اگر ہم احادیث کے مطابق نماز پڑھنا شروع کر دیں تو ہر مسجد
کی نماز دوسری سے مختلف ہو جائے گی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

دوم: رسول کریم صلعم کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا، اور
ان لاکھوں کو کروڑوں نے۔ اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ کیا ان ارب
، کھرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں؟ کیا دیہاتی مسلمان بخاری
سے نماز کا طریقہ سیکھتا ہے؟ جس طریقہ سے ہمارے آباء و اجداد
نماز ادا کرتے رہے، ہم نے وہ سلسلہ جاری رکھا اور اب نئی نسل
ہماری نقل اتار رہی ہے۔ یہاں صحیح بخاری کی ضرورت ہی کہاں
پیش آتی ہے۔ کشمیر کی ساری وادی میں غالباً صحیح بخاری کا کوئی
نسخہ موجود نہیں ہو گا۔ لیکن پھر بھی نہایت صحت سے نماز پڑھتے
ہیں۔

سوم:قرآن ہر لحاظ سے ایک مکمل کتاب ہے۔ جس طرح ہم کسی
تفسیر ، تاریخ یا تصوف کی کتاب کو یہ منصب عطا نہیں کر سکتے کہ
وہ اسلام میں کسی نئے حکم یا اصول کا اضافہ کرے، اسی طرح ہم
حدیث کو بھی یہ رتبہ نہیں دے سکتے۔ انسانی اقوال کی بے اندازہ
آمیزش کی وجہ سے اس کی حیثیت انسانی تصنیف کی ہو چکی ہے۔
جس طرح بعض باقی انسانی تصانیف کو یہ حق حاصل ہے کہ قرآنی

احکام و آیات کی شرح بیان کریں۔ اسی طرح محدثین کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ان لوگوں نے صلوۃ و زکوٰۃ کی کوئی ایسی تشریح پیش کی ہے جو قرآن سے متصادم نہیں ہوتی اور تواتر عمل کے بھی خلاف نہیں تو ہمیں اس کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ لیکن ہم ان حضرات کو اسلام میں کسی ایسے اضافے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جو انسانی عقل ، فطرت اور قرآن ہرسے سے متصادم ہوتا ہو۔

باقی رہا زکوٰۃ کو مسئلہ۔ تو اسے خود قرآن نے بھی واضح کر دیا ہے ۔ زکوٰۃ ہے کیا چیز ؟ اللہ کے راستے میں مالی قربانیہ ہمارے فقہا کہتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے ایک وقت (ماہ رجب) اور مقدار (اڑھائی فیصد وغیرہ) معین ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں اس کا وقت تو معین کوئی نہیں البتہ مقدار کا تعین ضرور ہے ۔ اللہ نے مسلمان کی تعریف یہ بیان کی ہے۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و امو الھم بان لھم الجنۃ

اللہ نے مسلمانوں سے دو چیزیں لے لیں ہیں ، جان اور مال۔ اور اس کے صلہ میں انھیں جنت دے دی۔

یعنی ہماری جان اور مال کا مالک اللہ ہے۔ جس طرح جاں سپاری کا کوئی خاص وقت معین نہیں جس وقت جنگ کا بگل بجا ، مسلمان سربکف حاضر۔ اسی طرح مال سپاری کا بھی کوئی خاص وقت نہیں۔ جب بھی ملت پہ ابتلا کا وقت آیا۔ مسلمان نے سب کچھ خدا اور رسول کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ہمارا ملا اس طرح کے مالی ایثار کو صدقہ یا <u>للنفاق</u> کہتا ہے اور اصطلاحی بحثوں میں الجھ پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔ چونکہ اللہ کی راہ میں مالی ایثار منفق اور مال ہر دو کو پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ اس لئے لازماً ہر قسم کی مالی قربانی زکوٰۃ سمجھی جائے گی۔ اگر میری بات پہ یقین نہ آئے لیجئے اللہ کا فیصلہ

خذ من اموالھم صدقۃتطھرھم بھا و تزکیھم

مسلمانوں سے صدقہ لے کر انھیں مطہر اور مزکیٰ (پاک) بناؤ

تزکی کا ماخذ زکوٰۃ ہے۔ تو گویا اللہ کے ہاں ہر قسم کی مالی قربانی زکوٰۃ شمار ہوتی ہے۔

قضیہ اشتراکیت و سرمایہ کا خدائی حل ہم عرض کر رہے تھے کہ
زکوٰۃ کا کوئی خاص وقت معین نہیں۔ لیکن اللہ نے اس کی مقدار یوں
معین کر دی ہے کہ اشتراکیت و سرمایہ کے تمام جھگڑے مٹا دئیے ہیں۔
اس وقت سوشلزم کا سیلاب تین چوتھائی یورپ ، چین اور چند دیگر
ممالک پہ چھا چکا ہے اور پوری تندی کے دھاڑتا گرجتا ہوا مغرب میں
فرانس بیلجئیم اور مشرق میں ہند و برما کی طرف بڑھ رہا ہے۔
سیاست دان حیران ہیں کہ کیا کریں۔ اور سرمایہ دار سربگریباں کہ
کیونکر بچیں۔ اس مصیبت کا علاج نہ ایشیا کے پاس ہے نہ یورپ کے
پاس۔ اگر ہے تو صرف قرآن کے پاس۔ قرآن کا فیصلہ وہ عظیم الشان
فیصلہ ہے کہ اسٹالین سن پائے تو اللہ کی قسم قرآن کے سامنے
سربجود ہو جائے۔

کارل مارکس اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا
حق حاصل ہے۔ جس دنیا میں سو میں سے 96 انسان بھوک سے مر
رہے ہوں۔ دسمبر کے جاڑوں میں عریانی سے ٹھٹھر رہے ہوں۔ مئی
اور جون کی لُو میں ہل چلا چلا کر اور پتھر ڈھو ڈھو کر ہلاک ہو رہے
ہوں اسی دنیا میں 4 فیصد افراد کو عظیم الشان محلوں ، موٹروں،
باغوں اور پارکوں میں عیش اڑانے کا کوئی حق نہیں۔ انھوں نے سرمایہ
کے بل بوتے پر غریبوں سے کیوں زمینیں چھینیں۔ ان کی کمائی پر کیوں
ناجائز قبضہ کیا۔ وہ بیسیوں عمارات، کئی ہزار ایکڑ زمین ، چار چار
پانچ پانچ موٹروں، کئی درجن گھوڑوں، نہروں اور باغوں پر کیوں قابض
ہیں؟ غریب کے پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہو چکے ہیں اور ان کے
داراللباس میں بوٹوں کے بیس جوڑے بے کار پڑے ہیں۔ غریب کے بچے
جنوری اور فروری کی برسات میں ٹھٹھر کر جان دے رہے ہیں اور ان
کے پاس کمخواب و زربفت کے درجنوں سوٹ الماریوں کی آرائش بنے
ہوئے ہیں۔ کسان ہل میں اونٹ کے ساتھ گدھا جوتنے پر مجبور ہو رہا
ہے اور ان کے تھانوں پر ناگوری بیلوں کے رسالے یوں ہی بندھے ہوئے
ہیں۔ کیا اہل سرمایہ کو ان تمام آرائشی اور زائد از ضرورت املاک پر
قابض ہونے کا حق حاصل ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ ہرگز نہیں۔ سنو اللہ
کا ازلی اور اٹل فیصلہ۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔

اے رسول لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ مالی قربانی کی حد کیا ہے ؟
انھیں کہہ دو ہر زائد از ضرورت چیز خدا و رسول کے سامنے پیش
کرو۔

قرآن حکیم کے یہی وہ ازلی ، غیر متبدل ، محکم اور لازوال حقائق ہیں جنھوں نے مفکرین کے ہر طبقہ سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ اور جنھوں نے اس کتاب عظیم کو تمام زمانوں کے لئے نسل انسانی کا رہبر بنا دیا ہے۔ وہ مالک العرش مستقبل کے پردوں سے ان طوفانوں کو دیکھ رہا تھا جو قلزم افکار کی گہرائیوں میں پرورش پا رہے تھے۔ وہ ان بجلیوں کی کڑک سن رہا تھا جو کاشانہ تہذیب پہ کل کو گرنے والی تھیں۔ وہ ان ہنگاموں کو بے حجاب دیکھ رہا تھا جنھوں نے انسانی گھرانے میں لاکھوں محشر بپا کرنے تھے۔ وہ ان فتنوں کو دیکھ رہا تھا جنھوں نے ابن آدم کا محاصرہ کرنا تھا۔ اس لئے اس نے ایسی ہدایات نافذ کیں کہ پیرو قرآن کو کہیں آنچ نہ آنے پائے۔ اور وہ ہر افتاد سے بچتا چلا جائے۔ سبحان اللہ ! کیسی مکمل اور شاندار کتاب ہے۔

پختہ ساز و حروف اوہرخام را

تازہ غوغائے دہدایام را

نم و آتش اندر شاخ تاک

درکف خاک از دم اوجان پاک

بحر و بر از زور طوفانش خراب

در پیام او شرار انقلاب

(اقبال بہ ترمیم)

ہاں ! تو ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ اقوال رسول اڑھائی سو برس تک کروڑوں زبانوں پہ گھومتے رہے۔ کہیں مجبوراً اضافے ہوئے اور کہیں عمداً۔ کہیں حافظے سے اتر گئے اور کہیں انسانی اقوال حضو کی طرف منسوب ہو گئے۔ اور جب امام بخاری کا زمانہ آیا تو ان کی تعداد چودہ لاکھ سے متجاوز ہو چکی تھی۔

**دوم** آسان اسلام قرآن کا اسلام بڑا مشکل اسلام ہے۔ یہاں جان و مال کی قربانی کرنا پڑتی ہے۔ مسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ جس کا کام ہر زمانے اور ہر مقام پر باطل کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑنا ہے۔ تلواروں کی جھنکاروں میں نعرہ تکبیر بلند کرنا ہے۔ شمشیر کے سائے میں جنت ڈھونڈنا ہے۔ ہر مصیبت، ہر چوٹ اور ہر افتاد کو مردانہ وار سہنا ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بلیان مرصوص (قرآن)

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے فرمان کی تعمیل میں یوں جم کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں

نفس پرستوں نے جب دیکھا کہ یہ اسلام تو ذرا کرخت سا اسلام ہے تو انھوں نے جھٹ ایک نیا اسلام گھڑ لیا۔ جس میں نہ میدان جہاد میں جانے کی ضرورت ، نہ تکالیف برداشت کرنے کی حاجت، اور نہ مالی قربانی کا کوئی جھمیلا۔ قرآن کہتا ہے کہ تلوار کی محبت ایمان ہے۔

افحسبتم ان تد خلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھد و منکم و یعلم الصابرین (قرآن)

کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ کو اب تک معلوم نہیں ہوا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور جنگ کی تکالیف برداشت کرنے والے کون۔

ایک حدیث کہتی ہے کہ بلی سے محبت کرنا ایمان ہے ۔

حب الھرۃ من الایمان[6] بلی سے محبت ایمان ہے۔

(حدیث المقاصد سخاوی)

اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے تو صرف جنت ملتی ہے لیکن حدیث میں ایسا نسخہ بھی موجود ہے جس سے ستر انبیاء کے اعمال کا اجر حاصل ہو سکتا۔

من تعلم بابامن العم لیعلم الناس ابتغاء وجہ اللہ اعطاہ اللہ اجر سبعین نبیاً[7]

جو شخص کسی طالب علم کو کسی کتاب کا ایک باب ہی فی سبیل اللہ پڑھا دے تو اللہ اسے ستر انبیاء کا اجر عطا کرتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آسمانوں کے تمام فرشتے تسبیح و تہلیل کا ثواب آپ کے حوالے کر دیا کریں تو لیجئے یہ گُر پلے باندھ لیجئے۔

مامن عبد لم تقطرمن خلال اصابعہ قطرۃ الاخلق اللہ ملکاً یسبح للہ بسبعین لسانا یکون ثواب ذالک التسبیح لہ الی یوم القیامۃ[8]

جب کوئی آدمی وضو کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرتا ہے تو پانی کے ہر قطرے پر اللہ ایک فرشتہ پیدا کر دیتا ہے جو ستر زبانوں میں اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے اور اس تسبیح کا ثواب قیامت تک اس آدمی کو  پہنچتا رہتا ہے۔

اس سے بھی آسان نسخہ لیجئے۔

[9]من کتب بسم اللہ الرحمن الرحیم فجودہ تعظیما للہ غفرلہ (حدیث)

جو شخص اللہ کی خاطر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو خوش خط لکھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

نہ صرف کود جنت میں جانے بلکہ دوسروں کو بھی وہاں لے جانے کا گُر حاضر ہے۔

[10]من اذن سنتہ من نیتہ صادقہ یحشر یوم القیامہ فیوقف علی باب الجنہ فیقال لہ اشفع منن شیت  (حدیث)

جو شخص سال بھر کسی مسجد میں سچی نیت سے اذان دیتا رہے وہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پہ کھڑا ہو جائے گا اور اسے اختیارات دئیے جائیں گے کہ جس شخص کی چاہے شفاعت کرے۔

مطلب یہ کہ مسجد کے "بانگے" کو کبھی کبھار کچھ کھلا دیا کرو۔ قیامت کے دن قطعاً کوئی نہیں پوچھے گا  اور آپ اس کی شفاعت پر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ کس مسلمان کا جی نہیں چاہتا کہ وہ حج کرے۔ لیکن اتنا خرچ اور سفر کون برداشت کرے۔ لیجئے گھر بیٹھے بیٹھے حج کر لیجئے۔ وہ بھی ایک نہیں ، دو نہیں بلکہ پورے پچاس ۔

[11]من صلی الفجر فی جماعہ فکا نما حج خمسین حجہ مع آدم

جس شخص نے فجر کی نماز با جماعت ادا کی اس نے گویا حضرت آدم کے ساتھ پچاس مرتبہ حج کیا۔

اگر آپ زندگی میں دو چار ہزار  بڑے بڑے گناہ کر چکے ہیں تو انھیں معاف کرانے کا طریقہ ہم بتلائے دیتے ہیں۔

[12]من قال لا الہ الااللہ و مدھا مت لہ اربعہ الاف من الکبائر

جو شخص لمبی سُر کے ساتھ ایک مرتبہ کلمہ پڑھے اس کے چار ہزار بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بڑے شوق سے گناہ کئے جائیں۔ زنا کیجئے ، شراب پیجیے، جوا کھیلیے، ڈاکے ڈالئے، جیبیں کاٹیے، تالے توڑیے، اور جھوٹ بولئے۔۔ اور جب بیس پچیس برس بعد جرائم کی تعداد چار ہزار تک پہنچ جائے تو "ماہیا" کے سُر میں ایک مرتبہ کلمہ پڑھ دیجئے اور مزے اڑائیے۔۔ اس کی بھی ضرورت نہیں ، یہ امت ہے ہی بخشی بخشائی۔ اس کا گناہ ، گناہ ہی نہیں۔

[13]ان امتی امتہ مرحومہ لا عذاب علیھا فی الاٰ خرہ

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میری یہ امت بخشی بخشائی ہے ۔ اسے قیامت کے دن عذاب نہیں ملے گا۔

## سوم طریقت

مشکل اسلام سے بھاگنے والوں کے کئی گروہ تھے۔ جن میں پیر بھی شامل تھے۔ پیر نے جہاد سے جان چھڑانے کے لئے اپنے ھُو حق کے نعروں کو جہاد بنا لیا اور اپنے مسلک پہ احادیث گھڑنا شروع کر دیں۔ مثلاً

[14]عن حذیفہ قال سئالت لنبی عن علم الباطن فقال سئالت جبریل عنہ فقال سرر بینی و بین احبائی و لیائی و اصفیائی اودعہ فی قلوبھم لایطلع علیہ ملک مقرب و ولا نبی ولا نبی مرسل۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ علم باطن کیا چیز ہے ؟ حضور نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے جبریل سے پوچھا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک راز ہے جسے صرف اللہ اور اسکے چند اولیاء و اصفیا جانتے ہیں۔ نہ کوئی فرشتہ اس راز سے آگاہ ہے اور نہ کوئی پیغمبر۔

ایک دن شکار کھیلتے کھیلتے میں ایک مزار کے قریب جا گزرا، وہاں ایک گھنے درخت کے نیچے ایک ملنگ بھنگ رگڑ رہا تھا۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا کہ ہمارے علم سے پیغمبر بھی بے خبر ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حدیث بیان کر رہا تھا۔

کبڑی سے کسی نے پوچھا کہ کیا چاہتی ہو ؟ اچھی ہو جائے یا سارا جہان تیری طرح بن جائے؟ کہا دوسری بات۔ چونکہ ان پیروں اور

فقیروں کی اکثریت دنیوی املاک و امتعہ سے محروم ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنانے کے لئے حدیثیں تراشیں اور ایک ایک تسبیح پر اتنی نیکیاں تقسیم کیں کہ تمام عالم کے ریاضی دان مل کر بھی انھیں نہ گن سکیں۔

[15]لو یعلم الامیر مالہ فی ذکراللہ لترک امارتہ ولو ان ثواب تسبیحہ قسم علیٰ اھل الارض لاصاب کل واحدہ منھم عشرہ اضاعف الدنیا۔

اگر ایک بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ ذکر خدا میں کتنا لطف ہے تو وہ سلطنت چھوڑ دے۔ اور اگر اس کی ایک تسبیح کا ثواب تمام دنیا پر تقسیم کر دیا جائے تو ہر شخص کے حصے میں کائنات عالم کی تعداد سے دس گناہ زیادہ نیکیاں آئیں۔

## چہارم شاہوں کی خوشامد

سرور کائنات صلعم کی رحلت کے چند سال بعد امیر معاویہ اور حضرت علی کا جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ حضرت علی اولی الامر اور خلیفہ رسول تھے۔ قرآن کے سچے عامل اور رسول کے صحیح پیرو تھے۔ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن معاویہ نے بغاوت کی اور اسلام میں لا انتہا مفاسد کا دروازہ کھول دیا۔ معاویہ کا یہ جرم قابل ستائش نہ تھا۔ لیکن ان کے مداحوں نے ان کی تعریف میں بھی احادیث تراشیں۔

[16]قال رسول اللہ صلعم انت منی یا معاویہ و انامنک

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ اے معاویہ! تو میرا ہے۔ میں تیرا۔

اس کے جواب میں حضرت علی کے کسی محب نے یہ حدیث وضع کر لی۔

[17]انا مدینۃ العلم و علی بابھا

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

علی کرم اللہ وجہہ کا ایک اور پیارا بول اٹھا

[18]لکل امۃ فرعون و فرعون ھذہ الامۃ معاویہ بن ابی سفیان

ہر قوم کا ایک فرعون ہوا کرتا ہے اور اس قوم کا فرعون معاویہ بن ابی سفیان ہے۔

چونکہ معاویہ کا پایہ تخت شام میں تھا۔ آپ کے ایک درباری نے شام کی تعریف میں یہ حدیث تیار کر ڈالی۔

[19]قال رسول اللہ صلعم الشام صفوۃ اللہ من بلادہ

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا منتخب ترین ملک، ملک شام ہے۔

دور امیہ کے بعد  عباسیہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کے مداحوں نے ان کی تعریف میں احادیث تراشنا شروع کر دیں۔ مثلاً

[20]قال رسول اللہ للعباس اذا کانت سنۃ خمسۃ و ثلاثین و مائۃ فالخلافۃ لک ولولدک منهم السفاح و المنصور و المهدی

رسول اکرم نے حضرت عباس کو فرمایا کہ 135ھ میں خلافت تمھاری اولاد میں منتقل ہو جائے گی اور تیرے بچوں میں سے سفاح، منصور اور مہدی خلیفہ ہوں گے۔

خلفائے عباسیہ132ھ میں برسراقتدار ہوئے نہ کہ 135ھ۔ پھر ان کی تعداد 37 تھی۔ جن میں مشہور ترین ہارون و مامون تھے۔ لیکن یہ حدیث تراش تین ابتدائی خلفا کے بغیر کوئی اور نام نہ بتا سکا۔ اس لئے کہ وہ خود خلیفہ مہدی کے زمانے کا آدمی ہو گا۔ اور اس کی غیب دانی مہدی سے آگے نہ چل سکتی ہو گی۔

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کو کبوتر پالنے کا بہت شوق تھا۔ بادشاہ کو کسی چیز کا شوق ہو اور اس پر کوئی حدیث نہ آئے۔ یہ کیسے ممکن ہے، چنانچہ حدیث تیار ہوئی۔

ان رسول اللہ صلعم کان یطیر الحمام

رسول اللہ صلعم کبوتر اڑایا کرتے تھے۔

جب شاہی دربار سے نکالے ہوئے کسی جعلساز تک یہ حدیث پہنچی تو اس نے جواب میں حدیث ذیل تراش لی۔

قال رسول اللہ صلعم ان اللعب بالحمام من عمل قوم لوط۔

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ کبوتروں سے کھیلنا قوم لوط کا کام تھا۔

(تذکرۃ الموضوعات صفحہ55)

یہود گؤ سالہ پرست تھے۔ یہ کسی یہود یا ہندو ہی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے کہ گائے کی تقدیس پر حدیث تیار کرالی۔

[21]اکرموا البقر فانھا سیدۃ البھائم مارفعت طرفھا الی السماء منذ عبدالعجل

گائے کی تعظیم کرو۔ اس لئے کہ یہ مویشیوں کی سردار ہے۔ اور جب سے یہود یوں نے (موسیٰ کے زمانے میں) بچھڑے کی پوجا کی تھی یہ بیچاری شرم سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھا سکی۔

مطلب یہ ہے کہ ہر گائے تاریخ کی ماہر ہوا کرتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سامری نے سونے کا گؤسالہ تیار کیا تھا جس کی یہود نے پرستش شروع کر دی تھی۔گناہ یہود نے کیا تھا مگر شرم گائے کو آ رہی ہے۔ اور شرم بھی اتنی کہ سر تک نہیں اٹھا سکتی۔ ورنہ اس واقعہ سے پہلے گائے کا سر ہمیشہ آسمانوں کی طرف رہا کرتا تھا۔

یہ تو ہوں گے کوئی یہود کے دوست۔ اب ایک ایسے بزرگ کی حدیث سنیئے۔ جو یہود کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔

قال رسول اللہ صلعم من لم یکن عندہ صدقۃ فلیلعن الیھود۔

جس شخص کے پاس صدقہ کے لئے کوئی چیز نہ ہو وہ یہودیوں کو گالیاں دے لیا کرے یہی اس کا صدقہ ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص 14)

یہ مفسد تو حدیث گھڑ کر جہنم میں چلا گیا لیکن اس کے نتائج آج فلسطین کے عرب بھگت رہے ہیں۔ جن یہودیوں کو گالی دینا ہماری تعلیمات کا جزو ہے وہ آج ہم پر رحم کیوں کھائیں۔ اگر وہ عربی سلطنتوں پر بم برساتے ہیں تو وہ کسی حد تک حق بجانب ہیں۔ جب ہم انھیں نجس، ملعون، کشتنی و سوختنی قرار دیتے ہیں تو وہ ہمیں جواباً کیوں ایسا نہ سمجھیں۔

**پنجم** فرقہ پرستی حضرت علی کی زندگی ہی میں دو نئے گروہ پیدا ہو گئے تھے ۔ ۱ روافض جو حضرت علی کے حامی تھی اور

خوارج جو مخالف تھے۔ جوں جوں زمانہ نکلتا گیا، اسلامی فرقوں کی تعداد بڑھتی گئی، اور نئے نئے اختلافات پیدا ہوتے گئے۔ ان میں سے تقریباً ہر فرقہ نے اپنے اپنے عقائد کی تائید اور دوسرے فرقۂ کی تردید میں احادیث وضع کیں۔ مثلاً شمس الدین سخاوی نے المقاصد میں یہ حدیث درج کی ہے۔

قال رسول اللہ صلعم القدریہ مجوس ھذہ الامہ ان مرضوافلا تعودو ھم و ان ما توافلا تشھ نھم

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ قدریہ[22] اس امت کے مجوسی ہیں۔ بیمار ہوں تو عیادت پر نہ جاؤ، اور مر جائیں تو جنازہ نہ پڑھو۔

اور لطف یہ کہ ہمارے بڑے بڑے امام ان جعلسازوں کے بھرے میں آ گئے۔ چنانچہ ترمذی نے عباس کی روایت سے ابن ماجہ نے جابر اور طبرانی نے "الاوسط" میں ابو سعید کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

صنفان من امتی لیس لھما نصیب فی الاسلام القدریہ و المرجیہ

حضور فرماتے ہیں کہ میری امت کے دو فرقوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور وہ ہیں ودریہ اور مرجیہ[23]۔

علامہ محمد طاہر اس حدیث کے وضعی ہونے پہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تذکرہ الموضوعات ص 15۔

فلاسفہ یونان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے صرف ایک چیز پیدا کی، یعنی عقل اول، عقل اول نے فلک اول اور عقل دوم کو پیدا کیا، عقل دوم نے فلک دوم و عقل سوم، اور یہ سلسلہ عقل دہم تک جا پہنچا۔ جس نےساری کائنات پیدا کی۔

جب عہد مامون میں فلسفہ یونان اسلام میں داخل ہوا اور ہمارے ہاں بھی فلسفی پیدا ہونے لگے جن کی شکلیں اسلامی تھیں اور روح یونانی تو اس فلسفہ ی تائید میں بھی احادیث آنے لگیں۔ مثلاً

[24]قال رسول اللہ صلعم اول ماخلق اللہ العقل۔

فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ، عہد عباسیہ میں فلسفہ یونان اسلام پہ چھا رہا تھا، اور ہمارے فلاسفہ و متکلمین ہر چیز کو میزان عقل

میں تولنے کے خوگر ہو چکے تھے۔ ہمارے بعض ائمہ کا خیال تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ چونکہ کلام اللہ کا وصف ہے۔ اور اللہ کا ہر وصف اللہ کی طرح قدیم ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن مخلوق نہیں، بلکہ قدیم ہے۔ فلاسفہ کی سمجھ میں یہ بات کیسے آتی۔ انھوں نے قدامت قرآن سے انکار کر دیا۔ اور مامون نے ان کی تائید کر دی۔ دوسری طرف امام احمد بن حنبل (وفات 240ھ) قدامت قرآن کے قائل تھے۔ شاہ و فقیر میں ٹھن گئی۔ اور ابن حنبل کو بےشمار تکالیف کا شکار ہونا پڑا۔ اس سلسلے میں امام کی تائید میں کافی احادیث تیار ہوئیں۔ مثلاً

[25]قال رسول اللہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق فمن قال غیر هذا فاقتلوہ من قال القرآن مخلوق فقد کفر۔

حضور فرماتے ہیں کہ قرآن غیر مخلوق (قدیم)ہے۔ جو اسے مخلوق کہے۔ اسے مار ڈالو۔

بات سیدھی سی تھی جس پر پوری طرح غور نہ کیا گیا۔ چیزیں دو تھیں۔ وصف کلام اور کلام۔ گفتگو کی اہلیت یا وصف الگ چیز ہے۔ اور گفتگو کرنا الگ چیز۔ ہر آدمی وصف کلام (گفتگو کی اہلیت) کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ مضامین ، اشعار اور کتابیں بعد میں لکھتا ہے۔ وصف کلام پیدائشی ہے اور کلام یا نتائج کلام بعد کی پیداوار۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وصف کلام اللہ کی طرح قدیم ہے لیکن نتائج کلام (موسیٰ سے کلام ، تورات ، انجیل قرآن وغیرہ) بعد کی پیداوار ہیں۔ اور اس لئے حادث ہیں۔ پیروان علی کو عرف عام میں شیعہ یا رافضی کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ عہد علیؓ کی پیداوار ہے۔ اس کے متعلق بھی چند احادیث وضع ہوئیں۔ مثلاً

[26]اخبر نی جبریل ان قوما ینتقعون اصحابی و یذکرونهم بالقبیح مالهم فی الاسلام نصیب۔ قلنا یارسول اللہ مااسماء هم۔ قال الرافضہ الذین رفضوا دینی۔

مجھے جبریل نے بتایا کہ عنقریب ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گا جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہے گا۔ اور اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ ہم نے پوچھا اے رسول اللہ! اس کا نام کیا ہے ۔ فرمایا، رافضہ جو میرے دین کو چھوڑ جائیں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوؤں کو سب سے پہلے محمود غزنوی نے ہندو کہا تھا۔ ورنہ پہلے یہ آریہ کہلاتے تھے۔ ہندوؤں کی کسی

مذہبی کتاب میں "ہندو" کا لفظ موجود نہیں۔ اور نہ غزنوی سے پہلے ہندو اہل ہند کے معنوں میں کہیں بھی مستعمل ہوتا تھا۔ ہندو کے لفظی معنی ہیں "کالا ، غلام اور چور" چونکہ غزنوی کے خیال میں یہ ہرسہ صفات آریاؤں میں موجود تھیں اس لئے اس نے انہیں ہندو کہہ دیا۔ اور یہ لفظ چل نکلا۔ لیکن ہمارے بزرگوں کا کمال دیکھئے کہ انھوں نے ایک حدیث میں "ہندو" کا لفظ بھی استعمال کر دیا۔ حالانکہ یہ لفظ (اہل ہند کے معنوں میں) چار سو سال بعد کی ایجاد ہے۔

[27] اتفواالیهود و الهنود

یہودیوں اور ہندوؤں (ہنود کا مفرد ہندو) سے بچو۔

امام ابو حنیفہ (80ھ – 150ھ) اور امام شافعی (150ھ – 204ھ) بعض اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے پیرو بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ اور ایک دوسرے کی تحقیرو تذلیل پر اتر آئے۔ امام ابو حنیفہ کے کسی پیرو نے اس سلسلے میں چند احادیث بھی وضع کیں۔

[28] قال رسول اللہ صلعم سراج امتی ابو حنیفہ

رسول خدا صلعم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ میری امت کا چراغ ہے۔

احادیث تراشی کا یہ سلسلہ امام ابو حنیفہ کی تعریف تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ ان بدبختوں نے تہذیب و شرافت کا لبادہ اتار کر حضرت امام شافعی جیسے عظیم المرتبت مجتہد کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اور گالیوں کو حضورؐ والا صفات کی طرف منسوب کر دیا

[29] عن انس قال رسول اللہ صلعم سیکون من امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس افر علی امتی من ابلیس۔

حضرت انس رسول صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ عنقریب میری امت میں ایک ایسا شخص آئے گا جس کا نام ہو گا محمد ادریس (الشافعی) اور جو میری امت کے لئے شیطان سے بڑھ کر نقصان رساں ثابت ہو گا۔ (جامع الاصول)

## ششم امتیاز رنگ و نسب

اسلام کا سب سے بڑا مشن رنگ و نسب کے امتیازات کو مٹانا ہے۔ ایرانی و زنگی کا فرق اٹھانا ہے۔ اور انسانی گھرانے میں مکمل مساوات قائم کرنا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے

کے لئے ہمیں بار بار کہا گیا کہ تم ایک ایک باپ یعنی آدم کے بیٹے ہو، تمھارا معبود ایک ہے ، قبلہ ایک ، منزل ایک، لائحہ عمل ایک اور میدان عمل ایک ہے۔ تم سب کائنات کے خادم ہو، اور تمھارا رسول سارے جہان کے لئے رحمت۔ تم سب سے محبت کرو، ان کی کتابوں اور رسولوں پہ ایمان لاؤ، کسی کو برا نہ کہو، اور کشت آدم پر سدا رحمت بن کر برستے رہو۔لیکن بھلا نہ ہو ہمارے ملا کا، اس نے سرور کائنات کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ ایرانی و عربی جھگڑے اٹھائے، زنگی و تورانی کے فتنے کھڑے کئے، بھائی کو بھائی سے لڑایا، اور مسلمان کو ایک تنگ نظر ، متعصب، کج دماغ اور موذی قسم کا مذہب دیوانہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اس میں کلام نہیں کہ البرامکہ کے عہد وزارت میں ایرانی اقتدار بہت بڑھ گیا تھا لیکن آخر وہ بھی مسلمان تھے، بے حد قابل تھے، ان کے مفکر دنیائے افکار میں انقلاب اٹھا رہے تھے، ان کے منجم آسمان کی باتیں اہل زمین کو سنا رہے تھے، ان کے فلاسفہ حقائق زندگی کو بے حجاب کر رہے تھے، ان کے اہل قلم عربی ادب میں نئی روح بھر رہے تھے، ان کے سیاست دان نظام سلطنت کو حیات نو عطا کر رہے تھے۔ اگر وہ اپنی ذہنی صلاحیت، زور قلم، شاندار فلسفہ اور بے پناہ علوم و فنون کی بدولت مزاج شاہی میں راہ پا گئے تھے تو عربوں کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ان کا لگایا ہوا پودا آج رشک چمن بن کر ایک دنیا کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ نہ کہ ناخوش۔ لیکن چونکہ ملا کسی دور میں بھی حقائق کو نہ دیکھ سکا اور نہ سمجھ سکا اس لئے اس نے تمیز نسل و رنگ کے دبے ہوئے فتنوں کو پھر جگانے کی کوشش کی۔

قال رسول اللہ صلعم البغض الکلام الی اللہ الفارسیہ کلام الشیطان الخوزیہ و کلام اهل النار البخاریہ و کلام اهل الجنہ العربیہ

حضور فرماتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ نفرت فارسی سے ہے، خوزیہ (خوزستان کی زبان) شیطان کی زبان ہے۔ بخارا کی بولی دوزخیوں کی بولی ہے۔ اور اہل جنت عربی میں گفتگو کیا کریں گے۔

اب ذرا ان جعلسازوں کی نوازشات اہل افریقہ پر ملاحظہ کیجئے۔

الزنحیی اذا شبع زنیٰ و ان جا ع سرق[30]

حبشی (حبشہ کا رہنے والا) کا پیٹ بھر جائے تو وہ زنا کرتا ہے، اور اگر بھوکا ہو تو چور بن جاتا ہے۔

شہر یار مدینہ کے پیارے موذن سیدنا بلال (حبشہ کے رہنے والے ) اس حدیث کو سن پاتے تو کیا کہتے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے

ناطقہ سربگریباں یہاں کہ اسے کیا کہیے

(غالب)

**ہفتم** <u>مُلا در محدِ خوومیگوید</u> حضورﷺ کا قول ہے کہ میر بعد خیر کم ہوتا جائے گا اور شر بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ ایک ایسا زمانہ آ جائے گا کہ جب

و علماءھم شرمن تحت ادیم السماء

اس امت کے مُلا خیمہ افلاک کے نیچے بدترین مخلوق تصور ہوں گے۔

جب ہمارے ملاؤں نے دیکھا کہ کچھ اس قول کی وجہ سے اور کچھ اپنی نالائقی ، تنگ نظری، کج دماغی اور اندھے تعصب کی بنا پر ان کی منزلت ہر جگہ کم ہو رہی ہے تو انھوں نے اپنے ڈوبتے ہوئے سفینے کو بچانے کے لئے احادیث تراشنا شروع کر دیں۔

اپنی زیارت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں[31] ۔

قال رسول صلعم من زار العلما کانما زار فی من سافح العلماء کانما صافحنی

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عالم کی زیارت کی گویا میری زیارت کی اور جس نے کسی عالم سے ہاتھ سے ہاتھ ملایا گویا مجھ سے ہاتھ ملایا۔

اپنی مجلسوں کو پر رونق بنانے کے لئے عوام کو یوں چکمہ دیا۔

حضور مجلس عالم افضل من صلوۃ الفا رکعۃ و عبادۃ الف مریض و شھود الف جنازۃ

حضور فرماتے ہیں کہ کسی عالم کی مجلس میں حاضری بھرنا ہزار رکعت نماز ، ہزار مریضوں کی عیادت اور ہزار جنازوں میں شامل ہونے سے بہتر ہے۔

مُلا کو خطرہ تھا کہ کہیں منصب قیادت سے محروم نہ ہو جائے اس
لئے وہ نبی بن بیٹھا، کہ لوگ اس کی منزلت کو کتنا ہی کم کر لیں، آخر
اسے مذہبی رہنما تو تسلیم کریں گے۔

## علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔

میری امت کے عالم انبیائے بنی اسرائیل (یعنی موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ)
سے کم نہیں۔

## الشیخ فی قومہ کالنبی دی امتہ

ایک ملا کو اپنی قوم میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک نبی کو اپنی
امت میں۔

اللہ کے ہاں شہادت بلند ترین اعزاز ہے اور ہونا بھی چاہیئے اس لئے
کہ یہ نعمت کسی چال سے نہیں، دولت سے نہیں ، سفارش سے نہیں،
عمر بھر کی عبادت سے نہیں، مساجد بنوانے اور چاہ کھدوانے سے
نہیں۔ بلکہ اللہ کی راہ میں سر دے کر موت کے گرجتے ہوئے طوفان
سے الجھ کر جنگ کے لپکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اور دھاڑتی ہوئی
توپوں کے دہانوں میں داخل ہو کر حاصل کی جاتی ہے۔ اور جو جنس
جس قدر بھاری قیمت دے کر خریدی جائے وہ لازماً قیمتی ہونی چاہیئے۔
اسی لئے تو حضور فرمایا کرتے تھے۔

"میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔
پھر زندگی ملے ، پھر شہید ہو جاؤں ۔ سہ بارہ زندگی ملے اور سہ
بارہ شہادت حاصل کروں۔ (بخاری)

حضرت خالد بن ولیدہ کا آخری وقت قریب آیا تو رو کر کہنے لگے

"کئی جنگوں میں شامل ہوا، پورے ایک سو زخم جسم پہ کھائے اور پھر
بھی اللہ نے مجھے شہادت سے محروم رکھا" ہر صحابی نماز کے بعد
دعا کیا کرتا تھا کہ "اے اللہ! میری اس فانی زندگی کا انجام شہادت
ہو"

ہمارے مُلا نے جب دیکھا کہ یہ میدان جنگ والی شہادت تو سر دے کر
میسر آتی ہے تو اس نے شہادت کے نہایت آسان نسخے ڈھونڈ لئے۔ مثلاً

## مداد العلماء افضل من دم الشھداء

عالم کی سیاہی شہید کے لہو سے افضل ہے۔

اس سے پہلے تو ہمارے سہل پسند کہا کرتے تھے

لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر لیں گے۔

لیکن اب یہ کام سہل تر ہو گیا۔ مسجد میں گئے۔ ملا کی دوات سے سیاہی نکال کر منہ پر مل لی اور شہید بن گئے۔

مُلا، ڈاڑھی ، مسواک، حلوا ، مرغا، ضیافت اور صدقہ لازم و ملزوم ہیں۔ ان لوازمات کے بغیر ہم ملا کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ خطرہ تھا کہ کہیں آپ مرغ و حلوہ پکا کر خود ہی نہ کھا جائیں۔ اس لئے حضرت مولانا نے ان "اہم مسائل" پر کئی احادیث پیش فرمائیں۔

مسواک

السواک یزید الرجل فصلحۃ

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ مسواک سے فصاحت بڑھتی ہے۔

چونکہ فصیح کلام منہ سے نکلتا ہے اور مسواک بھی منہ میں کیا جاتا ہے اس لئے مولانا اس "سائنٹفک" نتیجہ پر پہنچے کہ مسواک اور فصاحت و بلاغت کا ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔

ڈاڑھی

اعتبرو اعقل الرجل فی طول لحیتہ

ڈاڑھی جتنی لمبی ہو عقل اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

گو ڈاڑھی منہ پر ہوتی ہے اور عقل کا مرکز دماغ، لیکن مولانا کا خیال یہ ہے کہ اس کھیتی کو عقل کے چشمہ سے پانی ملتا ہے اس لئے عقل کے چشمہ میں جتنا زیادہ پانی ہو گا ، ڈاڑھی اتنی ہی لمبی ہوتی جائے گی۔

اسی قسم کی ایک اور حدیث ہے کہ

لادین لمن لا عقل لہ

جس کے پاس عقل نہیں، وہ بے دین ہے۔

عقل کا معیار ڈاڑھی ہے تو گویا ڈاڑھی منڈے سب کے سب احمق اور بے دین ٹھہرے۔ ان کے لئے جنت میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن ایک اور حدیث ہے کہ

اکثر اہل الجنۃ البلہ

جنت میں زیادہ تعداد احمقوں کی ہو گی۔

صدقہ

قال رسول اللہ صلعم او والزکوٰۃ و تحروبها اهل العلم

حضور صلعم فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ علماء کو دیا کرو۔

حلوا

كان النبی يحب الحلوا و السعل

رسول اللہ صلعم کو حلوا اور شہد بہت پسند تھے۔

قلب المومن حلود يحب الحلاوۃ و من حرمها علیٰ نفسہ فقد عصی اللہ و رسولہ

مومن کے دل میں مٹھا س ہوتی ہے اور اسی لئے وہ حلوے کو پسند کرتا ہے۔ جو شخص حلوے نہیں کھائے گا وہ خدا اور رسول کا نافرمان شمار ہو گا۔

من لقم اخاہ لقمہ حلوا صرف اللہ بها عنہ حوارۃ الموقف یوم القیامۃ

جو شخص اپنے بھائی کو حلوے کا ایک لقمہ کھلا دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے عرصہ محشر کی گرمی سے بچا لے گا۔

عليكم بالعسل والذی نفسی بيدہ مامن بيت فيہ عسل الاويستغفرلہ ملائکہ ذالک البيت وان مات و هوفی جوفہ لم تهن النار جلدہ

حضور فرماتے ہیں کہ شہد کھایا کرو۔ خدا کی قسم جس گھر میں شہد موجود ہو اس گھر کے فرشتے گھر والے کی مغفرت کے لئے سدا مصروف دعا رہتے ہیں اور اگر شہد کھانے کے بعد وہ مر جائے تو آگ اس کے جسم کو چھو نہیں سکتی۔

مرغا

الديک الابيض صديقی و صديق جبريلہ من اتخذ ديکا ابيض حفظ اللہ من شر شيطان و کاهن و ساحر

سفید مرغا میرا بھی دوست ہے اور میرے حبیب جبریل کا بھی۔ جو شخص سفید مرغا پالے گا اللہ تعالیٰ اسے شیطان ، کاہن اور جادوگر کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

کہتے ہیں کہ کالے رنگ کا مرغا گرم ہوتا ہے اور اسے کھانے سے پیچش کا ڈر رہتا ہے۔ اس لئے مولانا نے سفید مرغا پالنے کی ہدایات نافذ فرمائیں۔

## خضاب

ہمارے ملا عموماً ڈاڑھی کو خضاب لگایا کرتے ہیں۔ خضاب خریدنا اور لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ کب کوئی آدمی مرے ، مُلا صاحب جنازے کی فیس وصول کریں۔ اس میں سے دو آنے بچا کر بازار جائیں۔ خضاب لائیں۔ اسے گھولیں۔ لگائیں اور خشک ہونے تک ایک مقام پر بندھے رہیں۔ خضاب لگانے وقت اتنی منازل طے کرنا پڑتی تھیں۔ اس لئے مولانا نے اس نہایت مشکل کام کا صلہ بھی نہایت موزوں مقرر کیا ہے۔

نفقہ الددھم فی سبیل اللہ بسبعمایہ و نفقہ درھم فی خضاب بسبعہ الاف

اللہ کی راہ میں ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم کے برابر ہے۔ لیکن خضاب پہ خرچ کیا ہوا ایک درہم  سات ہزار کے برابر ہے۔

## حُسن پرستی

کون ہے جو حسن پرست نہیں۔ لیکن مقیمان مسجد و مکتب میں یہ جذبہ ضرورت سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ مرغن ضیافتیں کھانے کے بعد جنسی میلان بڑھ جاتا ہے۔ اور ہوتے ہیں یہ لوگ عموماً مجردہ اور بظاہر پارسا۔ تسکین جنس کے وسائل نایاب و کمیاب۔ اس لئے یہ باتوں ہی سے دل کو خوش کر لیتے ہیں۔ احادیث ذیل ان ہی دبی ہوئی خواہشات کا نتیجہ ہیں۔

[32]النظرالی المراۃ الحسنا یزید فی الصبر

خوش شکل عورت کی طرف دیکھنے سےنظر بڑھ جاتی ہے۔

قال رسول اللہ صلعم علیکم بالوجوہ الملاح و الحدق السود فان اللہ یستحیی ان یعذب و جھا ملیحا بالنار

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ نمکین چہروں اور سیاہ آنکھوں سے محبت کیا کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی صحیح چہرے کو آگ کا عذاب نہیں دے گا۔

**ہشتم** حقائق حیات عہد عباسیہ میں جب علم الحقائق مثلاً علم نباتات ، جمادات، ریاضیات، السنہ، افلاک وغیرہ اسلامی ادب میں راہ پانے لگا تو مُلا نے سوچا کہ کہیں یہ علمائے طبیعی بازی نہ لے جائیں۔ اس لئے اس نے بھی حقائق حیات پر اپنے مخصوص رنگ میں روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ گلاب کے پھول کی ماہیت سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں۔

[33] ان الورد من عرق النبی صلی اللہ و علیہ وسلم ادمن عرق البراق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ یا براق کا پسینہ زمین پر گرا اور گلاب کا پودا پیدا ہو گیا۔

کیا غضب کی تحقیق ہے۔ جی چاہتا ہے کہ علم نباتات کا سارا دفتر اٹھا کر اس جھوٹے کے سر پر دے ماریں۔ کوئی پوچھے کہ کیا حضور کی ولادت سے پہلے گلاب کا پودا دنیا میں موجود نہیں تھا؟ اگر نہیں تھا تو بقراط نے (جو ولادت مسیح سے بھی صدیوں پہلے تھے) اپنی کتابوں میں گلاب کے عرق اور پھول کا ذکر کیسے کر دیا؟ اور بحر الکاہل کے بعید ترین جزائر میں یہ پودا کیسے پیدا ہو گیا؟

گندم کے متعلق فرماتے ہیں

[34] شرار امتی الذین یاکلون الحنطہ

میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو گندم کھاتے ہیں۔

گندم نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا تھا اس لئے اس ظالم غلہ مولانا کا غصہ برمحل ہے۔

قرآن حکیم میں ایک آیت ہے۔

و مآ ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ

ہم ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان میں پیغام دیا کرتے ہیں۔

ہمارے مولانا اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں۔

[35] قال رسول اللہ صلعم والذی نفسی بیدہ ما انزل اللہ من وحی قط علیٰ نبی الا بالعربی ثم یبلغ بلسان قومہ

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہر نبی پر وحی عربی زبان میں اترتی تھی پھر وہ اسے اپنی زبان میں ڈھال کر قوم تک پہنچاتا تھا۔

مولانا نے یہ حدیث تراشنے سے پہلے دو مفروضے قائم کر لئے تھے۔

اول: کہ ہر نبی خواہ وہ چین میں آیا تھا یا ہند میں، عربی زبان کا ماہر ہوا کرتا تھا۔ ورنہ وحی کو سمجھتا کیسے؟

دوم: کہ عربی زبان تخلیق انسان کے ساتھ ساتھ چلی آتی ہے۔ حالانکہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ عربی، عبرانی، آرامی، فینقی، آشوری اور دیگر سامی زبانیں ایک ایسی زبان سے نکلی تھیں جو مدت مدید سے مٹ چکی ہے۔ اس ابتدائی زبان کی قدیم ترین شاخیں عبرانی و آرامی تھیں۔ عربی ان سے بعد میں معروض وجود میں آئی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا آف برطانیکا، بر عنوان "سامی زبانیں"۔

تو جو زبان دنیا میں موجود ہی نہیں تھی اس میں آدم و نوح کی طرف وحی بھیجنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی تھی؟ کیا اللہ ان انبیاء کی زبانوں سے نا آشنا تھا؟ یا ان میں وحی بھیجنا اس کی توہین تھی؟

کوے کی دم میں ٹانکی کرن آفتاب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی ! !

ماحصل ماحصل یہ کہ کہیں احادیث حافظے سے اتر گئیں کہیں بادشاہوں کی خوشامد اور نئے نئے عقائد کی تصدیق کے لئے احادیث وضع کی گئیں، کہیں نسلی بغض اس جرم کا محرک بنا کہیں جہاد سے جان چھڑانے ، اپنی شان بنانے اور مسلک طریقت کو اچھالنے کے لئے یہ حرکت کی گئی۔ اور رفتہ رفتہ احادیث کا وہ طور مار عظیم جمع ہو گیا کہ صحیح و غلط میں تمیز محال ہو گئی۔

سوال بعض حضرات کہتے ہیں کہ تم صحیح و غلط کی الجھن میں کیوں پڑے ہو ، جو حدیث قرآن کے مطابق ہے وہ لے لو اور باقی کو مسترد کر دو۔

جواب اس سوال کے کئی جواب ہیں۔ اول کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ہے وہ ہر طبقے کے ہاں مردود ہے اور جو قرآن کے موافق ہے اس کی ضرورت ہی نہیں[36]۔ اس لئے کہ قرآن کافی ہے۔ دوم کہ آپ کی اس تجویز کی بنیاد ایک وضعی حدیث پر ہے [37]۔

اذا روی عنی حدیث فاعر ضوہ علیٰ کتاب اللہ فان و افقہ فاقبلوہ و ان خالفہ فردوہ

جب کوئی روایت مجھ سے کی جائے تو اس کا مقابلہ قرآن سے کرو اگر قرآن کے مطابق ہو تو لے لو ورنہ مسترد کر دو۔

بعض جعلساز اس سے بھی آگے نکل گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

قال رسول اللہ صلعم افا حدثتم عنی محدیث یوافق الحق فصد قوہ و خذ وابہ حدثت بہ اولم احدث

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جب تمہارے سامنے کوئی ایسی حدیث پیش کی جائے جو حقیقت کے مطابق ہو تو اسے قبول کر لو۔ خواہ میرا قول ہو یا نہ ہو۔

مطلب یہ کہ اگر کوئی رتن سنگھ یہ کہے کہ دو اور دو چار بنتے ہیں اور اسے رسول کی طرف منسوب کر دے تو قبول کر لو۔ اس لئے کہ یہ قول خلاف حقیقت نہیں۔

بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ تجویز بری نہیں، لیکن اس راہ میں بھی بڑی مشکلات ہیں۔ اس لئے کہ بعض ایسی احادیث بھی جو تعلیم قرآن کے عین مطابق اور حدیث کی اہم کتابوں میں شامل ہیں، محققین کے ہاں جعلی ہیں۔ مثلاً

| حدیث | کس نے وضعی قرار دیا | حوالہ |
|---|---|---|
| الایمان عقد بالقلب و اقرار باللسان و عمل بالارکان<br>ایمان کیا ہے؟ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضا سے عمل۔ | امام ابن جوزی | تذکرہ الموضوعات<br>ص 11 |
| طلب العلم و بضۃ علی کل مسلم<br>علم کی تلاش ہر مسلم پہ فرض ہے۔ | ابن راہویہ، سخاوی، ابو علی نیشا پوری اور بہیقی | تذکرہ الموضوعات<br>ص 17 |
| اطلبو االعلم و لواکان بالصین<br>تلاش علم میں چین تک جاؤ | ابن عدی، ابن المجوزی، سیوطی، ابن | تذکرہ الموضوعات |

| | | |
|---|---|---|
| | حیانہ بیہقی | ص 17 |
| کنت کنزاً مخفیا لا عرف ناجبت ان اعرف فخلقت خلقاً فعر فتهم بی فعر فونی<br>میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ چاہا کہ عیاں ہو جاؤں تو میں نے انسان پیدا کیا۔ میں نے اسے معرفت کے راستے بتائے۔ چنانچہ اس نے مجھے پا لیا۔ | امام ابن تیمیہ<br>الزرکشی | تذکرہ الموضوعات<br>ص 17 |
| من عرف نفسہ عرف ربہ<br>جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا خدا کو پہچان لیا | ابن تیمیہ | تذکرہ الموضوعات<br>ص 11 |
| من سر المومن فقد سراللہ<br>جس نے کسی مومن کو خوش کیا اس نے گویا اللہ کو خوش کیا | سیوطی | تذکرہ الموضوعات<br>ص 14 |

ائمہ بن کی تصانیف میں اس طرح کی بےشمار مثالیں ملتی ہیں کہ حدیث کا مضمون درست ہے تعلیم قرآن کے عین مطابق ہے اور پھر بھی غلط ہے اب فرمائیے ! احادیث کو جانچنے کا پیمانہ کہاں سے لائیں ۔

## ساتواں باب

# موطا پر ایک نظر

امام مالک بن انس ( 93ھ – 197ھ) نے جب پہلی مرتبہ موطا مدون کی تو اس میں دس ہزار احادیث درج تھیں۔ بعد میں اس پر نظر ثانی کی تو آٹھ ہزار سات سو اسی احادیث مشکوک نظر آئیں۔ انھیں نکال لیا اور صرف ایک ہزار سات سو بیس رہنے دیں۔ انھوں نے انتخاب احادیث کے لئے کون سا معیار استعمال کیا ہم نہیں جانتے۔ اس میں قطعاً کوئی کلام نہیں کہ امام مالک کا کردار تقدس اور خلوص تمام شبہات سے وا تر تھا۔ اور یہ کہ انھوں نے صحیح کو غلط سے جدا کرنے کے لئے تمام تر انسانی ذرائع استعمال کئے ہوں گے۔ لیکن پونے دو سو برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ احادیث بڑھتے بڑھتے اور بگڑتے بگڑتے کیا سے کیا بن چکی تھیں۔ اس ذخیرے میں سے قول رسول کو تلاش کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ ہم موطا کی تعظیم ضرور کرتے ہیں۔ لیکن وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے مندرجات واقعی اقوال رسول ہیں ۔ اور خصوصاً ان حالات میں کہ اس کی بعض روایات محل نظر ہیں۔ مثلاً موطا[38] میں درج ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے وضو ضروری ہے۔ اور اذ قمتم الی الصلوٰۃ کی تفسیر اذا من المضاجع یعنی النوم دی ہوئی ہے۔ لیکن صحیح بخاری (کتاب الوضو) میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے یہ حدیث دی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلعم رات کو جاگے۔ صلوۃ تہجد ادا کی۔

ثم اضطجع و نام حتی نفخ ثم اتاہ المنادی فقام معہ الی الصلوٰۃ فصلی و لم یتوضا

پھر بستر پر دراز ہو گئے۔ پھر سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد نماز کے لئے بلانے والا آیا۔ آپ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دئیے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھ لی۔

چند اور اقوال ملاحظہ ہوں۔

من قبل امراتہ اوجها بیدہ لوضو

جو شخص اپنی عورت کو چوم لے یا صرف چھو لے۔ اس پر وضو لازم ہو جاتا ہے۔ (موطا ص33)

لیکن اسی صفحہ پر یہ حدیث بھی موجود ہے۔

من عائشہ ان النبی قبل بعض نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی ازواج میں سے کسی کے بوسے لئے اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا فرما لی۔

صحیح مسلم (جلد اول مع فتح الملہم طبع مجتبائی ص 485) میں درج ہے۔

عن ابی بن کعب قال سئالت رسول اللہ صلعم عن الرجل یصیب من المراۃ ثم یکسل قال یضل ما اصابہ من المراۃ تم یتوضاء و یصلی

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے ایک ایسے شخص کے متعلق فتویٰ پوچھا کہ جو اپنی بیوی کے پاس بغرض مجامعت گیا۔ کام شروع کیا۔ لیکن انزال سے پہلے ہی اسکی شہوت ختم ہو گئی۔ فرمایا وہ تمام نجاستوں کو دھو لے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لے۔

مزید تشریح کے لئے اسی صفحہ کی اگلی حدیث دیکھئے۔

ان رسول اللہ صلعم قال فی الرجل یاتی اهلہ ثم لاینزل قال نیصل ذکرہ، و یتوضا

ایک ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنی بیوی سے مجامعت کی لیکن انزال سے پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ وہ شخص آلہ تناسل دھو کر وضو کر لے۔ (مسلم ص 485)

اسی مسئلہ پر اب موطا کا فیصلہ سنیے۔

عن ابی سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف قال سئالت عائشہ مایوجب الضل قالت [illegible] اذا جاوز الختان الختان فقد و جب الغسل (ملخص موطا ص 16)

ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے پوچھا کہ کس صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے؟ فرمایا جب آلہ تناسل کا سر[39] عورت کی شرمگاہ کے ابتدائی حصہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس زمانے میں سینکڑوں صحابہ مدینہ میں موجود تھے۔ اور عبدالرحمن بن عوف خود بھی فقیہہ صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ اس موضوع پر احادیث بھی لوگوں کو یاد ہوں گی۔ با ایں ہمہ ابو سلمہ نے یہ کمال کیا کہ ایک نہایت نازک سامسئلہ حضور علیہ السلام کی سب سے کم عمر زوجہ مطہرہ سے جا پوچھا۔ کیا مدینہ بھر میں اس چھوٹی سی بات کو بتانے والا کوئی مرد موجود نہیں تھا؟ کیا کوئی غیر مرد کسی معزز خاتون سے اس قسم کی بات دریافت کرنے کی جرات کر سکتا ہے ؟ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابو سلمہ یہ غلطی کر بیٹھے تھے تو حضرت عائشہ کو چاہیے تھا کہ ان کو اس جسارت پہ ڈانٹیں، کہ تم کو حرم نبوی سے ایسا سوال کرنے کی جسارت کیسے ہوئی؟ یا خاموشی اختیار فرما لیتیں۔ اور اگر خوامخواہ کوئی جواب دینا ہی تھا تو کنایہ و استعارہ سے کام لیتیں۔ یہ "آلہ تناسل کا شرمگاہ میں داخل ہونا" ایسے الفاظ ہیں جو ایک خاتون اپنے شوہر کے سامنے بھی منہ سے نہیں نکال سکتی چہ جائیکہ غیر مردوں کے سامنے۔

چونکہ یہ حدیث ہمارے مشاہدے ، عام تجربے، عورت کی مسلمہ کیفیات نفسی اور حضرت عائشہؓ کے بلند مقام سے متصادم ہو رہی ہے۔ نیز صحیح مسلم کی دو احادیث اس کی تردید کر رہی ہیں۔ اس لئے ہم اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ اس قول کو حضرت عائشہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ میری اس رائے پر حدیث پرست علماء چیخ اٹھیں گے کہ تو کون ہوتا ہے امام مالک کی حدیث کی تردید کرنے والا۔ ایاز قدر خود بشناس، اس حدیث کے فلاں فلاں راوی ہیں۔ جن کے متعلق ابن ذہبی، ابن معین اور خدا جانے کس کس نے لکھا ہے کہ نہایت معتبر اور نیک لوگ تھے۔ اور تم جیسا جاہل کہتا ہے کہ حدیث غلط ہے۔ میں ان علماء کی خدمت میں قبل از وقت عرض کر دوں کہ عصر حاضر کا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ کہنے والا کون ہے ، بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ کہا کیا ہے؟ راوی راوی کا شور مچائے جانا اور یہ نہ دیکھنا کہ روایت نے حقیقت کو کتنا صدمہ پہنچایا ، نبی اور حرم نبوی کی منزلت کو کتنا دھکا لگایا۔ پیروان اسلام کے دل میں کتنے شبہات پیدا کیے۔ اور دشمنان اسلام کو اسلام پہ ہنسنے کے کتنے

مواقع بہم پہنچائے ہیں۔ ایک مُلا کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ مُلا کہتا ہے
کہ میری حدیث کا ہر ہر لفظ محفوظ رہے۔ اسلام رہے یا نہ رہے۔
حضور کی منزلت زیادہ ہو یا کم۔ لوگ اسلام پہ ہنسیں یا روئیں ،
میری بلا سے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم حدیث کے نیچے دبے ہوئے قرآن کو
نکالیں اور اہل عالم کے سامنے ایک مرتبہ پھر اعلان کریں۔

ذالک الکتب لا ریب فیہ (سورہ بقرہ)

(کہ یہ کتاب تمام شبہات سے وراء الورا ہے)

لیلۃ القدر کی تلاش مسلمانوں کے ہر طبقہ میں یہ خیال پایا جاتا ہے
کہ رمضان کے آخری ہفتہ میں ایک رات "لیلۃ القدر" کہلاتی ہے۔ اس
کی خاص علامات یہ ہیں کہ زمین و آسمان بقعہ نور بن جاتے ہیں۔
کائنات کی ہر چیز سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت جو بھی دعا
مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ اس رات کی تلاش میں ہمارا ایک طبقہ
ہفتہ بھر جاگتا رہتا ہے۔ اور ان میں سے بعض اپنی کامیابی کے فرضی
افسانے بھی گھڑ لیا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ قرآن حکیم
میں لیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے۔

انا انزلنا ہ فی فی لیلۃ القدر

ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر یعنی فیصلہ کن رات میں اتارا۔

لیکن وہ لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ چیز ہے۔ اس کا
مفہوم ہے کہ ایک فیصلہ کُن رات یعنی حق و باطل کے جھگڑے کو چکا
دینے والی اور قیاصر و اکاسرہ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات۔
اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ جس مقدس رات میں یہ
انقلابی کتاب ساری دنیا کو دی جا رہی تھی وہ رات یقیناً تمام نسل
انسانی کے لئے فیصلہ کن رات تھی۔ اسی رات کو یہ اٹل فیصلہ لکھا
جا رہا تھا کہ جو لوگ ہماری طرف بڑھیں گے ہم انہیں گلے لگا لیں گے
اور جو ہم سے بھاگیں گے ہم انہیں مٹا دیں گے۔ لیکن حدیث کی لیلۃ
القدر کا تصور بالکل جدا ہے اور اسلامی دنیا اسی لیلۃ القدر کو
ڈھونڈتی رہتی ہے۔

تحرو الیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان

رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش کرو۔(موطا ص 98)

التمسو ھا فی التاسعہ والسا بعہ و الخامسہ الباقیہ من الرمضان

لیلۃ القدر کو اکیسویں ، تئیسویں اور پچیسویں رات میں ڈھونڈو۔ (موطا ص 98)

پہلے زمانے میں زاہد قسم کے مسلمان ان راتوں کو جاگتے تھے ، رات بھر عبادت کرتے تھے اور صبح اٹھ کر دوسروں کو بتاتے کہ یوں رات کو جلووں کا طوفان اٹھا تھا اور یوں درخت سجدے میں گر گئے تھے۔ نہ جاگنے والے یہی سمجھتے ہوں گے کہ مولانا سچ کہہ رہے ہیں۔ لیکن ہم صرف اتنا دریافت کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ اگر واقعی لیلۃ القدر ہر رمضان میں آتی ہے تو وہ گذشتہ تین سو برس میں شب بھر جاگنے والے چوکیداروں ، ریلوے ملازموں، ملاحوں، ہوا بازوں اور مورچے میں ڈٹے ہوئے فوجیوں کو کیوں نظر نہ آئی؟

قرآن میں ردو بدل قرآن شریف میں مذکور ہے۔

نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

ہم نے یہ قرآن شریف نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت ضرور کریں گے۔

اور ہمارا ایمان ہے کہ الٰہی پیغام کا ہر ہر لفظ محفوظ ہے۔ لیکن بعض اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ چند آیات پہلے قرآن میں موجود تھیں لیکن بعد میں نکال دی گئیں۔ مثلاً

لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکبتتها الشیخ و الشیخہ انا زنیا فاد جموھا فااناً قراءناھا

اگر لوگ مجھے یہ نہ کہتے کہ عمر بن خطاب نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے تو میں یہ آیت اس میں اضافہ کر دیتا "الشیخ و الشیخہ [illegible]" کہ جب کوئی بوڑھا اور بڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو انھیں سنگسار کر دو۔ ہم یہ آیت قرآن میں پڑھتے تھے۔ (موطا ص 348)

اگر پڑھتے رہے تو نکالی کس نے؟ اور اگر نکال دی گئی تھی تو اللہ کا وعدہ حفاظت قرآن کیا ہوا؟

اس موضوع پر ایک قول بخاری میں بھی موجود ہے۔

عن عمر بن خطاب قال ان اللہ بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم و انزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل آیۃ الرجم

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ نے ﷺ محمد کو رسول بنا کر بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی۔ جس میں آیت رجم بھی موجود تھی۔

یعنی امام بخاری نے بھی تسلیم کر لیا کہ قرآن میں آیت رجم موجود تھی۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ گئی کہاں؟

یہ خرابی محض اس لئے پیدا ہوئی کہ امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث کی نظر ہمیشہ راویوں پر رہی اور یہ نہ دیکھا کہ مضمون روایت کیا تھا اور اس سے کس قدر مفاسد پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ آج اعدائے اسلام یہی احادیث ہمیں پیش کر کے کہتے ہیں کہ تمہارے قرآن میں رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ اور اس کی آیات انسانی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ کوئی بتاؤ کہ ہم اس الزام کا کیا جواب دیں؟

تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں کہ میں شام میں حضرت ابو الدرداؓ سے ملا تو آپ نے پوچھا کہ حضرت عبداللہؓ سورہ و اللیل کی تلاوت کیسے کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا ، اس طرح

و اللیل اذا یغشی والذکرونی الا نتی

آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلعم سے یہ آیات بالکل اسی طرح سنی ہیں اور میں اسی طرح پڑھوں گا۔ (صحیح مسلم جلد 2 ص 366)

تو گویا تین جلیل القدر صحابہ نے شہادت دے دی کہ یہ آیات مذکورہ بالا صورت میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن آج قرآن شریف میں یوں درج ہے۔

واللیل اذا یغشی و النہار اذا تجلی و ماخلق الذکر و الانثی

اب کس کو صحیح تسلیم کریں ؟ ان صحابہ کو ؟ صحیح مسلم کو؟ یا قرآن شریف کو؟ لازماً یہی کہنا پڑے گا کہ ہمارا قرآن صحیح ہے اور یہ حدیث مشتبہ ہے۔

اسی قسم کی ایک اور حدیث دیکھئے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ نے اصحاب صفہ میں سے چند حضرات کو اہل نجد کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ جب وہ بئیر معونہ (مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام) میں پہنچے تو عامر بن طفیل ، رعل، ذکوان وغیرہ نے انہیں قتل کر ڈالا۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ ان لوگوں کے متعلق مندرجہ ذیل آیت اتری تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔

بلغو اتومنا انا قد لقینا ربنا فرضیٰ عنا و رضینا عنہ

ہماری قوم کو کہہ دو کہ ہم اللہ سے اس حال میں ملے کہ وہ ہم سے خوش تھا اور ہم اس سے۔

(بخاری جلد 2 صفحہ 93 ۔ مسلم جلد 2 صفحہ 237)

اگر یہ آیت واقعی نازل ہوئی تھی تو مسلمان کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کا باقی رہنا لازم تھا۔ قرآن شریف میں غزوات اور اس قسم کے دیگر واقعات کے متعلق بیسیوں آیات نازل ہوئیں جو بعینہ محفوظ ہیں۔ اور ان میں سے ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔ اس آیت میں کیا بات تھی کہ پہلے اتری پھر منسوخ کر دی گئی۔ کیا ہم تنسیخ کی وجہ یہ سمجھیں کہ شہدا اس تعریف کے قابل نہ تھے۔ یا اس آیت کو قرآن میں باقی رکھنے سے آئندہ نسلوں پر کوئی برا اثر پڑتا تھا؟ چونکہ تنسیخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی اور چونکہ اس قسم کی احادیث سے قرآن کی قطعیت پر چوٹ پڑتی ہے اس لئے ہمارے لئے محفوظ ترین راستہ یہی ہے کہ ہم اس قسم کی تمام احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دیں۔

چلتے چلتے اسی نوعیت کی ایک اور حدیث بھی سنتے جائیے۔

عن البراء بن عاذب قال تزلت هذہ الایتہ حافظو علی الصلوت و الصلواۃ العصر فقرآنا هاما شاءاللہ ثم نسخها اللہ، نزلت حافظوا علی الصلوت و الصلواۃ الوسطی

(صحیح مسلم جلد 2 ص 205)

"براء بن حازب سے روایت ہے کہ پہلے یہ آیت اتری حافظوا علی الصلوات و الصلواۃ العصر ہم کچھ عرصے تک اسے پڑھتے رہے ، پھر منسوخ ہو گئی اور اس کی جگہ یہ نازل ہوئی حافظوا ۔ ۔ ۔ ۔ "

تقریباً تمام مفسرین اور بڑے بڑے صحابہ و الصلواۃ الوسطی کے معنی الصلواۃ العصر لکھتے آئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ کو صلواۃ العصر منسوخ کر کے صلواۃ الوسطیٰ نازل کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دشمنان اسلام ایک خاص سازش کے تحت اس قسم کی احادیث معتبر راویوں کے نام سے وضع کرتے رہے تاکہ مسلمان کا ایمان قرآن کے متعلق متزلزل ہو جائے اور چونکہ ائمہ حدیث صرف اسناد کو دیکھتے تھے اس لئے مسلم جیسے محقق بھی اس

چال کے شکار ہو گئے۔ اور انھوں نے اس روایت کو اپنے مجموعے میں شامل کر لیا۔

یہ حقیقت تسلیم کی جا چکی ہے کہ گوشت میں غذائیت بہت زیادہ ہے۔ اس سے ایک انسان نہ صرف تندرست، پھرتیلا اور چاق و چوبند رہتا ہے بلکہ گوشت خور ، سبزی خوروں کی نسبت زیادہ فراخ حوصلہ کریم الطبع اور بہادر ہوا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھ لو کہ ان کی اکثریت گوشت کو حرام سمجھتی ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ ماش کی دال ، بھلے اور پکوڑے کھا کھا کر ان کی توند بڑھ جاتی ہے۔ جسم ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ فراخ حوصلگی اور شجاعت کی صفت سے محروم ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ قرآن نے سواری اور گوشت خوری کو اللہ کا ایک انعام قرار دیا ہے۔

وذللنها لهم فمنها رلو بهم و منها یاکلون و لهم فیها منافع و مشارب افلا تشکرون

ہم نے بہائم کو انسان کا مطیع بنا دیا وہ ان پر سوار ہوتا ہے اور انھیں کھاتا بھی ہے ان مویشیوں (کے بالوں ہڈیوں گوبر اور چمڑے وغیرہ) میں انسان کے لئے بےشمار فوائد ہیں۔ کیا انسان ہماری اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرے گا۔

سرور عالم صلعم اور ان کے صحابہ گوشت کو ایک نعمت سمجھ کر کھایا کرتے تھے۔ لیکن موطا کی ایک حدیث ہمیں گوشت جیسی نعمت سے اجتناب کا حکم دیتی ہے۔

عن عمر ابن الخطاب قال ایاکم و اللحم فان لہ ضراوۃ کضراوۃ الخمر

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ گوشت خوری سے بچو۔ اس لئے کہ شراب کی طرح اس کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔

ایک اچھی چیز کی عادت بھی پڑ جائے تو ہرج کیا اور چیز بھی ویسی کہ صحت کے لئے مفید، جرات و ہمت جیسے جذبات کی خالق ، شرعاً حلال اور اللہ کے ہاں ایک نعمت جیسی چیز سے اجتناب کا مطلب؟ کیا ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب نہیں کہ مسلمانوں کو صحت اور چستی اور جذبہ جاں فروشی سے محروم کرنے کے لئے کسی دشمن اسلام نے یہ قول وضع کیا تھا۔ حضرت امام مالک اس جعلساز کا کھوج نہ لگا سکے اور اسے موطا میں شامل کر لیا۔

## آٹھواں باب

# صحیح بخاری پر ایک نظر

اس میں کلام نہیں کہ امام بخاری (وفات870عیسوی) نے صحیح احادیث کی تلاش میں لمبے لمبے سفر کئے، ہر حدیث کو پرکھنے کے لئے تمام امکانی وسائل اختیار فرمائے، استخارے کئے، کعبے میں جا کر دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! مجھے صحیح و غلط میں امتیاز کی توفیق عطا فرما، راویوں کا کھوج لگایا، ہر قبل ذکر محدث سے مشورہ کیا، اور سالہاسال کی مسلسل جستجو کے بعد  اپنا مجموعہ تیار کیا۔لیکن اس قدر محنت و احتیاط کے باوجود  اس مجموعہ میں چند ایسی احادیث موجود ہیں جو یا تو تعلیم قرآن سے متصادم ہیں یا آپس میں ٹکراتی ہیں یا مسلمانوں کو بے کار ، اپاہج اور بے عمل بناتی ہیں، اور یا ان سے حضور علیہ السلام اور ان کی ازواج مطہرات کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ ان حالات میں ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں ۔ یا تو  ہم صحیح بخاری کے ہر ہر لفظ کی حفاظت کریں اور قرآن و رسول پہ جو کچھ گزرتی ہے گزرنے دیں، اور یا قرآن کو مقدم رکھتے ہوئے صرف ان احادیث کو قابل اعتنا سمجھیں جو عیوب بالا سے پاک ہوں۔

ہم امام بخاری کی محنت و تلاش کی داد تو دیتے ہیں اور انھیں بے حد قابل احترام سمجھتے ہیں لیکن کیا کریں کہ حضور پرنور کی ذات والا صفات سے ہمیں اس قدر عقیدت  و محبت ہے کہ ہم ان کی شان میں کوئی ہلکی سی جسارت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

امام بخاری کی نظر زیادہ تر اسناد پر رہی، انھیں جس حدیث کے وضعی ہونے پہ کوئی تاریخی شہادت نہ مل سکی اس اپنے مجموعہ میں شامل کر لیا لیکن صفحات گزشتہ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ احادیث کا کیا حال ہو چکا تھا، راویوں کے حالات کس بے احتیاطی سے قلمبند ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔ ان

حالات میں صرف راویوں پہ اعتماد کر کے بخاری کی ہر روایت کو قول رسول سمجھ لینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اکرم بحیثیت نبی 23 برس زندہ رہے۔ اس لمبی مدت میں یقیناً آپ نے قرآن کے علاوہ بھی کوئی ارشاد فرمایا ہو گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودہ لاکھ احادیث کے طور مارِ پریشاں میں سے اقوالِ رسول کو کون ڈھونڈے اور کس طرح ڈھونڈے؟ بخاری کی جو احادیث قرآن ، عقل اور حقیقت کے خلاف نہیں ہم ان کے متعلق یہ حسن ظن تو رکھ سکتے ہیں کہ وہ غالباً اقوال رسول ہوں گے۔ لیکن پورے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ احادیث کی حیثیت محض تاریخ کی ہے۔ تاریخ میں غلط باتیں بھی ہو سکتیں اور صحیح بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مورخ تدوین تاریخ میں اس قدر خلوص اور محنت سے کام نہیں لے سکتا جتنا امام بخاری نے لیا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے صاف اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ ہم صرف قرآن حکیم پر ایمان لائیں اور قرآن سے مطابق احادیث پہ حسن ظن رکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ظنی چیز کو وحی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

دع مایرلبیک الیٰ مالا یرلبیک مشتبہ اور ظنی چیز کو چھوڑ کر یقینی اور قطعی چیز کو اختیار کرو۔

کسی تصنیف کی صحیح قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے مضامین پہ ایک ناقدانہ نگاہ ڈالیں۔ اس سلسلہ میں بخاری کی چند روایات کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

<u>ایک پیشین گوئی</u> چھ ہجری 628 عیسوی کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خسرو پرویز شاہ ایران (590 ۔ 628ء) اور ہرقل قیصر روم (640۔641ء) کی طرف خطوط بھیجے۔ اور انھیں اسلام کی دعوت دی ۔ ہرقل نے قاصد رسول کی بڑی تعظیم کی۔ لیکن کسریٰ (شاہ ایران) نے خط پھاڑ ڈالا۔ اور قاصد کو ڈانٹ ڈپٹ کر دربار سے نکال دیا۔ جب حضورؐ کو اس سلوک کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک پیشین گوئی کی۔ قیصر کے حسن سلوک اور کسریٰ کی بدتمیزی کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور صرف نسل کسریٰ کے خاتمہ کی پیشین گوئی فرماتے اور ہر قل کے لئے اسی طرح محبت کا اظہار کرتے جس طرح وہ نجاشی سے کیا کرتے تھے لیکن جو پیشین گوئی بخاری میں موجود ہے وہ ہماری اس تمنا کو پوری نہیں کرتی۔

عن ابی هریرہ ان رسول اللہ صلعم قال افا هلک کسریٰ فلا
کسریٰ بعدہ واذا هلک قیصر فلا قیصر بعدہ

ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا
کسری کے تباہ ہونے کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہو گا اور نہ قیصر
کے بعد کوئی اور قیصر۔ (بخاری جلد 2 ص 126)

کسریٰ کے متعلق یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آنحضرت
کی رحلت سے صرف دس برس بعد 642عیسوی میں جنگ نہاوند نے
ساسانی خاندان کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ کچھ عرصہ بعد آخری
کسریٰ (یزدگرد) قتل ہو گیا اور اس کے بعد پھر آج تک کوئی کسریٰ پیدا
نہ ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کہ قیصر کے متعلق بھی یہ پیشین گوئی
اسی طرح پوری ہوتی لیکن اہ کاش کہ ایسا نہ ہوا۔ ہرقل 641ء میں
فوت ہوا۔ پھر کانسٹینس (641-642ء) اس کے بعد کانسٹینس دوم (
642-668ء) تخت نشین ہوا۔ پھر قسطنطین چہارم (668-685ء) پھر
قسطنطین (685-695ء) اور یہ سلسلہ 1453 عیسوی تک جاری رہا۔
یہاں تک کہ سلطان محمد ثانی 1451 عیسوی قسطنطین 1481 ء
فاتح قسطنطنیہ نے اس سلسلہ کو 1453 عیسویں میں ختم کیا۔
حضورؐ نے یہ پیشین گوئی 630 ء میں کی تھی اور یہ خاندان اس
پیشین گوئی کے بعد آٹھ سو ستائیس برس تک زندہ رہا۔ اور اس
عرصہ میں خود مسلمانوں کے بیسیوں فرمانروا سلسلے ختم ہو چکے
تھے۔ مثلاً خلفائے راشدین (632ء ۔661ء) اُمیہ (661ء۔ 750ء) عباسیہ
(750ء ۔ 1285ء) خلفائے اندلس (756ء ۔ 1031ء) خلفائے فاطمی (
909ء۔1171ء) ایوبیان مصر (1169ء ۔1252ء) ممالیک بحری (
1250ء۔1390) وغیرہ۔ کیا کسی سلسلے کے خاتمہ کی پیشین گوئی
کا مطلب یہی ہے کہ وہ سوا آٹھ سو برس تک زندہ رہے؟ آٹھ سو
برس قوموں کی قدرتی عمر ہے۔ اتنی لمبی زندگی کے بعد اگر کوئی
سلسلہ منقطع ہو بھی جائے تو کوئی عقلمند یہ باور نہیں کرے گا کہ
اس کا خاتمہ کسی پیشین گوئی کی وجہ سے ہوا تھا۔اگر حضورؐ نے
واقعی فرمایا تھا کہ قیصر کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہو گا تو آپ
کا اشارہ اس قیصر کی طرف ہو گا جو اس وقت تخت نشین تھا۔ اگر
ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ ایک پیشین گوئی زیادہ سے زیادہ سو دو
سو سال یا دو چار پشتوں کے بعد پوری ہو جاتی ہے ایک پیشین گوئی سوا
آٹھ سو برس تک پوری نہ ہوئی۔ اور ہم یہی کہے جائیں کہ یہ وحی
خفی ہے۔ مخبر صادق کا قول ہے۔ اور خدائی الہام ہے۔ اس طرح کی

پیشین گوئی تو ہر شخص کر سکتا ہے۔ مثلاً زید کہہ سکتا ہے کہ شاہ انگلستان کی وفات کے بعد کوئی اور شاہ انگلستان نہیں آئے گا۔ اور اس کے بعد اگر شاہان انگلستان کا سلسلہ ایک ہزار برس تک بھی جاری رہے تو وہ کہہ سکتا کہ میری پیشین گوئی اتنی ہی صحیح ہے جتنی قیصر کی موت والی۔

یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہو گا کہ قیصران قسطنطنیہ کا سلسلہ 320 عیسوی سے شروع ہوا تھا۔ پہلا قیصر قسطنطین اول (288ء۔ 337ء) تھا۔ اس کا پایہ تخت روما تھا۔ 330ء میں اس نے قسطنطنیہ کو جس کا قدیم نام "بائزنٹیم" تھا دار الخلافہ بنا لیا۔ اور اسی نسبت سے یہ لوگ "بائزنٹائن امپرز" کہلانے لگے۔ کل قیصروں کی تعداد 84 تھی۔ ہرقل پندھرواں قیصر تھا۔ اور اس کے بعد 69 قیصر اور آئے۔

اس سلسلہ میں گیارہ قیصر ایسے بھی گزرے تھے جو قسطنطین کے لقب سے مشہور تھے۔ ہرقل قسطنطین سوم تھا۔ پورا جدول یہ تھا۔

1۔ قسطنطین اول 228 - 337ء

2۔ قسطنطین دوم 317 – 340ء

3۔ قسطنطین سوم 610 – 641ء یہ وہی ہے جس کی طرف حضور نے خط بھیجا تھا۔

4۔ قسطنطین چہارم 668 – 685ء

5۔ قسطنطین پنجم 740 – 775ء

6۔ قسطنطین ششم 779 - 797ء

7۔ قسطنطین ہفتم 912 – 958ء

8۔ قسطنطین ہشتم 1025 – 1028ء

9۔ قسطنطین نہم 1042 – 1055ء

10۔ قسطنطین دہم 1059 – 1067ء

11۔ قسطنطین یاز دہم 1448 – 1453ء

(Story of Nations by OMAK)

اگر کوئی غیر مسلم ہم سے پوچھ بیٹھے کہ کیا تمہارے نبی صلعم کی تمام پیشین گوئیاں ایسی ہی ہوا کرتی تھیں؟ تو ہم اس طنز کا کیا

جواب دیں گے۔ بغیر اس کے کہ اس حدیث میں قیصر والا حصہ بعد کا اضافہ تسلیم کریں۔

تاریخی غلط بیانیاں اول: یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مسجد اقصیٰ (یروشلم) کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ تواریخ 20 باب 3 آیات 1 – 2 میں مذکور ہے۔

"اور سلیمان خداوند کا گھر یروشلم میں کوہ موریا پر جو اس کے باپ داد کو دکھلایا گیا تھا، اور جگہ جو داؤد نے اُرفان بیوسی کے کھلیان میں مقرر کی تھی ، بنانے لگا۔ اور سلیمان نے اپنی سلطنت کے چوتھے برس کے دوسرے مہینے کی دوسری تاریخ کو بنانا شروع کیا"

تواریخ2 ، باب 6، آیات 9-10 میں بیان کیا گیا ہے۔

"خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا تھا کہ اس سبب سے کہ تو نے میرے نام کا گھر بنانے کا ارادہ کیا، اچھا کیا لیکن تو خود یہ گھر نہیں بنائے گا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا ، وہی تیرا گھر بنائے گا"[40]

اور یہ بھی تسلیم کیا جا چکا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تقریباً ہزار سال قبل مسیح تھا۔ ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ نیز ارض القرآن جلد 2 طبع دوم ص 241 مصنفہ سید سلیمان ندوی۔ قصص الانبیاء میں حضرت ابراہیم کا زمانہ 2361قم اور حضرت داؤد کا 1693قم دیا ہوا ہے۔ جو تحقیقات جدیدہ کے رو سے درست نہیں۔ ایک اور کتاب میں (جس کا نام بھول گیا ہوں) حضرت ابراہیم کا زمانہ 2014 قم دیا ہوا تھا۔ سید البشر (ص6) میں ابوسعید عبدالرحمن فرید کوٹی نے کافی تلاش و جستجو کے بعد حضرت ابراہیم کا عہدہ 2015 قم بتایا ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس حساب سے حضرت ابراہیم اور سلیمان ؑ ک درمیان قریباً ایک ہزار سال کا عرصہ بنتا ہے۔ تورات میں حضرت سلیمان کا نسب نامہ یوں دیا ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| ابراہیم | آرام (رام) |
| اسحق | عمیداب |
| یعقوب | نجسوان |
| یہوداہ | سلمون |

| | |
|---|---|
| فارص (پہارس) | یوغر |
| حصردم (حصران | عوبید |
| یسیٰ | |
| داؤد | سلیمان (1015 قم ۔ 986 ق م) |

اس نسب نامہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ابراہیم وسلیمانؑ میں کئی سو برس کا زمانہ حائل تھا۔ حضرت سلیمان نے 1011 قم میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اگر عام تاریخوں پہ اعتماد کرتے ہوئے ہم حضرت ابراہیم کی تاریخ وفات اندازاً 2000 قم قرار دیں اور مکہ کی تعمیر 2070 قم کے قریب فرض کر لیں تو تعمیر مکہ اور تعمیر بیت المقدس کے درمیان 1059 برس کا زمانہ بنتا ہے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ۔

ان بانی الکعبہ ابراہیم و بانی بیت المقدس سلیمان و بینھما اکثر من الف سنہ۔

حضرت ابراہیم بانی کعبہ تھے اور حضرت سلیمان بانی بیت المقدس اور ان کے درمیان ایک ہزار برس سے بھی کچھ زیادہ کا زمانہ حائل تھا۔

لیکن بخاری کی ایک حدیث کے مطابق یہ زمانہ صرف چالیس سال بنتا ہے۔

عن ابی ذرقال قلت یا رسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اول قال المسجد الحرام قال قلت ثم ای قال المسجد الاقصیٰ قلت کم کان بینھما قال اربعون سنہ۔

ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنی؟ فرمایا کعبہ۔ پھر پوچھا اس کے بعد کونسی مسجد بنی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ ۔ میں نے پوچھا ان کی تعمیر میں کتنا زمانہ حائل تھا؟ فرمایا چالیس سال۔

(صحیح بخاری جلد 2 ص 155)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کے فوراً بعد کسی نے مسجد اقصیٰ بنائی ہو ، جو گر چکی ہو اور اسے سلیمان نے دوبارہ تعمیر کیا۔

تاریخ کے ٹھوس واقعات کو ممکن ہے یہ ہو وہ ہو، سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اگر حقیقتاً مسجد اقصیٰ ایک مرتبہ پہلے بن چکی تھی تو تاریخی ثبوت چاہیے۔

اس اعتراض کے جواب میں مولوی سرفراز خاں خطیب گھکڑ نے اپنی تصنیف "صرف ایک اسلام" کے صفحات 24۔28 میں تورات کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت یعقوب نے ایک معبد بیت ایل کے نام سے بنایا تھا۔ اور انھی بنیادوں پر حضرت سلیمان ؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اس لئے کعبہ اور بیت ایل کی تعمیر میں اندازاً چالیس ہی سال کا زمانہ حائل ہو گا۔

بات نہایت معقول کہی۔ اگر واقعی ثابت ہو جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیت ایل یہیں تھا۔ جہاں بیت المقدس تعمیر ہوا تو معاملہ حل ہو جاتا۔ پہلے حوالہ دیکھئے۔

"اور یعقوب بیر سبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا ۔۔۔ (راہ میں ایک جگہ خواب میں اللہ کو دیکھا) یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے آپ نے سرہانے دھرا تھا لے کر ستون کی طرح کھڑا کیا اور اس کے سرے پہ تیل ڈالا۔ اور اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا۔ پہلے اس بستی کا نام لُوز تھا"

(پیدائش باب 28 ۔ آیات 10 – 19)

انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں بیت ایل کے متعلق درج ہے کہ اس جگہ کا پہلا نام لُوز تھا۔ جب حضرت یعقوب ؑ نے وہاں مذبح بنایا تو اس جگہ کا نام بیت ایل پڑ گیا۔ یہ مقام یروشلم سے گیارہ میل دور شمال میں تھا۔ انسائیکلو پیڈیا نے اس عہد کے کنعان (فلسطین) کا پورا نقشہ بھی دیا ہے۔ چونکہ بیت المقدس یروشلم میں ہے اور بیت ایل گیارہ میل دور تھا اس لئے اس کی بنیادوں پر مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت یعقوب نے سالم بستی کے قریب ایک اور مذبح بنایا تھا جس کا نام الا لُہ اسرائیل رکھا تھا۔ یہ بستی یروشلم سے سے چالیس میل شمال میں واقع ہے۔

دوم: سیرت کی تمام کتابیں اس حقیقت پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔

عن عائشہ ان النبی صلعم تو فی ابن ثلاث و ستین

کہ نبی کریم صلعم نے تریسٹھ سال کی عمر رحلت کی۔ (بخاری جلد 2ص 175)

لیکن حضور کے خادم خاص حضرت انس جو 1268 حدیثوں کے راوی بھی ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ کی عمر ساٹھ برس تھی۔

انزل علیہ و ھوا ابن اربعین فلبث بمکہ ھشر سنین ینزل علیہ و بالمدینہ عشر سنین

چالیس برس کی عمر میں حضور پر قرآن اترنے لگا۔ اس کے بعد آپ دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں زندہ رہے۔ (بخاری جلد 2 ص 176)

اسی صفحہ پر اسی مضمون کی ایک اور آیت بھی موجود ہے۔ جو حضرت انس ہی سے منقول ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

بعث رسول اللہ صلعم لاربعین سنہ فمکث بمکہ ثلاث عشرہ سنہ یوحیٰ الیہ ثم امر بالھجرہ فھاجر عشر سنین و مات و ھوابن ثلاث و ستین

چالیس برس کی عمر میں حضور پر وحی نازل ہونے لگی۔ اس کے بعد آپ مکہ میں تیرہ برس رہے۔ اور وحی باقاعدہ جاری رہی پھر مدینہ میں تشریف لے گئے ۔ وہاں دس سال رہے۔ اور تریسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

(صحیح بخاری جلد 2 ص 214)

بےشمار کتب سیرت کی شہادت اور حضرت ابن عباس و حضرت عائشہ کی روایت کی روشنی میں حضرت انس کی روایت غلط ہے۔ حیرت ہے کہ امام بخاری نے اس غلط روایت کو اپنی "صحیح" میں جگہ کیوں دی۔ اور زیادہ حیرت اس امر پر کہ جس حضرت انس کو اپنے آقا رہبر اور پیغمبر کی عمر تک معلوم نہیں تھی ، ان کی باقی 83 روایات کو امام بخاری نے کیسے صحیح سمجھ لیا۔

حضرت انس دس برس تک رسول اللہ صلعم کی خدمت میں خادم خاص بن کر رہے۔ اور انھیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کی عمر کتنی تھی؟ اگر معلوم نہیں تھی تو بتائی کیوں؟ اور اگر معلوم تھی تو

غلط بیانی کیوں کی؟ اور اگر وہ سہواً غلط بیانی کر بیٹھے تھے تو امام بخاری نے اسے ایک ایسی کتاب میں کیوں شامل کر لیا جو قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب سمجھی جاتی ہے؟

<u>سوم</u> عطاء بن یسیار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ؓ بن عمرو سے دریافت کیا کہ تورات میں حضور پر نور کے متعلق کوئی آیت موجود ہے؟ کہا کیوں نہیں؟ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے۔

یاٰ ایھاالنبی انا ارسلنک شاھدًا و مبشرًاو نزیرًا و حرز اللا مبین انت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لیس لبفظ ولا غلیظ ۔۔۔۔الخ

اے رسول! ہم نے تجھے شاہد، بشیر،نذیر اور ان پڑھ عربوں کا محافظ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے ۔ تو نہ ترش مزاج ہے اور نہ تند طبع۔۔۔۔۔

تورات کو" الف" سے "یا" تک پڑھ جائیے یہ الفاظ کہیں نہیں ملیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ تورات میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں رہی۔ یہ آیت ملے تو کہاں سے؟

اس کے دو جواب ہیں۔

اول۔ اگر تحریف ہو چکی تھی تو ابن عمروؓ نے وہ آیت کہاں سے دیکھ لی تھی۔ حضرت موسیٰ کا زمانہ اندازاً 1500 سال قبل از مسیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ رسول اللہؐ کے عہد تک پورے دو ہزار سال گزر چکے تھے۔ مبینہ تحریف اس عہد میں ہو چکی ہو گی۔ خود مسیحی[41] مصنفین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہودہ (698 ق م) کے زمانے میں تورات گم ہو گئی تھی اور 75 برس بعد دستیاب ہوئی تھی۔ مسلم محققین اسی عہد کو تحریف تورات کا عہد تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصلی تورات نہیں ملی تھی۔ بلکہ ایک جعلی نسخہ تیار کر لیا گیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ تورات بخت نصر کے حملے میں ضائع ہو گئی تھی۔ یہ حملہ 606 قم میں تاجدار بابل (بخت نصر) نے سلطنت یہود پر کیا تھا۔ ہر یہودی کو قتل کر ڈالا تھا یا قیدی بنا کر ساتھ لے گیا تھا اور تورات کو جلا دیا تھا۔

مبینہ تحریف کا زمانہ 698 قم ہو یا 606 ق مہ وہ بہرحال ولادت حضور صلعم سے صدیوں پہلے ہو چکی تھی ۔ اس زمانے میں تورات کے نسخوں کی تعداد محدود تھی۔ اور تحریف آسانی سے ہو سکتی

تھی۔ لیکن عہد رسولؐ میں ہزار ہا نسخے مختلف ممالک میں موجود تھے اور بعد میں ان کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ اس لئے تحریف آسان نہیں تھی۔ یہ تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اپنے ذاتی نسخے میں رد و بدل کر دیتا لیکن دوسروں کو اس تحریف کا قائل کرنا آسان نہ تھا۔ آخر یہودیوں میں بھی ایسے ہزار ہا اشخاص موجود ہوں گے جنھیں اپنی کتاب سے اسی طرح محبت ہو گی جس طرح ہمیں قرآن سے ہے۔ اگر ہم قرآن میں تحریف کا تصور تک برداشت نہیں کر سکتے تو یہودیوں کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ہر فرد تحریف کے لئے تیار تھا۔

ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق

موسیٰ کی قوم میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو سچائی کا راستہ دکھاتے تھے۔

یہ سچے یہودی تورات کی تحریف کس طرح گوارا کر سکتے تھے ؟ بنابریں اگر تحریف ہوئی تھی تو وہ یقیناً نزول قرآن سے صدیوں پہلے ہو چکی ہو گی۔ ان حالات میں کیا ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ابن عمروؓ نے وہ آیت کہاں سے دیکھ لی تھی

دوم: حضرت مسیح نے اعلان کیا تھا

"جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائیں، ایک نقطہ یا شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا" (انجیل متی باب 5 آیت 17)

اگر تورات محرف ہو چکی تھی تو حضرت مسیح اتنے زور سے یہ اعلان کیوں کرتے؟ صاف صاف کہہ دیتے کہ تورات گم ہو چکی ہے، یا بگڑ چکی ہے، اس کے تمام احکام مسخ ہو چکے ہیں۔ اس لئے میں نئی کتاب لے کر آیا ہوں۔

تورات کی تصدیق کرنا اور دنیا کو ڈنکے کی چوٹ کہنا کہ تورات کا ہر شوشہ اور نقطہ اپنی جگہ قائم ہے اور جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں اس کا ایک حرف تک بدل نہیں سکتا، صاف صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ حضرت مسیح کے عہد تک تورات اپنی اصلی حالت میں باقی تھی۔

تورات کے غیر محرف ہونے پر کچھ تاریخی شواہد بھی موجود ہیں لیکن چونکہ ہمارے علماء الہام کے مقابلے میں تاریخ کو کوئی وقعت نہیں دیتے اس لئے ہم اس موضوع پر قرآن کا فیصلہ درج کرتے ہیں۔

1۔ سورہ بقر کی ابتدائی آیات میں ہمیں تمام سابقہ آسمانی صحائف پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر وہ کتابیں محرف ہو چکیں تھیں اور غلط سلط تھیں تو ان پر ایمان لانے کا مقصد؟

2۔ جس طرح انجیل کے متعلق قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ تورات کی مصدق تھی۔

واتیناہ الانجیل فیہ هدی و نور رمصد قالما بین بدیہ من التوراۃ

ہم نے موسیٰ کو انجیل دی جس میں نور و ہدایت ہے اور جو تورات کی تصدیق کر رہی ہے۔

اسی طرح قرآن نے تورات و انجیل ہر دو کی تصدیق کی ہے۔

مصدقالما بین یدیہ من التوارۃ و الانجیل

قرآن تورات و انجیل ہر دو کی تصدیق کر رہا ہے۔ تصدیق کے معنی ہیں سچا سمجھنا اور درست تسلیم کرنا۔ جب قرآن تورات و انجیل کی صداقت کا اعلان کر رہا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں انہیں جھوٹا سمجھنے والے۔ کیا قرآن ایک محرف اور جھوٹے صحیفے کی صداقت کا اعلان کر سکتا تھا۔ کیا خدا کو علم نہیں تھا کہ تورات میں تصرف ہو چکا ہے۔ اگر علم تھا تو تصدیق کیوں کی؟ کیا کوئی مجسٹریٹ جعلی دستاویز کی دیدہ و دانستہ تصدیق کر سکتا ہے ؟

3۔ آپ کہیں گے کہ اللہ نے اصلی تورات کی تصدیق کی تھی نہ کہ صحیفہ رائج کی ، بہت اچھا ، تو پھر قرآن نے یہ کیوں کہہ دیا؟

قل یا اہل الکتاب لستم علیٰ شئی حتی تقیمو التوراۃ و الانجیل

اے رسول! اہل کتاب سے کہہ دو کہ جب تک وہ تورات و انجیل پر عمل نہیں کریں گے ان کی بگڑی کبھی نہ بن سکے گی۔

اگر یہ کتابیں انسانی دست برد سے ناپاک ہو چکی تھیں تو اہل کتاب کو ان پر عمل کرنے کی دعوت کیوں دی؟ اور سنئے ۔

کیف وعند هم التوراۃ فیها حکم اللہ

اور ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم درج ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ درج تھا۔ بلکہ درج ہے۔ نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ جہاں جارو مجرور کا متعلق مذکور نہ ہو، وہاں موجود یا کائن محذوف فرض کر لیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے آیت کے معنی ہوں گے

"ہے۔  تورات میں اللہ کا حکم موجود ہے"

لیکن آپ کہتے ہیں کہ "موجود تھا"  کس کو صحیح سمجھوں؟ آپ کو یا اللہ کو؟

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور موجود ہے۔ (قرآن)

ایک اور آیت ملاحظہ ہو۔

ولو آمن اھل الکتاب ومآ انزل الیھم من ربھم لا کلوامن فوقھم ۔ ۔ ۔ الخ

اگر یہود و نصاریٰ ان کتابوں پر ایمان لا کر نیک بن جاتے  جو ان پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں تو وہ ہمارے انعامات کے مستحق بن جاتے۔

اس آیت میں اہل کتاب کو تورات و انجیل پر ایمان لا کر نیک بننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اگر یہ کتابیں غلط تھیں تو اللہ نے ان پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ جب تورات و انجیل اصلی حالت میں موجود تھیں تو پھر قرآن اتارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں میں صرف قرآن کا جواب پیش کروں گا۔

وھذکتاب مبارک انزلنہ فاتبعوہ و اتقوا العلکم ترحمون ان تقولو انما انزل الکتاب علی طالفتین من قبلنا و ان کنا عن دراستمم لغافلین

ہم نے یہ مبارک کتاب (قرآن)۔ عطا کی ہے۔ اسے مانو اور گناہوں سے بچوں تاکہ تم ہماری رحمت کے مستحق بن سکو۔ اب تم یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم سے پہلے دو امتوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں نازل ہوئیں تھیں لیکن وہ اجنبی زبان میں تھیں اور ہم انھیں نہیں سمجھ سکتے تھے۔

یعنی نزول قرآن کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ پہلی کتابیں مسخ ہو چکی تھیں بلکہ یہ کہ وہ ایسی زبان میں تھیں جس سے عرب نا آشنا تھے۔ کیا تورات کی صحت پر اس سے بڑی شہادت پیش کی جا سکتی ہے ؟

اور سنیئے !

ليسوا سواء من اهل الكتاب امۃ فائمۃ يتلون ايات اللہ آنا الليل و هم يسجدون يومنون باللہ واليوم الاخر و يامرون بامعروف و ينهون عن المنكر ويسارعون فی الخيرات و اولئک من الصلحين ۔

سارے اہل کتاب برے نہیں۔ ان میں ایسے نیک اور پرہیز گار بھی موجود ہیں جو رات کو اللہ کی آیات (تورات و انجیل) پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیکی کی ترغیب دیتے ،برائی سے روکتے اور نیک اعمال کی طرف بےتابانہ بڑھتے ہیں۔ یہ لوگ صالح ہیں۔

اس آیت میں تورات و انجیل کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے۔ اگر تورات بگڑ چکی ہوتی تو اللہ اس کے احکام کو آیات کیوں کہتا۔ اور اس پر عمل کرنے والوں کو صالحین میں کیوں شمار کرتا۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ صورت حالات ہے تو پھر مسلمان بننے کی ضرورت کہاں باقی رہ جاتی ہے۔ عیسائی رہ کر نیک عمل کئے جاؤ نہ قرآن پہ ایمان لانے کی ضرورت اور نہ رسولؐ پر۔ سارے اسلام سے چھٹی مل گئی۔ یہ سوال اسلام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اسلام کسی زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔ رسول و قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے جو نیک ہو نہ وہ جو کلمہ پڑھ کر سارے جہان کی بد معاشیاں کرتا پھرے ۔ آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے۔ اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی۔ اس لئے خدا و رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پہ عمل کر رہا ہے۔ خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا ۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر۔ چونکہ قرآن کی رو سے

ان هذ الفی الصحف الاولی ولی صحف ابراهيم و موسیٰ

یہ قرآن ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

اس لئے کتاب موسیٰ کا سچا عامل خود بخود قرآن کا عامل بن جاتا ہے۔ مت بھولئے کہ ہر عمل کا ایک صلہ ہے جو کسی طرح ضائع نہیں ہوتا۔ عامل خود مر ہو یا عورت ، عیسائی ہو یا مسلمان۔ یہ صلہ اسے مل کر رہے گا۔

اہل کتاب کے متعلق ارشاد ہے

وما یفعلوامن خیر فلن یکفرو

ہم ان اہل کتاب کے کسی نیک عمل کو ضائع نہیں جانے دیتے۔

ممکن ہے کہ آپ سوچ رہے ہوں کہ وہ جو قرآن میں یہود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تورات میں تحریف کیا کرتے تھے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب میں سمجھائے دیتا ہوں۔ تحریف کے دو معنی ہیں۔ الفاظ کو بدلنا یا من مانی تفسیر کرنا۔ چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تورات اصلی حالت میں موجود تھی اس لئے تحریف کا دوسرا مفہوم لیا جائے گا۔ یہود کا دوسرا جرم یہ بیان ہوا ہے کہ وہ کتاب لکھ اسے اللہ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ کتاب کے معنی ہیں تحریر۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی اغراض  کو پورا کرنے کے لئے کوئی تحریر لکھ کر کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ بھی الہامی ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے لاکھوں احادیث گھڑ کر اپنی اغراض پوری کیں۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس طرح تحریرات کو  جزو تورات بنا دیا کرتے تھے۔

ان تفاصیل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ عہد رسول صلعم میں تورات اصلی حالت میں موجود تھی۔ اور وہی تورات ہم تک پہنچی   ہے۔ اس تورات میں ابن عو کی ذکر کردہ آیت کہیں موجود نہیں۔ اس لئے یہ حدیث ایک تاریخی غلط بیانی ہے اور جعلی ہے۔

چہارم قرآن اور تاریخ ہر دو شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلعم نہ لکھ سکتے تھے اور نہ لکھی ہوئی چیز پڑھ سکتے تھے۔ لیکن بخاری میں ہے کہ وہ لکھ سکتے تھے۔ حدیث یوں چلتی ہے کہ جب حضو ذیقعد میں عمرہ کے لئے مکہ تشریف  لے گئے تو ایل مکہ نے کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ اور اس سلسلہ میں ایک تحریری معاہدہ ہوا جس کا ایک جملہ یہ تھا "وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ تسلیم کرتے ہیں" کفار مکہ نے "رسول اللہ" کے لفظ پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم آپ کو رسول ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے معاہدہ کریں۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو۔ علی نے جواب دیا

قال لا واللہ لا امحوک ابدا فاخذ رسول اللہ صلعم الکتاب فکتب هذا ماقاضی محمد بن عبداللہ ۔۔۔۔ الخ

علی نے جواب دیا ، خدا کی قسم میں آپ کے نام سے رسول کا لفظ کبھی جدا نہیں کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے وہ کاغذ اٹھا لیا

اور اس پر لکھ دیا " یہ وہ فیصلہ ہے جسے محمد بن عبداللہ تسلیم کرتے ہیں" ۔۔۔ الخ

(بخاری جلد 2 ص 75)

بخاری کی ایک اور روایت (ج2 ص 135) بتلاتی ہے کہ حضور نے رسول اللہ کا لفظ کھرچ ڈالا تھا اور کاتب نے "ابن عبداللہ" کے لفظ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اسی حدیث پر باقی محدثین اعتماد کرتے ہیں۔

اور تاریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اس لئے "لکھنے " والی حدیث صحیح نہیں۔

بعض شارحین بخاری نے فکتب کے معنی فامر بکتابہ کئے ہیں اور یہ وہ معنی ہیں جو کسی لغات میں نہیں ملتے۔

## نواں باب

# حضورکی تصویر حدیث میں

قرآن میں حضور کے متعلق ارشاد

انک لعلی خلق العظیم اے رسول تمھارا کردار عظیم الشان ہے۔

کیوں عظیم الشان نہ ہو ہمارا رسول قائم اللیل، صائم الدہر، شب کو زاہد ،دن کو غازی ، تمام عمر کفر کے خلاف معرکہ آرا رہا۔ اس پر قرآن اترا۔ اس نے اللہ کا نام بلند کیا۔ یتیموں کو سنبھالا۔ بیواؤں کو نوازا ، غریبوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ گرے ہوؤں کو اٹھایا۔ گڈریوں کو قیصر کسریٰ کے تخت پہ بٹھایا۔ شرابیوں کو پاکباز ، بیکاروں کو کارساز ، لٹیروں کو پاسبان اور جاہلوں کو نکتہ دان بنا دیا۔ وہ ظلم سہتا مگر اف نہ کرتا۔ گالیاں سنتا اور تُف نہ کہتا۔ نہ دولت کی دھن ، نہ منصب کی خواہش، نہ قیادت کا شوق، نہ آرائش کا ذوق۔ جو مل گیا کھا لیا، جو میسر ہوا پہن لیا ، جہاں جگہ ملی لیٹ گئے۔ گھر کا اثاثہ صرف ایک چارپائی ، ایک چکی اور ایک سرہانہ

جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔ لباس کھدر کا صرف ایک جوڑا۔ بکریوں کا دودھ خود دوہتے۔ جوتوں کی مرمت خود کرتے۔ ہر مریض کی عیادت کو جاتے۔ ہر جنازہ میں شامل ہوتے۔ اندھوں کو راہ پر ڈالتے۔ مزدوروں کا بوجھ اٹھواتے۔ دکھیوں کا سہارا بنتے۔ ناواقف کو پہلے سلام کہتے۔ خوشامد سے نفرت کرتے۔ نمائش کو برا جانتے۔ مجسم نیکی ، مجسم رحمت فخر مسلماں ، نازش آدم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ درست کہا تھا حضور نے

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ (موطا ص 359)

حضور کے یہی وہ بلند پاکیزہ اوصاف تھے جنھوں نے مغرور و خود پسند عربوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر سرورعالم ان اوصاف کے مالک نہ ہوتے ، ان میں ذرہ بھر لالچ ، تھوڑی سی خود

پرستی، اور ان کے عظیم الشان اعمال میں خود غرضی کی ذرا سی بھی آمیزش ہوتی تو آپ کو قطعاً یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ آپ کی خاطر نہ دنیا سر کٹاتی اور نہ زندگی بھر کا اثاثہ آپ کے قدموں پہ لا ڈالتی۔ بلند کردار ایک زبردست قوت ہے۔ اور اسی کے بل پر حضورﷺ نے صرف لاکھوں دلوں کومسخر کر لیا تھا بلکہ ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈال دی تھی جو اقل قلیل مدت میں ملتان سے پیرس تک وسیع ہو گئی تھی۔ سچ ہے۔

فکر چوں عریاں شود زیر سپہر

از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

فقر عریاں گرمی بدر و حنین

فقر عریاں بانگ تکبیر حسین

بہپاں را ذوق پروازے دہد

پشہ را تمکین شہباز ہدہد

برگ و سازاوزقرآن عظیم

مرد درویشے نہ گنجد در گلیم!

(اقبالؒ)

اس میں کلام نہیں کہ حضورﷺ کے ان اوصاف جمیلہ کا شہرہ صرف احادیث کی بدولت ہوا۔ اور ہم احادیث کے اس گراں بہا ذخیرہ پہ ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔ لیکن بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو کائنات کے اس محسن اعظم کا کردار معیوب شکل میں پیش کرتی ہیں۔ اتنا معیوب کہ ہم شرم سے کسی کو بتا بھی نہ سکیں۔ درست کہا تھا مولانا عبیداللہ سندھی نے کہ میں کسی نو مسلم یورپین کو صحیح بخاری نہیں پڑھا سکتا اور اس کی وجہ میں مجلس عام میں نہیں بتا سکتا۔

(الفرقان شاہ ولی اللہ

نمبر 285)

وہ وجہ کیا تھی؟ آئیے ہم آج اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روزہ کی نہایت عمدہ تشریح درج ہے۔

الصیام جنہ فلایرفث ولا یجهل و ان امراء قاتلہ او شاتمہ فلیقل انی صائم مرتین و الذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب

عنداللہ من ریح المسک وانہ یترک طعامہ و شرابہ و شہواتہ من اجلی۔

روزہ گناہ کے خلاف ایک ڈھال ہے۔ روزہ دار کو چاہیے کہ وہ نہ تو منہ سے کوئی بری بات نکالے اور نہ کسی سے الجھے۔ اگر کوئی شخص گالیاں دے یا لڑ پڑے تو اسے دو مرتبہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں (اس لئے تمھیں جواب نہیں دے سکتا) خدا کی قسم اللہ کو روزہ دار کے منہ کی خوشبو مشک سے زیادہ پسند ہے۔ اس لئے کہ وہ کھانا پینا اور شہوات اللہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری کتاب الصوم)

ایک اور حدیث دیکھئے۔

من لم یدع قول الزور و العمل بہ لیس للہ حاجہ فی ان یدع طعامہ و شرابہ

جو شخص روزہ کی حالت میں جھوٹ اور فریب کاری سے باز نہیں رہ سکتا اسے کہہ دو کہ اللہ کو اس کی بھوک اور پیاس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ (بخاری کتاب الصوم)

ان احادیث سے روزہ کا فلسفہ واضح ہو گیا۔ یعنی پورے تیس دن تک ہر قسم کی بدزبانی ، بدکاری اور شہوات سے دور رہ کر اپنے اخلاق اور روحانیت کو بلند کرنا اور اپنے آپ کو جفا کش بنانا۔ اس لئے کہ ہر مسلمان کو ہر آب و ہوا اور ہر قسم کے حالات میں کفر کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ اگر ایام امن میں اسے جفاکش نہ بنایا گیا تو وہ جنگ کی سختیاں نہیں جھیل سکے گا۔

آئیے ذرا دیکھیں کہ حضور پر نور کے متعلق صحیح بخاری میں کیا لکھا ہے۔

عن عائشہ قالت کان النبی صلعم یقبل و یباشی و ھو صائم

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلعم روزہ رکھ کر اپنی ازواجؓ کے بوسے لیتے اور ان سے مباشرت فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری ص 226)

مباشرت کے معنی ہیں مجامعت اور بوس و کنار وغیرہ۔ لیکن اس حدیث میں مباشرت سے مراد کیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی زبانی سنئیے۔ آپ صحیح مسلم کی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فتح الملہم (جلد 1 ص 456) میں فرماتے ہیں۔

المباشرۃ فوق السرۃ و تحت الرقبۃ بالذکر و القبلۃ اوالمعانقۃ او اللمس وغیر ذالک حلال باتفاق المسلمین

روزہ رکھ کر عورت کے ساتھ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے مباشرت کرنا یعنی اسے چھونا ، چومنا، گلے لگانا اور آلہ تناسل کا استعمال کرنا مسلمانوں کے ہاں باتفاق آرا حلال و جائز ہے۔

یہ حدیث کئی طرح سے محل نظر ہے۔

اول: روزہ کا مقصد شہوت کو ترک کرنا ہے۔ نہ کہ بوس و کنار اور گھٹنوں سے نیچے آلہ تناسل کا استعمال۔

دوم: یہ حدیث اوپر والی دو حدیثوں سے متصادم ہوتی ہے۔

سوم: گناہ اور محرکات گناہ ہر دو سے بچنا ضروری ہے۔ ایک بد معاش کی مجلس اسی لئے بری ہے کہ وہ محرک گناہ ہے۔ کسی رنڈی کے ہاں گانا سننا اسی لئے معیوب ہے کہ وہ محرک زنا ہے۔ کیا رمضان میں بوس و کنار جماع کا شدید محرک نہیں؟آپ اپنے آپ کو دیکھئے ، کسی سے پوچھئیے اور انصافاً کہئیے کہ کتنے شوہر بیوی کو چومنے چاٹنے اور گلے لگانے کے بعد جماع سے بچ سکتے ہیں؟ روزہ میں بوس کنار کی ترغیب دینا اور پھر اس کے نتائج پر قابل عقوبت ٹھہرانا تقاضائے انصاف نہیں۔

یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے احادیث سے بد ظن کیا۔ اور اس کتاب کی محرک بنی۔ میں نے اس حدیث پر ہر قسم کے آدمیوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ مثلاً ہمارے علماء، مُلا، پروفیسر، معلم، انگریزی تعلیم یافتہ اور عوام۔ صحیح المذاق علماء نے کہا ادب کا تقاضا تو یہی ہے کہ خاموش رہئیے۔ پروفیسر معلم اور انگریزی تعلیم یافتہ کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور عوام غضب سے کھولنے لگے کہ سرور کائنات کی ذات پر یہ حملہ ؟ لیکن مُلا ہر مقام پر یہی کہتا نظر آیا کہ حدیث درست ہے اور حضورؐ یہ کام کیا کرتے تھے۔ اگر مجھ پر اعتبار نہ ہو تو خود یہ حدیث سنا کر دیکھ لیجئے۔

<u>سوال</u> ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ حضورؐ کو اپنے آپ پر زبردست ضبط حاصل تھا۔ ان کی مباشرت محرک جماع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ان کا یہ عمل قابل اعتراض نہیں۔

<u>جواب</u> رسول اللہ صلعم کا پر عمل امت کے لئے واجب التقلید ہے ۔ مانا کہ رسول اللہ صلعم ضبط کی نعمت سے بہرہ ور تھے۔ لیکن امت

میں کتنے ایسے لوگ موجود ہیں جو معانقہ وغیرہ کے بعد جماع سے رک
سکیں گے۔ یہی وجہ ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس حرکت سو
روکا کرتے تھے۔

عن نافع ان عبداللہ بن عمرو کان ینھی عن القبلۃ

نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو روزے کی حالت میں مباشرت
اور بوس و کنار سے روکتے تھے۔

(موطا ص89)

حضرت عروہؓ بن زبیر کا قول ہے کہ

لماری القبلۃ للصائم تدعواالی الخیر

میری رائے یہ ہے کہ روزے میں بوسے بازی کبھی اچھا نتیجہ پیدا نہیں
کر سکتی۔ (موطا ص 89)

امام مالک [42] کے تمام پیرو اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ابن المنذر نے اس
کی حرمت پر کئی علماء کی آراء جمع کیں ہیں۔ امام محمد اسے
مکروہ مطلق سمجھتے ہیں۔

حضرت عائشہ بھی روزے میں مباشرت سے روکا کرتی تھیں۔

قال الاسود قلت لعائشۃ ایباشر الصائم قالت لا

اود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ روزے دار کو
مباشرت کی اجازت ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں ۔

(نسائی باب الصیام)

حذیفہ تو اس معاملے میں یہاں تک محتاط ہیں کہ روزے میں بیوی کا
تصور تک بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ فرماتے ہیں

من تامل امراتہ و ھو صائم بطل صومہ

روزہ رکھ کر جو شخص بیوی کا تصور بھی باندھے ، اس کا روزہ ٹوٹ
جاتا ہے۔ (فتح الملہم ص 127)

دیکھا آپ نے کہ ہمارے صحیح الفکر علماء اس مباشرت کے کس قدر
مخالف تھے۔ لیکن دوسری طرف ہمارے بعض محدثین اس لذیذ فعل کے
اس قدر شائق تھے کہ ایک سے بڑھ کر ایک حدیث لکھتے چلے گئے۔ امام
بخاری اور مسلم نے تو صرف بوس و کنار اور گھٹنوں سے نیچے

استعمال آلہ تناسل کی اجازت دی تھی۔ ابو داؤد ایک قدم اور آگے گئے۔ کہتے ہیں۔

عن عائشہ ان النبی کان یقبلھا و یمص لسانھا و ھو صائم

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ روزہ رکھ کر مجھے چومتے اور اور میری زبان چوستے تھے۔

کیا ابو داؤد کو فقہ کا یہ معمولی سا مسئلہ بھی معلوم نہ تھا کہ کھانے پینے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے؟ کیا زبان چوسنے سے دوسرے کا تھوک اپنے تھوک میں مل کر پیٹ میں نہیں چلا جاتا؟ اور کیا اس صورت میں روزہ باطل نہیں ہو جاتا؟

ایک اور سنیئے ۔

ان عائشہ بنت طلحہ کانت عند عائشہ رضی اللہ عنھا فدخل علیھا زوجھا و ھو عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق و ھو صائم فقالت لہ عائشہ ما یمنعک ان قد لو من اھلک فتقبلھا و تلا عبھا فقال اقبلھا و انا صائم قالت نعم

عائشہ بنت طلحہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ اوپر سے اس کا شوہر عبداللہ ، حضرت ابو بکر کا پوتا آ گیا۔ اس نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ فرمانے لگیں تمھیں اپنی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے اور اسے چومنے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ پوچھا کیا میں روزہ کی حالت میں ایسا کر سکتا ہوں؟ کہا ! ہاں۔ (موطا ۔ مالک ص 89)

ایک طرف تو عائشہؓ اسود کو روک رہی تھیں اور دوسری طرف عبداللہ کو کسی استفسار کے بغیر بوس و کنار کی ترغیب دے رہی ہیں۔

میری ناقص رائے میں یہ دونوں احادیث ناقابل اعتماد ہیں۔

اول: اس لئے کہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہیں۔ اذا تعارضاتساتظا ۔ جب دو قول ایک دوسرے ٹکرا جائیں تو دونوں درجہ بہ درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

دوم: اس لئے کہ حیا عورت کی فطرت ہے۔ ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ حضرت عائشہ غیر مردوں کو اپنے گھر میں اور وہ بھی روزہ کی حالت میں بوس و کنار کی ترغیب دیتی تھیں۔ کیا اس کام کے لئے

رات کافی نہ تھی؟ کیا روزے میں بوس کنار اتنا ضروری فعل تھا کہ اگر رہ جاتا تو پوری پہ تباہی آ جاتی؟ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ احکام اسلام کی تبلیغ ازواج مطہرات کا بھی کام تھا۔ لیکن یہ مباشرت کہاں کا حکم تھا؟ اور ساری قوم میں حضرت عائشہؓ کو کیا پڑی تھی کہ مباشرت کی تلقین کرتی پھریں۔ آخر حضور علیہ السلام کے حرم میں دس اور ازواج بھی تھیں۔ ہر صحابی کے گھر میں ایک ایک بیوی تھی۔ خود صحابہ کے منہ میں بھی زبان تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ مباشرت کی اکثر احادیث حضرت عائشہ سے منقول ہوئیں۔ مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ دشمنان اسلام نے حضرت عائشہ اور حضور علیہ السلام کے وقار کو کم کرنے کے لئے یہ احادیث وضع کیں اور ہمارے محدثین نے انہیں صحیح سمجھ کر اپنے مجموعے میں شامل کر لیا۔

<u>مباشرت در حیض</u> قرآن شریف میں مذکور ہے کہ

یسئلونک عن المحیض قل ھواذی فاعتزلو النساء فی المحیض ۔ ۔ ۔ ۔ من حیث امرکم اللہ

لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ حیض ایک قسم کی غلاظت ہے۔ اس لئے دوران حیض میں بیویوں سے دور رہیے۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب مت جائیے اور پاک ہونے کے بعد ان سے مباشرت کیجئے۔

اس آیت میں دو حکم دئیے گئے ہیں اول حیض کی حالت میں عورتوں سے دور رہیے۔ دوم ان کے قریب تک مت جائیے۔ ذرا دیکھیں کہ حدیث نے اس "قریب و دور" کی کیا تشریح کی ہے۔

عن عائشہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کان یامرنی فاتزر فیبا شرنی و انا حائض

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حیض کی حالت میں رسول اللہ صلعم مجھے تہ پوش پہننے کا حکم دیتے اور اس کے بعد مجھ سے مباشرت کرتے۔ (بخاری کتاب الحیض جلد 1 ص 44)

اس سے اگلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

"عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور حیض کی حالت میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو پہلے ایک تہ پوش پہنا دیتے اور پھر مباشرت کرتے"

یہ ہے "قریب و دور" کی تشریح حدیث میں۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہاں مباشرت سے مراد صرف بوس کنار وغیرہ ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضور صلعم ضبط نفس کی نعمت سے بدرجہ

کمال بہرہ ور تھے لیکن یہ باتیں حضور صلعم کی شان میں بہت بعید معلوم ہوتی ہیں۔علاوہ ازیں محرکات گناہ سے بچنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا گناہ سے۔ اور اسی لئے قرآن نے بار بار کہا ہے۔ "حدود الٰہی کے قریب مت جاؤ" فواحش کے قریب مت جاؤ" مشہور حدیث ہے۔

من حام حول الحمیٰ و قع فیہ

چراگاہ کے ارد گرد گھومنے والا جانور عموماً چراگاہ میں گھس جاتا ہے۔

یعنی جو شخص ممنوعات کے قریب قریب رہتا ہے۔ وہ ان کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے گناہوں کے قریب جانے تک سے روک دیا۔

ایک اور حدیث ہے۔

الحلال بین و الحرام بین و بینھما مشتبھات لا یعلم ما کثیر من الناس فمن اتقیٰ المشبھات استبراء لدینہ ومرضہ

حلال و حرام کے سمجھنے میں کوئی دقت  پیش نہیں آتی۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایسے پریشان کن مقام آ جاتے ہیں جن کی حقیقت سے عام نا آشنا ہوتے ہیں۔ تو جو شخص ایسے مقامات سے بچے وہ اپنے دین اور عزت کو بچا لیتا ہے۔

(بخاری جلد 1 ص 13)

گو حضور صلعم اس معاملے میں سخت محتاط واقع ہوئے تھے۔

واللہ انی لا تقالم للہ واعلمکم بحدودہ

خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس کی حدود کو پہچانتا ہوں (موطا ص 84)

لیکن اس حدیث پر عمل کرنے والا ایک عام آدمی گناہ مجامعت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ہمارے علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث دراصل یہود کی تردید تھی ۔ جو دوران حیض عورت کو نجس سمجھ کر اس سے چھو جانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ مان لیا۔ اس تردید کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا کہ عورت حیض میں ناپاک نہیں ہوتی۔ آپ اس کا پکایا ہوا کھا سکتے ہیں اس کے ہاتھ سے پانی لے کر پی سکتے ہیں وہ ہر چیز کو چھو سکتی

ہے وغیرہ وغیرہ کیا مباشرت کئے بغیر یہودی عقیدہ کی تردید نہیں ہو سکتی تھی۔

امام مالکؒ نے بھی یہ احادیث نقل کی ہیں لیکن حضو کی طرف سے مباشرت منسوب نہیں کی، صرف بوسے کا ذکر کیا ہے۔ بدیگر الفاظ امام مالک بھی یہ سمجھتے تھے کہ مباشرت (جس کا مفہوم وسیع تر ہے) کی نسبت حضور والا صفات کی طرف مرادف تنقیص ہے ۔

اور سنیئے۔

"ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ کا بھائی حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلعم کس طرح غسل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوایا۔ جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی ڈالا۔ درمیان میں ایک پردہ تھا۔ (بخاری جلد 1 ص 39)

سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں اس پردہ میں سے حضرت عائشہ کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو غسل رسول کی نمائش کرنے کا مقصد کیا تھا؟ اور اگر اثبات میں ہے تو پھر

وائے گر درپس امروز بود فردائے

کیا کوئی مسلمان یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی ایک پردہ تان کر سارے محلے کو "شرعی غسل" کا طریقہ بتائے؟ کیا رسول اللہ صلعم کی اپنی آنکھیں اس منظر کو برداشت کر سکتی تھیں؟ اور کیا یہ اتنا مشکل مسئلہ تھا کہ عملی نمونہ پیش کئے بغیر سمجھایا نہیں جا سکتا تھا؟

ذرا اس حدیث کے الفاظ سنیئے ۔

عن ابی هریرہ ان النبی صلعم اذا حبلس بین شعبها الاربع ثم جهد ها فقد و جب علیہ الغسل وان لم ینزل

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلعم نے فرمایا جب کوئی مرد عورت کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ کر زور لگانا شروع کر دے تو اس کے لئے نہانا ضروری ہو جاتا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

اس بحث کو جانے دیجئے کہ کئی احادیث کی رو سے غسل فرض نہیں۔ (تفصیل گذر چکی ہے) حدیث کی زبان دیکھئے کہ ماشاء اللہ کتنی پاکیزہ اور شستہ ہے۔

ان اقوال کو ان افصح العرب و العجم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرات اس خاکسار میں تو نہیں کوئی اور کرتا ہے تو کرتا پھرے وعلیھا ما اکتسبت وہ اپنے اعمال کا خود جواب دے گا۔

<u>حضرت صفیہ کا نکاح</u> حضرت صفیہؓ جنگ خیبر کے اسیروں میں شامل تھیں۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ خود چن لو۔ اس نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا۔ بعد میں کسی نے کہا کہ یہ ایک رئیس کی بیٹی ہے۔ اسے لونڈی بنا کر اس سے خدمت لینا ظلم ہے۔ اس لئے حضور اسے حرم نبوی میں داخل کر لیں۔ حضور نے یہ تجویز مان لی اور اسے آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ بات سیدھی سادی تھی اور تمام احادیث میں یہ واقعہ اسی طرح بیان ہوا ہے۔ لیکن بخاری کی ایک روایت میں اس واقعہ کو یوں مسخ کیا گیا ہے کہ یہ تمام داستان عجو بن کر رہ گئی ہے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ

"۔۔۔ ثم قد منا خیبر فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیہ بنت حی بن اخطب وقد قتل زوجھا وکانت عروساً فا صطفا ھا رسول اللہ لنفسہ ۔۔۔ الخ

ہے کہ پھر ہم خیبر میں آئے جب اللہ کے فضل و کرم سے حضور نے قلعہ خیبر کو فتح کر لیا تو کسی نے صفیہ بنت حی کے جمال کا ذکر کیا۔ نیز کہا کہ اس کا خاوند مر چکا ہے اور وہ ابھی دلہن ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلعم نے اسے اپنے لئے پسند کر لیا۔۔۔ الخ

یعنی رسول اللہ صلعم نے کسی اور خیال سے نہیں بلکہ صفیہ کے حسن کی وجہ سے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔

<u>سیرت رسول کا ایک اور منظر</u> احادیث اور کتب سیرت میں مذکور ہے کہ حضور کی کل گیارہ ازواج تھیں۔ جن میں سے دو یعنی خدیجۃ الکبریٰ[43] اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ[44] فوت ہو چکی تھیں اور نو باقی تھیں۔ جو علیحدہ علیحدہ مکانات میں رہتی تھیں۔ حضور ہر گھر باری باری جاتے یعنی ایک رات حضرت عائشہ کے ہاں گزارتے دوسری حضرت صفیہ کے ہاں، تیسری حضرت میمونہ کے ہاں۔ وقس علیٰ ھذا۔ اگر کسی وجہ سے حضور اپنے اس دستور العمل میں کوئی رد و بدل کرنے پر مجبور ہو جاتے تو جس کی باری ہوتی اس سے اجازت حاصل کر لیتے۔

اس تمہید کے بعد قول سنیئے۔

عن قتاد□ عن انس بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علی□ وسلم یدور علی نسائ□ فی الساع□الواحد□ من اللیل و النہار و ھن احدی عشر□ قال قلت لانس اوکان یطیق□ قال کنا فتحدث ان□ اعطی قو□ ثلاثین رجالاً

قتاد□ ک□ت□ □یں ک□ مجھ□ انس بن مالک ن□ بتایا ک□ رسول □ دن و یا رات ایک □ی وقت میں اپنی گیار□ بیویوں پر گھوم جایا کرت□ تھ□□ یعنی ان س□ مجامعت فرمایا کرت□ تھ□□ میں ن□ پوچھا ک□ کیا رسول اللہ صلعم میں اتنی طاقت تھی؟ ک□ا □م عموماً ی□ باتیں کیا کرت□ تھ□ ک□ آپ میں تیس مردوں کی طاقت تھی□ (بخاری)

ملاحظ□ کیا آپ ن□ حضور□ کی ی□ دلچسپ تصویر اس کی مزید تشریح مشکوٰ□ (جلد 1 ص 49) کی اس حدیث میں □□ ک□ حضور صلعم تمام بیویوں س□ ایک □ی غسل میں جماع فرمایا کرت□ تھ□□

ی□ جدول ملاحظ□ □و□

<table>
<tr><th>زوج□ مط□ر□ کا نام</th><th>پ□ل□ شو□ر کا نام</th><th>پ□ل□ شو□ر س□ اولاد</th><th>حرم نبوی میں کب آئیں</th><th>تاریخ وفات</th><th>رسول اللہ س□ اولاد</th></tr>
<tr><td rowspan="9">خدیج□ الکبریٰ</td><td rowspan="4">ابو □ال□ بن زرا□</td><td rowspan="4">□ال□<br>و<br>□ند</td><td rowspan="9">بعثت س□ پندر□ سال پ□ل□ یعنی 595ء میں</td><td rowspan="9">11 رمضان سن 10 نبوی (620ء)</td><td>فاطم□</td></tr>
<tr><td>زینب</td></tr>
<tr><td>رقی□</td></tr>
<tr><td>ام کلثوم</td></tr>
<tr><td>اور</td><td></td><td>قاسم</td></tr>
<tr><td rowspan="4">عتیق بن عائد مخزومی</td><td rowspan="4">□ند</td><td>طیب</td></tr>
<tr><td>عبداللہ</td></tr>
<tr><td>طا□ر</td></tr>
<tr><td>بچوں ک□ متعلق اختلاف □□□</td></tr>
<tr><td>سود□</td><td>سکران</td><td>عبدالرحم</td><td>سن 10</td><td>22 □جری</td><td>ندارد</td></tr>
</table>

| بنت زمعہ | بن عمرو | ن | نبوی | | |
|---|---|---|---|---|---|
| عائشہ بنت ابی بکر | ---- | ---- | سن 10 نبوی | 57 ہجری | ندارد |
| حفصہ بنت عمر | قیس بن حذافہ | نا معلوم | 2 ہجری | 45 ہجری | ندارد |
| زینب بنت خویمہ | عبداللہ بن جحش | ---- | 3 ہجری | 3 ہجری | ندارد |
| ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل | ---- | وفات شوہر کے وقت حاملہ تھیں | 4 ہجری | 61 ہجری | ندارد |
| زینب بنت حجش | زید بن حارثہ | علی دامامہ | 5 ہجری | 22 ہجری | ندارد |
| جویریہ بنت حارث بن فرارہ | منافع بن صفوان | ---- | 5 ہجری | 50 ہجری | ندارد |
| ام حبیبہ بنت ابی سفیان | عبید اللہ بنت حجش | عبداللہ اور حبیبہ | 6 ہجری | 44 ہجری | ندارد |
| میمونہ بنت حارث | مسعود بن عمرو | ---- | 7 ہجری | 51 ہجری | ندارد |
| صفیہ بنت حی بن اخطب | سلام بن مشکم | ---- | 7 ہجری | 50 ہجری | ندارد |

(سیرت نبوی شبلی، سیر الصحابیات)

اس جدول سے تین باتیں واضح ہیں۔ اول کہ 7 ہجری سے پہلے حضورؐ کے ہاں صرف سات ازواج زندہ تھیں۔ ساترجری میں دو

اور کا اضافہ ہوا۔ کل نو۔ زینب بنت خزیمہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہی تھیں۔ اور سات ہجری میں حضور کی عمر 59 برس تھی۔ دوم خدیجہ الکبریٰ کے سوا اور کسی بیوی سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سوم کے حضرت عائشہ کے سوا باقی نو بیوائیں تھیں اور ایک مطلقہ۔ اور بعض کی پہلے شوہروں سے اولاد بھی تھی۔

قرآن کہتا ہے۔

انما انا بشر مثلکم (کہ رسول اللہ تم جیسے بشر ہیں)

اور یہ بھی درست ہے ہم جیسا قد۔ ہماری طرح ایک دل ایک جگر۔ دو پھیپھڑے۔ نظام جسم ہم جیسا۔ کھانا پینا ہم جیسا۔ رگوں پٹھوں اور شریانوں کی تعداد برابر۔ ہم جیسی فطرت۔ ہم جیسے تقاضے۔ یعنی سرتاپا ہو بہو ہم جیسے انسان۔ صرف فرق یہ کہ بندے بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی !

لیکن حدیث کہتی ہے۔ ان میں تیس مردوں کی طاقت تھی ۔ بہت اچھا ۔ ہم مان لیتے ہیں۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ حضرت خدیجہ کے بغیر باقی کسی بیوی سے کیوں اولاد نہیں ہوئی؟ جوان بیویاں۔ حضور میں تیس مردوں کی طاقت اور کوئی اولاد نہ ہو۔ بات کیا تھی ؟ کیا سب ازواج بانجھ تھیں؟ اگر تھیں تو ام حبیبہ ، حضرت زینب، حضرت سودہ اور ام سلمہ کے ہاں پہلے شوہروں سے کیسے اولاد ہو گئی تھی ؟ اگر آپ یہ کہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے حضور تولید کے قابل نہیں رہے تھے تو آپ کے محدثین نے ماریہ[45] قبطیہ (لونڈی) کے بطن سے ابراہیم کو کیسے پیدا کر دیا تھا۔

لونڈی کے پیٹ سے تو رسولؐ کی اولاد ہو اور نو بیویوں میں سے کوئی حاملہ تک نہ ہو۔ تعجب ! حیرت!!

میرا خیال یہ ہے کہ حضور ؐ نے مدینے میں آ کر ازواج مطرات کو بطور شوہر استعمال ہی نہیں فرمایا تھا۔ اور اس پر کئی قرائن ملتے ہیں۔

اول: آپ کافی سن رسیدہ ہو گئے تھے۔

دوم: کسی بیوی کا حاملہ تک نہ ہونا اس پہ شاہد ہے۔

سوم: تجربہ بتلاتا ہے کہ مصروفیات بڑھ جائیں تو انسان ازدواجی زندگی کے فرائض سرانجام دینے کے لئے نہ وقت نکال سکتا ہے اور نہ اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کمال اتاترک اور نپولین جب بہت

مصروف ہو گئے تو ایک ایک بیوی کو بھی مطمئن نہ کر سکے اور وہ چلتی بنیں۔

ہٹلر اس قدر مصروف تھا کہ وہ شادی کے معاملے پر سوچنے کی فرصت تک نہ نکال سکا۔ اور ہمارے آقا تو اس قدر مصروف تھے کہ اللہ کی پناہ ۔

سن 1 ہجری میں مسجد کی تعمیر اور قبائل سے معاہدے۔

سن 2 ہجری میں جنگ بدر سریہ عطفان اور سریہ ابوسلمہ۔

سن 3 ہجری میں مفتوحہ علاقہ کا انتظام ، فوجوں کی اسلحہ بندی ، راشن وغیرہ کے انتظامات۔ مجروحین و مقتولین کے متعلق تدابیر اور جنگ احد۔

سن 4 ہجری میں جنگ ابی سلمہ ، جنگ ابن انیس، حادثہ بیر معونہ۔ غزوہ بنی قینقاع اور غزوہ بنی نضیر۔

سن5 ہجری میں غزوہ بنی مصطلق ، غزوہ خندق ، جنگ دومتہ الجندل، جنگ ذات الرقاع، بنو قریظہ کی عہد شکنی، منافقین کی بڑھتی ہوئی شرارتیں۔

سن 6 ہجری میں واقعہ حدیبیہ۔ والی غسان کی لڑائی کے لئے تیاریاں والیان ملک کو دعوت اسلام۔

سن 7 ہجری میں جنگ خیبر۔ سریہ بشیر بن سعد۔

سن 8 ہجری میں جنگ موتیٰ، جنگ حنین ، جنگ اوطاس، جنگ طائف، سریہ عمرو بن عاص۔

سن 9 - 10 ہجری میں جنگ تبوک، سلطنت کی حد بندی، عمال کا تقرر، لوگوں کی اصلاح ، منصب قضا کا اجرا، تقسیم بیت المال کے قوانین نظم و نسق کے لئے تدابیر

سن 11 ہجری میں آفتاب رسالت کا غروب۔

(سیرت نبوی ۔ شبلی)

اگر آپ کو صرف ایک چھوٹی سے لڑائی لڑنا پڑ جائے تو آپ کو اندازہ ہو جائے کہ کسی جنگ کی تیاری کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ موزوں سپاہیوں کا انتخاب۔ رہائش کا بندو بست۔ راشن کا انتظام۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے وسائل۔ صف بندی اور مورچہ آرائی کے لئے موزوں مقام کا انتخاب۔ مقتولین کی تدفین۔ کوئی ایک جھمیلا ہے؟ یہ

مت بھولئے کہ یہ سب کچھ حضورﷺ کو کرنا پڑتا تھا اور ایک ایک سال
میں پانچ پانچ چھ چھ مرتبہ۔ اس کے علاوہ حضور کو مقدمات بھی
چکانے ہوتے تھے۔ وہ تقریباً رات بھر عبادت بھی کرتے تھے۔ دن کو اندازاً
ساڑھے دس بجے تک صلوۃ و تلاوت میں محو رہتے تھے۔ اور بعد ازاں
زوال پھر مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔ ساری قوم کا غم، سارے
عرب کی فکر، دشمنوں کی فتنہ انگیزی سے پریشانی، دن بھر روزہ۔
تقریباً رات بھر عبادت، خدا کے لئے بتاؤ کہ انہیں گیارہ گیارہ بیویوں کے
ساتھ مباشرت کی فرصت کیسے مل سکتی تھی؟ اور ان بے اندازہ
مصروفیات، لاتعداد تفکرات اور بے شمار پریشانیوں میں انہیں
مباشرت کی سوجھ ہی کیسے ہو سکتی تھی؟ آپ نے یہ نکاح اس لئے
نہیں کئے تھے کہ ان میں تیس مردوں کی طاقت موجود تھی، بلکہ اس
کی وجوہات کچھ اور تھیں۔ کہیں اس لئے نکاح کیا کہ لڑکی قبیلہ کے
سردار کی بیٹی تھی۔

اور سردارِ کی معاونت پیشرفت اسلام کے لئے بے حد مفید تھی، کہیں
اس لئے کہ ان کے شوہر اللہ کی راہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اور ان کا
کوئی پرسان حال نہ رہا تھا۔ اور کہیں اس لئے کہ بعض عورتیں حضور
کا قرب بڑا اعزازِ سمجھتی تھیں۔ حضور دنیا کی تمام لذتوں کو خیر باد
کہہ چکے تھے اور آپ کے ساتھ رشتہ بھی ایسی خواتین نے آ جوڑا جو
تمام خواہشات کو ترک کر کے اصلاح و تبلیغ کو مقصد حیات بنا چکی
تھیں۔

اس لئے میری رائے میں یہ مجامعت و مباشرت کے قصے تمام من
گھڑت ہیں۔ چلتے چلتے ذرا اس حدیث پر بھی نظر ڈالتے جائیے۔ حضرت
عائشہ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح رسول اللہ صلعم سے چھ برس کی
عمر میں ہوا تھا۔

وبنیٰ د و افابنت تسع سنین (مسلم جلد 3 ص 472)

اور آپ نے مجھ سے نو برس کی عمر میں مجامعت کی۔

یہ مت بھولئے کہ حضور اس وقت 54 کے تھے اور یہ بھی مت بھولئے کہ
مسلم کی ایک حدیث کے مطابق (جلد 3 ص 472) حضور کے ہاں آنے
سے پہلے حضرت عائشہ تپ محرقہ میں مہینہ بھر مبتلا رہ چکی تھیں
اور آپ کے تمام بال جھڑ چکے تھے۔ نو سال کی بچی کبھی دیکھی ہے؟
اتنی نابالغ بچی ہو، مہینہ بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر کانٹا ہو
چکی ہو۔ کیا ایسی بچی مجامعت کی تاب لا سکتی ہے؟ اور مجامعت

بھی ایک ایسے مرد کے ساتھ جس میں بقول بخاری تیس مردوں کی طاقت تھی۔

ذرا یہ حدیث بھی دیکھئے۔ کسی لڑائی کا ذکر ہے۔

"سبرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے متعہ (متعہ کی تفسیر وہ واقعہ ہے ، جو اسی حدیث میں بیان ہو رہا ہے) کی اجازت طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ چنانچہ میں اور میرا ایک ساتھی بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے جو ایک خوبصورت ناقہ کی طرح حسین تھی۔ ہم نے اپنی "خدمات" پیش کیں۔ اس نے پوچھا کہ "کیا دو گے"؟

میں نے کہا "یہ چادر"۔ پھر میرے ساتھی سے یہی سوال کیا۔ اس کے پاس بھی صرف چادر ہی تھی۔ اس کی چادر خوبصورت تھی اور میں خود خوبصورت۔ چنانچہ اس نے مجھے پسند کیا ۔ اور میں اس عورت کے پاس تین راتیں ٹھہرا"

(مسلم جلد 3 ص 443)

تو پھر کیا حکم ہے ان خوانین کے متعلق جو پشاور سے چل کر ٹبی بازار[46] میں کچھ ایسے ہی مقاصد کے لئے جاتے ہیں اور کئی کئی راتیں وہیں گزارتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے۔

ان رسول اللہ نهى يوم الفتح عن متعہ النساء

کہ رسول اللہ نے فتح خیبر کے دن متعہ سے روک دیا تھا۔

لیکن(مسلم جلد 3) صفحہ 441 پر یہ روایت موجود ہے۔

"حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلعم اور حضرت صدیق کے زمانے میں مٹھی بھر آٹا یا کھجوریں دے کر عورتوں کو استعمال کیا کرتے تھے اور اس حرکت سے ہمیں عمرو بن حُریث کے واقعہ کے بعد حضرت عمؓ روکا تھا"

یہ احادیث نہ صحابہ کی سیرت کے مطابق ہیں اور نہ حضورؐ کے عظیم الشان کردار کے موافق۔ صحابہ کے متعلق قرآن کہتا ہے۔

تراهم رکعا سجدا يبتغون فضلا من اللہ ورضوانا و مثلهم فی الانجیل۔

تم ان صحابہ کو دیکھو کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے رکوع و سجود میں پڑے الطاف الٰہی کے لئے دعائیں مانگ رہیں ہیں۔ سجدوں کی

وجہ سے ان کی پیشانیوں سے نور نکل رہا ہے اور ان کا (مجملاً) ذکر تورات و انجیل میں بھی موجود ہے۔

اور حضورؐ کی پوری تصویر اس حدیث میں کھینچ دی گئی

کان رسول اللہ صلعم اشد حیاء من العذرا فی خد رھا

کہ رسول اللہ صلعم ایک پردہ نشین کنواری حسینہ سے بھی زیادہ حیا دار تھے (بخاری جلد 2 ص 177)

رسول اللہؐ کا اپنا ارشاد بھی تھا۔

لکل دین خلق ء و خلق الاسلام حیاء

ہر تہذیب کا ایک خاص کردار ہوا کرتا ہے اور اسلام کا امتیازی کردار حیا ہے (موطا)

حضورؐ اور ان کے صحابہ کی یہی تصویر تھی نہ وہ جو اوراق گذشتہ میں پیش کی گئی۔ وصلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔

## دسواں باب

# حدیث میں نماز کی صورت

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر حدیث کو مشتبہ اور ظنی قرار دے دیں تو نماز کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم حدیث سے نماز سیکھنے لگیں تو شاید نماز کی کوئی صورت قائم ہی نہ ہو سکے۔ اور ہر محلے کی نماز دوسرے سے مختلف ہو جائے۔ تمام عالم اسلام میں نماز کی جو متفقہ (تقریباً) ہئیت اس لئے باقی نہیں کہ حدیث معلم نماز ہے۔ بلکہ اس لئے کہ حدیث سے بچے رہے اور آباء و اجداد کی نقل اتارتے آئے۔ آئیے اس اجمال کی تفصیل پیش کریں۔

<u>نماز کیسے فرض ہوئی</u> فرضیت صلوۃ کی داستان بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ حضرت انس کی زبانی سنئے ، فرماتے ہیں کہ جب حضور شب معراج کو اللہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی گئیں۔

قال النبی صلعم ففرض اللہ علی امتی خمسین صلاۃ

حضور فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کر دیں جب

فرجعت بذلک حتی مردت علی موسی فقال مافرض لک علی امتک قلت فرض خمسین صلوۃ قال فارجع الی ربک فان امتک لا یطیق ذالک فرجعت فوضع شطر ها فرجعت الی موسی قلت و ضع شطرھا فقال ارجع الی ربک فان امتک لا [illegible] فقلت استحییت من ربی۔

میں دربار خداوندی سے یہ احکام لے کر واپس آ رہا تھا تو کسی آسمان پر حضرت موسیٰ سے ملاقات ہو گئی۔ موسیٰ نے پوچھا کتنی

نمازوں کا حکم ملا ہے۔ میں نے کہا پچاس۔ فرمایا تمہاری امت اس
بوجھ کو نہیں اٹھا سکتی۔ اس لئے واپس جاؤ اور تعداد کم کراؤ۔
چنانچہ میں واپس چلا گیا اور اللہ نے نصف گھٹا دیں۔ پھر موسیٰ کے
پاس گیا اس نے کہا یہ تعداد بھی تمہاری امت ک طاقت سے زیادہ ہے
اس لئے دوبارہ واپس جاؤ۔ میں پھر واپس گیا اور نصف کم ہو گئیں۔
جب سہ بار موسیٰ سے ملا تو اس نے کہا کہ یہ بھی زیادہ ہیں۔
چنانچہ میں چوتھی مرتبہ واپس گیا اللہ نے کہا ان پانچ نمازوں کو
پچاس ہی کے برابر سمجھو۔ اور یاد رکھو ہم اپنا قول بدلا نہیں کرتے۔
جب میں آخری بار موسیٰ کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے ایک مرتبہ اور
جاؤ یہ تعداد بھی زیادہ ہے ، لیکن میں اللہ سے شرما گیا۔

(صحیح بخاری ۔ کتاب الصلوٰۃ ص 51)

اس داستان کا خلاصہ یہ ہوا ک امت رسول کی استعداد کا علم نہ
خدا کو تھا اور نہ حضور کو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بیچ میں نہ پڑتے تو
امت پہ پچاس نمازیں فرض ہو جاتیں۔ اور یہ امت صبح سے لے کر
شام تک نمازیں ہی پڑھتی رہتی۔ نہ کھا سکتی اور نہ ضروریات حیات
کی طرف توجہ سے سکتی۔ مجبوراً ہر شخص اسلام کو چھوڑ کر
کوئی اور راستہ اختیار کرتا۔ یہ تو حضرت موسیٰ کی عقل کو داد
دیجئے کہ اسلام کو بچا لیا۔ ورنہ خدا و رسول تو یہ "غلطی" کر ہی
بیٹھے تھے۔ ماشاء اللہ کیا داستان تراشی ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کو
خدا و رسول کا معلم دانش بنا ڈالا۔ اور آخری فقرہ بھی خوب ہے کہ
"ہم اپنا قول بدلا نہیں کرتے" اگر نہیں بدلا کرتے تو پھر پچاس سے
پچیس اور پچیس سے پانچ کیوں کیں۔ اور یہ بھی خوب رہی کہ پانچ کو
پچاس کے برابر ہی سمجھو۔ اور یہ نہ بتایا کہ کہ آیا پچاس کو بھی
پانچ کے برابر سمجھ سکتے ہیں یا نہیں۔

وضو فقہ کی بنیاد قرآن و حدیث پر رکھی گئی تھی۔ فقہ بتلاتی ہے کہ

1۔ وضو میں اعضا کو تین تین مرتبہ دھونا چاہیے۔

2۔ مجامعت سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

3۔ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

4۔ نیند کے بعد وضو ضروری ہے۔

5۔ جنابت کے پانی سے وضو درست نہیں۔

لیکن احادیث کچھ اور ہی کہتی ہیں۔

ہر نماز کے لئے نیا وضو

عن انس قال کان النبی صلعم یتوضاء عند کل صلواۃ

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور ہر نماز کے لئے نیا وضو کیا کرتے تھے۔ (بخاری جلد 1 ص 35)

تردید بالا

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھا کہ رسول اللہ صلعم کچھ دیر سو چکنے کے بعد جاگے ، وضو کیا ، نماز پڑی۔

ثم اصطجع فنام حتی نفخ ثم اتاہ المنادی فاذ نہ بالصلواۃ فقام مع الی الصلواۃ فصلی ولم یتوضا

پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد نماز کے لئے بلانے والا آیا آپ اس کے ہمراہ مسجد کو چل دئیے اور وہاں جا کر وضو کئے بغیر نماز ادا کی۔

اس حدیث سے دو باتیں واضح ہو گئیں۔ اول کہ حضور ہر نماز کے لئے نیا وضو نہیں کرتے تھے۔ دوم کہ نیند کے بعد وضو ضروری نہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ رسول اکرم کی صرف آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا رہتا تھا۔ اس لئے ان کے لئے وضو ضروری نہیں تھا اور یہ ہدایت صرف امت کے لئے تھی تو ملاحظہ کیجئے حضرت انس کا یہ قول۔

کان اصحاب رسول اللہ صلعم ینامون ثم یصلون ولایتوصون

کہ حضور کے صحابہ سو چکنے کے بعد وضو کئے بغیر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم مع فتح الملہم ص 500)

کیا صحابہ کے دل بھی حضور صلعم کی طرح جاگتے رہتے تھے؟

لہو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

حضرت جابر سے روایت ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں حضور کی موجودگی میں ایک صحابی تیر سے زخمی ہو گئے اور خون بہہ نکلا لیکن آپ اس حالت میں بھی نماز پڑھتے رہے ۔ (بخاری جلد 1 ص 33)

قال الحسن مازال المسلمون یصلون فی جراحاتھم و قال طاؤس و محمد بن علی و عطاء و اھل الحجاز لیس فی الدم وضوء

حسن کہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ زخمی ہو کر بھی نماز پڑھتے رہے۔ ۔ طاؤس، محمد بن علی،عطاء اور حجاز کی رائے یہ ہے کہ لہو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (بخاری جلد1 ص 32)

ایک سوال: کیا مجامعت کے بعد غسل ضروری ہے؟

کئی جواب: زید بن خالد نے حضرت عثمان ؓ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص مجامعت کرے لیکن انزال سے پہلے علیحدہ ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ فرمایا ! شرمگاہ کو دھو ڈالے اور وضو کر لے ۔

(بخاری کتاب الوضو ص 43)

"دخول کے بعد غسل واجب ہو جاتا ہے" (موطا ص 22)

"ابو ہریرہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ جب کوئی آدمی بیوی کی لاتوں میں بیٹھ کر زور لگانا شروع کر دے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔ (صحیح مسلم جلد 1 باب الوضو ص 485)

"ابن ابی کعب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص مجامعت کرے اور انزال سے پہلے علیحدہ ہو جائے تو کیا وہ غسل کرے؟ فرمایا ! صرف وضو کر کے نماز پڑھ لے" (مسلم جلد 1 ص 485)

کیا سمجھے ؟ دخول کے بعد غسل ضروری ہے یا غیر ضروری ؟

کیا غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے

1۔ ناجائز ہے

ان رسول اللہ نہی ان یتوضا الرجل بفضل طھور المراۃ

عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی کو وضو کے لئے استعمال کرنے سے رسول اللہ نے روک دیا ہے۔

(ترمذی و ابن ماجہ نیز فتح الملہم جلد 1 ص 473)

2۔ جائز ہے۔

(الف) عن ابن عباس ان رسول اللہ کان یغتسل بفضل میمونۃ

ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورﷺ حضرت میمونہ کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے نہایا کرتے تھے۔

(ب) عن ابن عباس قال اغتسل بعض الازواج فی جفنہ فحیاء النبی لیتوضا او یغتسل فقالت لہ یا رسول اللہ انی کنت جنبا قال ان الماء لا یجنب (ترمذی)

ابن عباس سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی ایک بڑے برتن میں نہائیں۔ اس کے بعد حضور وضو یا غسل کے لئے گھر تشریف لائے تو زوجہ محترمہ نے کہا اے رسول اللہ! میں اس پانی میں غسل کر چکی ہوں اور میں جنابت کی حالت میں تھی۔ فرمایا ! پانی جنبی (جنابت زدہ) نہیں ہو کرتا۔

کیا آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

1۔ ٹوٹ جاتا ہے۔

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول الوضو مم مست النار

زید بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد نیا وضو ضروری ہے۔
(مسلم جلد 1 ص 486)

2۔ نہیں ٹوٹتا۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ اکل کتف شاہ ثم صلی ولم یتوضاء

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ نے ایک بکری کا بھنا ہوا بازو تناول فرمایا اور پھر وضو کئے بغیر نماز پڑھ لی۔

تکبیر اقامت

ہم قیام صلوہ کے وقت "اقامت" میں ہر تکبیر دو مرتبہ کہتے ہیں۔ لیکن مسلم میں درج ہے۔

امر بلال ان یشفع الاذان و یوتر الافامتہ

حضرت بلال کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اذان کی تکبیریں دو دو مرتبہ اور اقامت کی صرف ایک مرتبہ کہیں ۔

نماز میں صرف سورہ فاتحہ ہی کافی ہے؟

ہم پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی سورہ بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن مسلم میں درج ہے کہ ایک شخص نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ پڑھنا ضروری ہے؟ کہا !

ان زدت علیها فهو خیر و ان انتهیت الیها اجزات عنک

اگر کوئی سورہ پڑھ لو تو اچھا ہے۔ ورنہ فاتحہ ہی کافی ہے۔ (مسلم مع فتح الملہم جلد 2 ص 31)

اور ہمارے ائمہ فقہ کہتے ہیں کہ صرف فاتحہ سے نماز مکمل نہیں ہوتی۔

## کیا کلمات ثنا و تقدیس ضروری ہیں

ہمارا امام سبحانک اللهم و بحمدک ۔۔۔ لا الہ غیرک دل میں پڑھتا ہے۔

لیکن مسلم میں عبدہ سے روایت ہے کہ

ان عمر بن الخطاب کان یجهر بهٰؤء لآء الکلمات سبحانک اللهم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کہ حضرت عمر کلمات تقدیس (سبحانک اللهم) کو بلند آوازـ سے پڑھتے تھے۔ (مسلم جلد 2 ص 38)

بلکہ ایک روایت کے مطابق حضور اور ان کے صحابہ نماز کی ابتدا فاتحہ سے کرتے تھے اور سبحانک اللهم کو چھوڑ جاتے تھے۔

عن انس قال صلیت خلف النبی و ابی بکر و عمر و عثمان فکانو ا یستفتحون بالحمدللہ رب العالمین

انس کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلعم ،ابو بکرؓ عمر اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھتا رہا۔ یہ حضرات نماز کا آغاز ہی فاتحہ سے کیا کرتے تھے۔ (مسلم جلد 2 ص 38)

افتتاح کے معنی ہیں آغاز کرنا، شروع کرنا ۔ اور شروع کا مفہوم یہی ہے کہ اس سے پہلے کوئی اور چیز نہ ہو۔

## نماز میں مختلف اعمال کی اجازت

ہمیں نماز میں رکوع و سجود قیام و تعوذ کے بغیر کسی اور عمل کی اجازت نہیں۔ لیکن بخاری میں ہے۔

"سہل بن سعد کہتے ہیں کہ جب مسجد نبوی کے لئے منبر تیار ہوا تو حضورﷺ اس پر چڑھ گئے۔ منہ قبلہ کی طرف پھیر لیا۔ تکبیر کہی لوگوں نے پیچھے صفیں باند لیں۔ قرات کے بعد رکوع میں گئے۔ رکوع کے بعد نیچے اتر آئے۔ زمین پہ سجدہ کیا اور پھر منبر پر چڑھ گئے اور رکوع کے بعد پھر سجدہ کے لئے زمین پر اتر آئے" (بخاری جلد 1 ص 53)

"ابو قتادہ الانصاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورﷺ نے اپنی دختر زینبؓ کی بیٹی امامہ کو اٹھا کر نماز شروع کر دی۔ جب سجدہ میں جاتے تو اسے زمین پر رکھ دیتے اور جب اٹھتے تو پھر اٹھا لیتے۔" (بخاری جلد 1 ص 69)

<u>کیا نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے ؟</u>

فقہا کے ہاں دوران نماز میں نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے۔ بخاری میں ابو سعید سے روایت ہے کہ

"اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزر رہا ہو تو اسے روکو۔ اگر نہ رکے فلیقاتلہ فانما ھو شیطان۔ تو اس سے باقاعدہ جنگ کرو اس لئے کہ وہ شیطان ہے" (بخاری جلد 1 ص 68)

لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ

"میں گدھی پر سوار ہو کر منیٰ جا پہنچا۔ رسول اللہ صلعم نماز پڑھا رہے تھے۔ میں کچھ نمازیوں کے سامنے سے گذر کر گدھی سے اترا۔ گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ خود نماز میں شامل ہو گیا۔ اور کسی نے برا نہ مانا۔ (بخاری جلد 1 ص 107)

ان سعد بن ابی وقاص کان یمربین یدی بعض الصفوف و الصلوۃ قائمۃ

نماز کے دوران سعدؓ بن ابی وقاص نمازیوں کی صفوں کے سامنے سے گذر جاتے تھے ۔ (موطا ص 55)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا فیصلہ

لا یقطع الصلوۃ شئیی مما یمر بین یدی المصلی

چیز کے سامنے سے گزر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ (موطا ص 55)

مسلم کی ایک حدیث ہے کہ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم یقطع الصلواۃ المزۃ و الحمار و الکلب

ابو ہریرہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ عورت، گدھا اور کتا سامنے آ جائیں تو  نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم جلد 2 ص 111)

لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

کنت انام بین یدی رسول اللہ صلعم و رجلای فی قبلۃ فاذاسجد غمزنی فقیضت رجلی فاذاقام بسطتهما و البیوت لیس فیها مصابیح

میں نماز میں حضور صلعم کے سامنے پاؤں پھیلا کر لیٹ جاتی تھی۔ جب وہ سجدہ کرنے لگتے تو مجھے چوکا لگا دیتے چنانچہ میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب وہ اٹھتے تو پھر پھیلا دیتی۔ اور گھر میں چراغ موجود نہیں تھا ، یعنی بالکل اندھیرا تھا۔

(بخاری جلد 1 ص 55)

اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ حضور کے مصلے کے سامنے لیٹی رہتیں تھیں اور پہلی روایت کے مطابق عورت کے سامنے آ جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کس کو صحیح سمجھیں؟ جب حضرت عائشہ کے سامنے مسلم والی حدیث بیان کی گئی تو  سیدہ نے فرمایا

قد شهتمونا بالحمیر و الکلاب و اللہ لقدرایت  رسول اللہ صلعم یصلی وانی علی السریربینہ و بین القبلۃ مضطجعۃ

تم لوگوں نے ہم عورتوں کو گدھوں اور کتوں جیسا سمجھ لیا ہے ۔ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلعم کے سامنے چٹائی پہ لیٹی ہوتی تھی اور وہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (مسلم جلد 2 ص 111)

بدیگر الفاظ حضرت عائشہ نے اس حدیث کی صحت کا انکار کر دیا ہے اور پھر بھی یہ "صحیح مسلم" کا جزو بنی ہوئی ہے۔

<u>رفع یدین</u>

حنفی رکوع سے پہلے یا بعد ، ہاتھ نہیں اٹھاتے لیکن بخاری میں پوری چار احادیث اس مضمون پر ملتی ہیں کہ حضورؐ رکوع سے پہلے اور بعد  نیز درمیانی التحیات سے اٹھ کر ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو بخاری باب الصلوٰۃ جلد 1 ص 93)

جمع صلاتین

ہم بلاوجہ ظہر و عصر اور عشاء و مغرب کی نمازوں کو جمع نہیں کر سکتے لیکن موطا میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ

صلی لنارسول اللہ صلعم الظہر و العصر جمیعا و المغرب و العشاء جمیعا من غر خوف و لا سفر

حضور نے بغیر کسی خوف یا سفر کے نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشا کو اکٹھا کر لیا تھا۔ (موطا ص 51 نیز مسلم جلد 1 ص265)

کیا نماز میں انسانی کلام کی اجازت ہے؟

معاویہ بن الحکم السلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک نمازی کو چھینک آ گئی۔ میں نے دوران نماز کہہ دیا "یرحمک اللہ" (خدا تم پر رحم کرے) نماز کے بعد حضور نے فرمایا ان ہذہ الصلواۃ لا یصلح فیھا یشی من کلام الناس ۔ نماز میں انسانی کلام جائز نہیں۔( مسلم جلد 2 ص 126)

لیکن ابی الدردا روایت کرتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ نماز کے دوران میں حضورؐ کے سامنے شیطان آ گیا تو آپ نے تین مرتبہ کہا العنک بلعنۃ اللہ تم پر اللہ کی رحمت۔ (مسلم جلد 2 ص 131)

یعنی حضور کے لئے نماز میں انسانی کلام جائز اور دوسروں کے لئے ناجائز۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ

"حضور نماز عشاء ادا فرما رہے تھے رکوع سے اٹھنے کے بعد آپ کہنے لگے

اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر غریب مسلمانوں پر رحم کرے قبیلہ مضر کو اپنی گرفت میں لے لے اور انھیں قحط میں مبتلا کر" (مسلم جلد 2 236)

یہ انسانی کلام نہیں تو اور کیا ہے ؟

دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

ہم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ لیکن حضرت انس کہتے ہیں

کان النبی صلعم لا یرفع یدیہ فی شئی من الدعا الا فی الاستسقاء

حضورﷺ بارش کی دعا کے بغیر کسی اور دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے (بخاری جلد 1 ص 125)

<u>جوتوں سمیت نماز</u>

ہم جوتے اتار کر نماز ادا کرتے ہیں لیکن سعید بن یزید الازدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ

اکان النبی صلعم یصلی فی نعلیہ؟ قال نعم

کیا حضور جوتوں سمیت نماز پڑھتے تھے ؟ کہا ! ہاں ۔

<u>پہلی رکعت کے بعد بیٹھنا</u>

ہم پہلی رکعت کے بعد سیدھے اٹھ جاتے ہیں لیکن مالک بن الحویرث کہتے ہیں کہ

اذا رفع راسہ من السجدۃ الثانیۃ جلس و اعتمد علیٰ الارض ثم قام

حضور دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد پہلے آرام سے زمین پر بیٹھ جاتے اور پھر اٹھتے ۔ (بخاری جلد 1 ص 103)

<u>نماز چھوٹی ہو یا لمبی</u>

حضور مختصر نماز کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے لمبی نماز پڑھائی تو آپ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا

ان منکم منفرین

تم لوگوں کو نماز سے متنفر کرتے ہو ۔ (مسلم جلد 2 ص 85)

حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور صلعم

کان من اخف الناس صلواۃ فی تمام

سب سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم جلد 2 ص 86)

حضرت انس ہی کی روایت ہے کہ

ان النبی کان یوجز فی الصلواۃ

حضور نہایت مختصر نماز پڑھا کرتے تھے ۔ (مسلم جلد 2 ص 86)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ معاذ بن جبل الانصاری نے نماز عشاء کو بہت لمبا کر دیا۔ چنانچہ ایک نمازی نماز چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں جب معاذ کو پتا چلا تو کہا کہ وہ منافق ہے۔ وہ شخص فریاد لے کر حضور کے دربار میں آیا تو آپ نے معاذ کو بلا کر کہا

اترید ان تکون فتانا یا معاذ

اے معاذ! تم اسلام میں فتنے پھیلانا چاہتے ہو۔ آئندہ جب کبھی امامت کرو تو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔

(مسلم جلد 2 ص 84)

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے ۔

وہی انس جن کی دو روایات اختصار نماز کے متعلق اوپر دی جا چکی ہیں ، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی نماز اتنی لمبی ہوتی تھی کہ

اذا رفع راسہ من الرکوع انتصب قائما حتی یقول القائل قد نسی دازارفع راسہ من السجدہ مکث حتی یقول القائل قدنسی

جب وہ رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ آپ بھول گئے ہیں اور سجدے کے بعد بھی ان کی یہی حالت ہوتی تھی۔ (مسلم جلد 2 ص 87)

جو کسر باقی تھی اسے حضرت ابو سعید الخدری پورا کرتے ہیں۔

کسی نے ابو سعید سے رسول اللہ صلعم کی نماز کے متعلق سوا ل کیا تو آپ نے کہا

کانت صلواۃ الظھر تقام فینطلق احدنا الی البقیع فیقضی حاجۃ ثم یاتی اھلہ فیتو ضاثم یرجع الی المسجد و رسول اللہ صلعم فی الرکعۃ الاولی

رسول اللہ صلعم کی نماز اتنی لمبی ہوتی تھی کہ فرض کیجئے نماز ظہر شروع ہو چکی ہے ، ایک شخص پہلے بقیع جاتا ہے وہاں سے فارغ ہو کر گھر لوٹتا ہے۔ وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد میں جاتا ہے اور حضور ابھی پہلی رکعت ہی پڑھا رہے ہوتے تھے۔ (مسلم جلد 2 ص 48)

کہیے ان احادیث کی روشنی میں آپ نماز لمبی پڑھیں گے یا چھوٹی ؟

چند اور اختلافات

ہماری موجودہ نماز کی تصویر آپ کے سامنے ہے۔ پہلے ثناء پھر سورہ فاتحہ پھر چند آیات، پھر التحیات میں درود، دعا اور سلام۔ لیکن رسول اللہ کی نماز ہم سے بوجوہ مختلف تھی۔

1۔ بقول سیدہ عائشہ ، حضور سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

سبحانک اللھم ربنا و بحمدک اللھم اغفرلی (صحیح بخاری جلد 1 ص 99)

2۔ آپ نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے

اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر [illegible] کافی لمبی دعا ہے۔ (صحیح بخاری جلد 1 ص 104)

3۔ حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت نے نماز میں یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

اللھم انی ظلمت نفسی [illegible] انت الغفور الرحیم (صحیح بخاری جلد 1 ص 104)

4۔ عبداللہ بن اونی لکھتے ہیں کہ حضور رکوع کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ربنا لک الحمد صلی السماء و مل الارض [illegible] لمبی دعا ہے۔ (مسلم جلد 2 ص 90)

5۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور نے ہم کو التحیات یوں پڑھایا تھا

التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ (مسلم جلد 2 ص 43)

6 ۔ ابو حمید الساعدی نے حضور سے پوچھا کہ نماز میں ہم آپ پر کس طرح صلواۃ بھیجا کریں کہا ! اس طرح

اللھم صلی علی محمد و علی ازواجہ و ذریتہ کمابارکت علی آل ابراھیم و بارک علی محمد و ازواجہ و ذریتہ کما بارکت علی آل ابراھیم (مسلم جلد 2 ص 48)

7۔ حضور فرماتے ہیں جب تم التحیات "عبدہ و رسولہ" تک پڑھ چکو تو پھر جو جی میں آئے دعا مانگو۔ (مسلم جلد 2 ص48)

ماحصل

تو گویا حدیث کی رو سے نماز کی شکل یہ قائم ہوتی ہوئی:

اول: خون بہہ رہا ہویا آپ نیند میں خراٹے لے رہے ہوں ، نئے وضو کی ضرورت نہیں۔

دوم: آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن بکری کے کبابوں سے نہیں ٹوٹتا۔

سوم: مجامعت میں اگر انزال نہ ہو تو صرف و ضو کر کے نماز پڑھ لیجئے۔

چہارم: رسول اللہ کا عمل یہ ہے۔ کہ ہر نماز کے لئے و ضو کرو اور یہ بھی کہ سو کر جاگو تو بے وضو نماز پڑھ لو۔

پنجم: آپ بلاوجہ ظہر و عصر اور عشا و مغرب کو جمع کر سکتے ہیں۔

ششم: دعا کے لئے ہاتھ مت اٹھاؤ۔

ہفتمَ رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع یدین کیا کرو۔ یعنی ہاتھ کندھوں تک اٹھایا کرو۔

ہشتم: عصر کے بعد دو رکعت ضرور پڑھا کرو۔

نہم: اگر جی چاہے۔ تو اپنا بچہ گود میں لے کر نماز پڑھ سکتے ہو۔ سیڑھیوں پر نماز شروع کر کے سجدے کے لئے زمین پر اتر سکتے ہو اور پھر اوپر جا سکتے ہو۔

دہم: نماز میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا ہی کافی ہے۔

یاز دہم: کلمات ثناء بلند آواز سے پڑھا کرو۔ اور چاہو تو ثناء کے بغیر بھی نماز پڑھ سکتے ہو۔

دواز دہم: نماز میں شیطان پہ لعنت بھیج سکتے ہو اور مظلوموں کے لئے دعا بھی کر سکتے ہو۔

سیز دہم: التحیات کے بعد جو چاہو کہو۔

چہاردہم: اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہو تو اس مار ڈالو۔ ہاں اگر حضرت ابن عباس یا حضرت سعد بن ابی وقاص ہوں تو چھوڑ دو۔

پانز دہم: عورت گدھا یا کتا سامنے آ جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ کی بیگم صاحبہ جائے نماز پہ لیٹی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

تو یہ ہے حدیث کی نماز ۔ کیا آپ یہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر نہیں تو پھر آپ کس منہ سے کہا کرتے ہیں کہ اگر حدیث نہ رہے تو نماز کا نام و نشان مٹ جائے۔ آپ حدیث کی نماز سے کوسوں دور بھاگتے بھی ہیں اور پھر حدیث کو شارح صلواۃ بھی کہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بڑا معمہ کون سا ہے ، آپ یا آپ کی حدیث ؟؟؟!

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی

جو مسلماں کو روایت کا پرستار کرے

(اقبال بہ ترمیم)

## گیارہواں باب

# بہترین عمل

ہم عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان اللہ کا سپاہی ہے ، جس کا کام جان و مال اور اولاد وطن کو اللہ کے نام پر قربان کرنا ہے۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ دل کے ٹکڑوں کو آنکھوں کے سامنے کٹوا دینا اور اُف نہ کرنا، گھر بار کو لات مار کر وادی غربت میں میں خانہ بدوش پھرنا اور حرف شکایت لب پہ نہ لانا، پُشتوں کی جمع کی ہوئی دولت ملت پہ قربان کر دینا اور افلاس و نکبت سے نہ ڈرنا، جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑنا، سینے پہ بھالے کھانا، چٹانوں سے کود کر پاش پاش ہو جانا اور خنجر قاتل کو یہ کہتے ہوئے چومنا کہ

سر کے کٹ جانے کا مجھ کو غم نہیں

خم نہ آ جائے تیری تلوار میں !

کوئی مذاق نہیں بلکہ دنیائے عشق کی سب سے بڑی ابتلا اور اس مشت خاک کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور اسی لئے سب اعمال سے زیادہ اجر کا مستحق ہے۔

الذین امنو وهاجروا و جاهدوا فی سبیل اللہ بااموالهم و انفسهم اعظم درجہ عنداللہ و اولئک هم الفائزون (قرآن)۔

جو مومن اللہ کے راستے میں گھر بار مال اور جان قربان کر دیتے ہیں ہم انهیں سب سے زیادہ اجر دیتے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔

یہی لوگ اللہ کے ہاں عزت پاتے ہیں اور انهیں سے وہ محبت کرتا ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ عفا کانهم بنیان مر صوص (قرآن)۔

اللہ انهی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں یوں جم کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

نہ صرف ان سے محبت کرتا ہے بلکہ انھیں عزت ، بلندی ، پاکیزگی اور شاندار زندگی کی راہیں دکھاتا ہے۔

و الذین جاھدوا فینا لنھد بینھم سبلنا (قرآن)

جو لوگ ہماری خاطر جہاد کرتے ہیں ہم انھیں خدائی راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔

مسلمان کی منزل مہ و پروین سے بہت آگے ہے۔ وہ اس بلند منزل تک پہنچنے کے لئے کبھی طوفان بن کر ابھرتا ہے کبھی بجلی بن کر لپکتا ہے کبھی علم کے پر لگا کر اڑتا ہے اور کبھی جان دے کر جاناں تک پہنچتا ہے۔

چوں ذرہ بہ خورشید درخشاں پیوست

چوں قطرہ سرگشتہ بہ عمال پیوست

جاں بود میاں دہ و جاناں حائل

فی الحال کہ جاں داد بہ جاناں پیوست

قربانی تعلیمات اسلام کا مرکزی نقطہ ہے۔اور باقی تمام ا عمال وہ خطوط جو محیط سے مرکز کو جاتے ہیں۔ ہماری نماز صف بندی کا سبق ہمارے روزے جفا کشی کا درس ہماری زکوٰۃ جاں نثاری کی طرف پہلا قدم ہماری توحید شیرازہ بندی ملت کا پیغام اور ہمارا حج وحدت افکارِ و اعمال کا آئینہ ہے۔ الغرض جس عمل کو دیکھو گے وہ تنظیم و تقویٰ کا سب دے رہا ہے۔ اور عشق کی آخری منزل یعنی جاں سپاری کے لئے تیار کر رہا ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

میرا یہ محکم یقین ہے کہ جس شخص کا اسلام اسے مرنے کی دعوت نہیں دیتا وہ اسلام نہیں کچھ اور بلا ہے۔

والذین امنو وھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ والذین آ ودونصر و اولئک ھم المومنون حقا لھم مغفرہ و رزق کریم (قرآن)

اہل ایمان وہی ہیں جنھوں نے وطن چھوڑا ہماری راہ میں جہاد کیا دوسروں کو پناہ دی اور بے کسوں کی مدد کی۔ ہم ا ن سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ کرتے ہیں

تفاصیل بالا سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک جہاد بلند ترین عمل اور بہترین اجر کا مستحق ہے۔ جب کسی بزدل نے دیکھا کہ مسلمان بننے کے لئے جان دینا پڑتی ہے تو اس نے بعض دیگر اعمال کی افضلیت پر حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں اور جہاد کی وقعت کو گھٹا کر کہیں تو اسے تیسرے یا چوتھے درجے کا عمل بنا دیا اور کہیں اچھے اعمال کی فہرست ہی سے خارج کر دیا۔ مثلاً

1۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ کون سا اسلام اچھا ہے ؟ فرمایا ! کھانا کھلانا اور آشنا و نا آشنا سب کو پہلے سلام کرنا ۔ (بخاری باب امی الاسلام افضل جلد 1 )

2۔ ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سے پوچھا گیا ک کون سا اسلام اچھا ہے؟ فرمایا مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے دکھ نہ پہنچانا۔ (بخاری جلد 1 ص 7)

ان دو احادیث میں تو جہاد کا ذکر ہی نہیں۔ اب ایسی حدیث سنیے جن میں جہاد کو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے درجے کی نیکی بتایا گیا ہے۔

3۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ فرمایا نماز بہ پابندی وقت ، اس کے بعد والدین کی خدمت اس کے بعد جہاد۔ (بخاری جلد 2 ص 89)

4۔ کسی شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ بہترین عمل کون سا ہے؟ فرمایا ! خدا و رسول پر ایمان ، اس کے بعد جہاد ، اس کے بعد حج۔ (بخاری جلد 1 ص 182)

قرآن کہتا ہے کہ جنت جان و مال کی قربانی سے ملے گی۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنۃ

اللہ نے مسلمانوں سے جان و مال لے کر اس کے عوض انهیں جنت دے دی۔

افحسبتم ان تد خلوا الجنۃ و لما یعلم اللہ الذین جاهدوا و منکم

تمهارا یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جہاد کئے بغیر پہنچ جاؤ گے ؟ غلط ہے۔

لیکن حدیث کا فیصلہ ہے کہ جہاد کرو یا نہ کرو، جنت تمهاری ہے۔

5۔ عن ابی هریرہ قال قال رسول اللہ صلعم من آمن باللہ و برسولہ و اقام الصلواۃ و صام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ جاهد فی سبیل اللہ اوجلس  فی ارضہ التی و لد فیها ۔۔۔۔۔۔۔ (بخاری جلد 2 ص 90)

ابوہریرہ سے  مروی ہے ۔ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جو شخص خدا و رسول پر ایمان لائے، نماز پڑھے اور روزے رکھے، اللہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے جنت میں بھیجے خواہ وہ جہاد کرے یا گھر ہی میں بیٹھا رہے۔

ابن ماجہ اور ترمذی کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

6۔ کیا میں  تمهیں بتاؤں کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ ایسا عمل جو  تمهارے درجوں کو بلند کر دے، جو سونے اور چاندی کی قربانی سے بہتر ہو اور اس جہاد سے بھی اچھا ہو جس میں تم  دوسروں کی گردنیں کاٹتے ہو اور اپنی کٹواتے ہو۔ لوگوں نے کہا بتائیے۔ کہا اللہ کا ذکر۔ (نیز موطا)

سب سے زیادہ اللہ کا ذکر ایک بھکاری کیا کرتا ہے جو ایک سانس میں دس دس مرتبہ اللہ کا نام لے کر بھیک مانگتا ہے ۔ تو گویا حدیث کی رو سے بھکاری بہشت کے ٹھیکیدار اور سردار ہوں گے۔ اور ہم تم سب ان کے خدمتگار ۔

یہ نہ سمجھئے کہ افضلیت جہاد پر حضورہ کا کوئی قول موجودنہیں مگر ہمارے واعظین انهیں چھپائے رکھتے ہیں۔ تاکہ ان کا ذکر درد تسبیح اور جنتر منتر والا "پاک اور خالص" مذہب ان مشکل اعمال کی آمیزش سے "ناپاک" نہ ہو جائے۔ مثلاً ملاحظہ ہوں یہ احادیث۔

عن ابی سعید الخدری قال قیل یا رسول اللہ ای الناس افضل فقال مومن یجاهدو فی سبیل اللہ بنفسہ و مالہ

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ کسی نے پوچھا کہ بہترین لوگ کون سے  ہیں۔ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ (بخاری ۔ کتاب الجہاد  جلد 2 ص 90)

لغدوۃ فی سبیل اللہ او روحۃ خیر من الدنیا و  مافیها

اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام صرف کرنا دنیا کا بہترین عمل ہے ۔ (بخاری کتاب الجہاد)

والذی نفسی بیدہ لودوت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیاثم
اقتلہ ثم احیا ثم اقتلہ ثم احیا ثم اقتلہ

آنحضرت فرماتے ہیں ، اللہ کی قسم میری سب سے بڑی خواہش یہ
ہے کہ میں اللہ کی راہ شہید ہو جاؤں، پھر جیوں پھر شہادت پاؤں،
پھر جیوں پھر شہادت پاؤں، پھر جیوں اور پھر شہید ہو جاؤں۔ ان
پاؤں کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی جو اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو
جائیں۔ (بخاری کتاب الجہاد)

اعلموان الجنۃ تخت ظلال السیوف

اس حقیقت کو سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (بخاری)

الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ۔

گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک برکت رہے گی۔ (بخاری جلد 2
ص 96)

من احتبس فرسافی سبیل اللہ ایمانا باللہ و تصدیقام بوعدہ
فان شعبہ و ریہ و روثہ بولہ فی میزانہ یوم القیامۃ

جو شخص جہاد کی خاطر اور اللہ کے لئے گھوڑا پالے گا قیامت کے دن
اس گھوڑے کی غذا ، پانی ، لید اور پیشاب تک اس کے نیک اعمال کے
ہمراہ تولے جائیں گے۔ (بخاری جلد 2 ص 96)

رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا و ما علیھا

اپنی سرحدوں پر ایک دن پہرا دینا دنیا کا بہترین عمل ہے ۔ (بخاری
جلد 2 ص 100)

ارموا بنی اسمعیل وان اباکم کان رامیا

اسمعیل کے بیٹو ! تیر اندازی میں کمال پیدا کرو ، اس لئے کہ تمھارا باپ
بھی تیر انداز تھا۔

(بخاری کتب الجہاد جلد 2 ص 100)

اگر حضور اس وقت موجود ہوتے تو تیر اندازی کی طرح گولہ بارود،
ہوا بازی اور جہاز رانی کو بھی جزو مذہب بناتے۔ اس وقت مسلمانوں
کا مقابلہ تیر، تلوار اور برچھے سے تھا، اور آج طیاروں ، ٹینکوں اور
توپوں سے۔ اگر اس وقت تیز چلانا جزو اسلام تھا تو آج ان بدلے ہوئے
حالات میں ٹینکوں اور توپوں کا استعمال کیوں جزو اسلام قرار نہ پائے۔

اسلام تمام زمانوں اور کائنات کا مذہب ہے۔ اگر تیرہ سو سال پہلے حفاظت کے لئے گھوڑے تلوار اور تیر کی ضرورت تھی اور انھیں حضور نے ہماری تنظیم ملی کا جزو عظیم قرار دیا تھا تو آج اسلام کو اپنی حفاظت کے لئے جدید آلات کی ضرورت ہے۔ انھیں کیوں نہ جزو مذہب سمجھا جائے؟

سورہ بقرہ کی پہلی آیت ہے۔

ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین

یہ کتاب یعنی قرآن تمام شبہات سے بالاتر ہے اور متقین کے لئے باعث ہدایت ہے۔

"متقین" کا مصدر ہے تقویٰ جس کے ایک معنی ہیں حفاظت ، بچاؤ ، ڈیفنس۔ یعنی وہ لوگ بھی متقی ہیں جن کا ڈیفنس مضبوط ہو۔ جن کی سرحدیں مستحکم ہوں۔ جو مہیب عسکری طاقت کے مالک ہوں۔ اور جن کا کردار اتنا بلند ہو کہ ان پر کسی قسم کا حملہ نہ کیا جا سکے۔ اور آج تقوی کی یہ شان خوفناک اسلحہ جنگ کے بغیر پیدا نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ اسلام اجتماعی تنظیم کا نام ہے اور ملت کا ملکی دفاع ان آلات کے بغیر نا ممکن ہے اس لئے ان آلات کی فراہمی و تخلیق منشائے ایزدی کے عین مطابق ہے۔

جعل رزقی تحت ظل رلحی

میرا رزق (خدائی رحمت سے حصہ) نیزوں کے سائے میں ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 102)

بعثت بالسیف بین یدی الساعہ

میں قیامت سے عین پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں۔

جنگ خندق کے دوران انصار مدینہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجھاد ما بقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنھوں نے آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر جہاد کے لئے بیعت کی۔ ہم جب تک زندہ ہیں اعدائے خدا و رسول کے خلاف مسلسل مصروف پیکار رہیں گے۔ (بخاری جلد 2 ص 107)

نصرت بالرغب مسیرہ شھر

مجھے اللہ نے وہ ہیبت دی ہے کہ میرا نام سن کر دشمن ایک مہینے کی مسافت پہ لرز جاتا ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 106)

اعدو و الهم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترهبون بہ عذواللہ و عدوکم

تم وہ قوت و ہیبت پیدا کرو اور تمہارے تھانوں پر گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندے ہوں کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن تمھارا نام سن کر غش کھا جائیں۔ (قرآن)

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل

یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدااست

یہ مذہب ملا و نباتات و جمادات

## بارہواں باب

# اللہ کی عادت

---

انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ

"ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہے" اور یہی مفہوم اس آیت کا ہے۔

من یعمل مثقال ذرہ خیر اًیرہ و من یعمل مثقال ذرہ شراًیرہ

جو شخص ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اس کا صلہ پائے گا اور ذرہ بھر بھی برائی کرے گا تو اسکی سزا بھگتے گا۔

لھا ما کسبت و علیھا مکتسبت

اچھے کام کا صلہ اچھا اور برے کا نتیجہ برا ہے۔

و جزآ سیتہ سیتہ مثلھا

برائی کی سزا ایک ویسی ہی برائی ہے۔

اللہ کی یہ عادت ازل سے ایک نہج پر کام کر رہی ہے۔ ہر ایک اپنی نیکی کا صلہ پا رہا ہے۔ اور ہر بد کن اپنے کرتوتوں کی سزا بھگت رہا ہے۔ صبح کی سیر اور شام کی ورزش کی جزا ایک عمدہ صحت ہے جو ہر انسان کو بلا امتیاز مذہب و ملت ملتی رہتی ہے۔ سستی اور کام چوری کی سزا ایک ذلیل زندگی ہے۔ جس سے آج تک نہ کوئی مسلم بچ سکا اور نہ غیر مسلم۔ ہر انسان انتخاب اعمال میں آزاد ہے۔ لیکن ان کے نتائج بھگتنے پر مجبور ہے۔ جب تک مسلمان منظم ، متحد اور بلند کردار کے جوہر سے متصف رہے، وہ دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ اور جب ان شاہانہ اوصاف سے بیگانہ ہو گئے تو اللہ نے انہیں گداگروں سے بھی بد تر کر دیا۔ آج مسلمانوں کی تعداد ساٹھ کروڑ سے کم نہیں۔ ان کی آٹھ نو ٹوٹی پھوٹی سلطنتیں بھی موجود ہیں۔ لیکن ذرا نگاہ عبرت سے دیکھئے کہ ان کی کیا حالت ہے ۔ اول درجے کے جاہل ۔ غیر منظم۔ بد معاشرت۔ نہ کھانے کی تمیز نہ بات

کرنے کا ڈھنگ۔ نہ قبائح سے نفرت۔ نہ محاسن کا شوق۔ چھ کروڑ روسیوں کو دیکھو۔ ڈھوروں سے بدتر۔ ایک کروڑ قبائلیوں کی یہ حالت کہ جہالت میں چوٹی تک ڈوبے ہوئے ہیں اور صابن کے نام تک سے نا آشنا۔ چالیس لاکھ کشمیریوں اور پانچ کروڑ چینی مسلمانوں کی حالت اس سے بھی بد تر ہے۔ مسلمان ہر آب و ہوا اور ہر ملک میں ملتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ چند چیزیں ان میں مشترک ہیں۔ یعنی جہالت ، غلاظت، پستی، افلاس ، کام چوری، کاہلی اور اپنی قوم سے غداری۔ دنیا کسی قوم نے آج تک اتنے غدار پیدا نہیں کئے جتنے اسلام صرف ایک صدی میں پیدا کرتا آیا ہے۔ ہندوؤں ، سکھوں اور عیسائیوں میں بھی غریب ہوں گے جنھیں خریدا جا سکتا ہے لیکن پینتیس کروڑ ہندوؤں میں ایک بھی غدار موجود نہیں۔ یہی حال عیسائیوں اور سکھوں کا ہے۔

اور مسلمان ، توبہ ہی بھلی۔ اس وقت پاکستان میں ہزار ہا مسلمان پاکستان کی تباہی کے لئے مصروف کار ہیں۔ کوئی خبر رسانی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ کوئی ہمارے لیڈروں کو کوس کوس کر ہماری صفوں میں انتشار پیدا کر رہا ہے۔ اور کوئی چور بازاری سے مصنوعی قحط پیدا کر رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اس بری حالت کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے مُلا اور اس کا "اسلام" ۔ دنیائے اسلام میں لاکھوں مساجد۔ ان میں لاکھوں ملا اور ہر ملا صبح و شام مسلمانوں کو مندرجہ ذیل سبق دے رہا ہے۔

1۔ کہ صرف تم اللہ کے محبوب ہو۔ یہ امت بخشی بخشائی ہے۔ اور اللہ تمھیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔

2۔ کہ الدنیا جیفتہ و طلابہا کلاب۔ یہ دنیا ایک مردار ہے جس کے طالب کتے ہیں۔

3۔ کہ المومن لا ینجس ۔ مومن جسم پہ کتنی ہی غلاظت مل لے وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

4۔ کہ صرف کلمہ پڑھنے سے بہشت مل جاتی ہے۔

5۔ کہ فقہ و حدیث کے بغیر باقی تمام علوم ناپاک ہیں۔ سائنس گناہ اور کائنات میں غور کرنا کفر ہے۔

6۔ کہ دنیا کا سب سے بڑا عمل رات کے وقت دو نفل ہیں۔ رکعتین فی جوف اللیل خیر من الدنیا و ما فیھا (رات کے وقت دو نفل دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں)

7۔ کہ ہر نتھو خیرا ، خواہ وہ چنگیز ہو یا ہٹلر، اگر ہم پر حکومت کر رہا ہے تو وہ ہمارا اولی الامر ہے۔ اور اس کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ یاد کیجئے ان فتاویٰ کو جو ہمارے علماء انگریز کے زمانے میں جاری کیا کرتے تھے۔

8۔ کہ خرقہ دنیا کا بہترین لباس ہے۔ علیکم بلباس الصوف تجدو و فسحلاوۃ الایمان (حدیث) کہ تم پشم کا لباس پہنا کرو کہ ایمان کی لذت اسی میں ہے۔

9۔ کہ فلاں دعا ایک لاکھ حج اور ایک لاکھ شہیدوں کا ثواب دلاتی ہے ۔ اور جنت میں ایک لاکھ محل مفت بنوا دیتی ہے۔

10۔ کہ مرشد پکڑے بغیر نجات ممکن نہیں۔

11۔ کہ اللہ نے تمام اختیارات فلاں مردے کے حوالے کر دئیے ہیں۔ اس لئے اس سے مرادیں مانگا کرو۔ وغیرہ

انصافاً کہو ! کہ اگر کسی آدمی کے دماغ میں اس قسم کے عقائد ٹھونس دئیے جائیں کہ یہ دنیا مردار ہے۔ سائنس گناہ ہے۔ سب سے اچھا لباس گدڑی ہے۔ بہشت ہمارے پاس رہن ہو چکی ہے۔ اللہ صرف ہمارا ہے۔ تو وہ کیوں کام کرے ؟ اور کس مقصد کے لئے؟ دنیا اس کے لئے ناپاک۔ جنت اس کی۔ خدا اس کا ۔ باقی رہ کیا گیا۔ تنظیم کی کیا ضرورت ہے ؟ جہاد کیوں کیا جائے؟ جہاد میں زیادہ سے زیادہ ایک شہید کا اجر ملتا ہے۔ اور فلاں دعا کے ورد سے ایک لاکھ کا اجر۔ لاکھ کو چھوڑ کر ایک کے پیچھے کون جائے۔ علم کیوں حاصل کیا جائے؟ پندرہ سولہ برس کون سر کھپائے؟ خصوصاً ایسے حالات میں کہ حصول علم صحیح حدیث کی رو سے کسی اجر کا مستحق ہی نہیں ۔

مُلا تیرہ سو برسوں سے ان عقائد کی تبلیغ کر رہا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوہام و اباطیل ملت کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے۔ ہر فرد دعا گو اور دعا خوان بن کر دنیائے عمل سے کوسوں دور جا پڑا۔ نہ بلندیوں کا شوق، نہ معالی سے عشق، نہ محنت سے لگاؤ، نہ عمل سے تعلق، نہ لہو میں حرارت، نہ سینوں میں تڑپ، پاؤں ذوق رفتار سے بیگانہ اور ہاتھ لذت کار سے محروم۔

غش میں ہیں، سکتے میں ہیں، یا مبتلائے خواب ہیں
یا نصیب و دشمناں یہ موت کے اسباب ہیں

ہر مرض ، ہر افتاد اور ہر حادثے کا علاج دعا سے کیا جاتا رہا۔ 1914ء کی جنگ عظیم میں اتحادیوں نے مار مار کر ترکی کا پلستر بگاڑ دیا۔ اور ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ربنا فانصرنا علی القوم الکافرین کی لمبی لمبی دعائیں مانگتے رہے۔ ان کون سمجھائے کہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں صرف عمل سے بیڑے پار ہوتے ہیں۔ سارا قرآن محنت ، صبر ، ابتلاء جاں نثاری اور جہاد کی طرف بلا رہا ہے۔ اور قدم قدم پر یہ دھمکی دے رہا ہے۔

فان تولو یستبدل قوما غیر کم

اگر تم نے عمل چھوڑ دیا تو ہم کسی اور قوم کو تمھارا وارث بنا دیں گے۔ (قرآن)

ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین

ہمارے راستے کو چھوڑنے والا کوئی ہو، ہم اسے مٹا دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (قرآن)۔

لیکن ہم ہیں کہ مفت کی جنت کے نشے میں چور کسی کی سنتے ہی نہیں۔

غور کرو کہ دنیا میں ہماری کیسی کیسی سلطنتیں قائم ہوئی تھیں۔ وہ امیہ جو سندھ کے ریگستانوں سے فرانس تک چھائے ہوئے تھے۔ وہ عباسیہ جن کی ہیبت سے ایک عالم لرزتا تھا۔ وہ سلاجقہ جن کی شمشیر خار اشگاف سے ایک دنیا ہلتی تھی۔ وہ تیموری جن بجلیاں دہلی پر چمکتی تو قسطنطیہ پر جا گرتی تھیں۔ وہ ایوبی جن کا نام سن کر ڈول مغرب غش کھا جاتی تھیں اور اسی طرح کے ایک سو تئیس اور سلسلے۔ جب یہ سب عیاش بن گئے۔ کام چھوڑ دیا۔ محنت سے کترانے لگے۔ ایثار سے بھاگنے لگے۔ تنظیم سے دست کش ہو گئے تو اللہ نے ان کی داستان عظمت و حشمت ایک افسانے بنا کر رکھ دی۔ اور انھیں تاریخ کے قبرستان میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔ اللہ نے ہرگز پرواہ نہ کی کہ یہ لوگ پیرو رسول ہونے کے مدعی تھے۔ نفل پڑھتے تھے۔ دعاؤں کا ورد کرتے تھے۔ قضا و قدر کے قائل تھے۔ اور بڑے ادب سے کلمہ شریف پڑھتے تھے۔

اللہ کی یہ وہ سنت ہے جو ازل سے اس کائنات میں محو عمل ہے
اور جو کسی قوم ، کسی عقیدہ، یا کسی دعا کی وجہ سے نہ آج تک
بدلی اور نہ آئندہ بدل سکتی ہے۔

سنۃ اللہ الی التی قد خلت من قبل و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا

یہ اللہ کی وہ عادت ہے۔ جو اس دار العمل میں ازل سے کام کر رہی
ہے۔ اور ہم اس عادت کو کسی صورت میں بھی بدلنے کے لئے تیار
نہیں۔ (قرآن)۔

اللہ نے قرآن میں 756 مرتبہ کہا تھا کہ کائنات کو مسخر کرو۔ زمین
کا سینہ چیر کر اس سے قوت و ہیبت کے خزائن نکالو۔ عناصر کی
سرکش قوتوں کو اپنی خدمت پہ لگاؤ۔ ہواؤں پر حکمرانی کرو۔
سمندروں کی مہیب موجوں کی سینہ زوریاں توڑو۔ آفتاب و ماہتاب
کی شعاعوں کو گرفتار کرو۔ اور علم کے پر لگا کر فضاؤں میں اس
شان سے پرواز کرو کہ تمام کائنات لرزہ بر اندام ہو جائے۔ لیکن ہم
مساجد کے تاریک گوشہ میں گھس کر مِن مِن کرنے لگے۔

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب کے اوپر

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

(اقبال)۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری قوم کی سیاسی و اجتماعی ہیئت مسخ
ہو کر رہ گئی۔ اور دنیا ہماری متعفن لاش کی بدبو سے چیخ اٹھی۔ اور
یہ نتیجہ تھا اس وضعی حدیث کے اس غیر فطری اسلام کا جو صدیوں
سے مُلا ہمارے سامنے پیش کر رہا تھا۔

دنیا میں ہر عمل کا ایک صلہ ہے۔ جو کسی صورت میں اس سے جدا
نہیں کیا جا سکتا۔ ایک زانی اپنے جرم کی سزا سے محض اس لئے نہیں
بچ سکتا کہ وہ کلمہ پڑھا کرتا ہے۔ کلمہ کیا ہے ؟ خدا کے ایک ہونے
اور محمد کے رسول ہونے کا اعتراف۔ کیا یہ زبانی اعتراف اتنی بڑی
چیز ہے کہ اس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کیا کوئی شخص
خواجہ ناظم الدین کو گورنر جنرل اور کسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو
ان کا نمائندہ تسلیم کرنے کے بعد ہر جرم کا بلا خوف سزا مرتکب ہو
سکتا ہے؟ کیا حاکم کو حاکم سمجھنا اور اس کے احکام کو توڑنا ایک
مکروہ قسم کی منافقت اور عیاری نہیں ؟ کیا اس قسم کی عیاری
کسی سزا کی مستحق نہیں؟

فرض کیجئے کہ آپ کسی اسکول، کالج یا دفتر کے اعلیٰ افسر ہیں۔
آپ کا ایک ملازم ہر صبح بڑے ادب سے جھک کر آپ کو سلام کرتا ہے۔
آپ کو واجب التعمیل حاکم سمجھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی آپ کے ہر
حکم کو توڑتا بھی ہے۔ کیا آپ اس شخص کو محض اس لئے معاف
کرتے جائیں گے کہ وہ زبانی زبانی آپ کو اپنا افسر سمجھتا ہے ؟ ا گر
انسان اس منافقت اور عیاری کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو
خدا کیوں کرے ؟ لیکن حدیث کچھ اور کہتی ہے۔ مثلاً

"حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ
ایک سواری پر سوا تھا۔۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص منہ سے لا الہ
الااللہ کہے گا اس پر جہنم حرام کر دیا جائے گا۔ معاذ نے پوچھا کیا میں
سب کو یہ ارشاد سنا دوں؟ فرمایا ، کہ لوگ اس پر اعتماد کر کے
سست ہو جائیں گے۔ چنانچہ معاذ نے مرتے وقت یہ حدیث ظاہر کی ۔
(مسلم جلد 1 ص 205)

حضرت معاذ نے تو مرتے وقت یہ حدیث ظاہر کی اور اس لۓ اس
زمانے کے لوگ اس سستی اور کام چوری سے بچ گئے۔ جس کا خطرہ
حضور نے ظاہر فرما دیا تھا۔ لیکن اب ہم کیا کریں۔ یہ حدیث گذشتہ
ساڑھے تیرہ سو سال سے ہمارے سامنے ہے۔ کروڑوں مسلمانوں کو
کاہل بنا چکی ہے اور قیامت تک بناتی جائے گی۔ کیا ہمارے علماء اس
مرض کا کوئی علاج سوچیں گے ؟

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کلمہ اسلام کا دروازہ ہے ۔ جو شخص
اس دروازۓ میں داخل ہو گا یا یوں کہیے کہ اسلامی سوسائٹی کا ممبر
بن جائے گا اسے لازماً اسلامی کردار اختیار کرنا پڑے گا۔ اس لئے کلمہ
پڑھنے سے مطلب تمام اسلامی کردار اختیار کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ
ایسا شخص جہنم میں نہیں جائے گا۔ تاویل تو اچھی ہے اور کافی وزن
رکھتی ہے۔ لیکن یہ فرمائیے کہ حضور نے حضرت معاذ کو اس کی تبلیغ
سے کیوں روک دیا تھا؟ اگر کلمہ پڑھنے کا مطلب اسلامی کردار اختیار
کرنا تھا، تو پھر اس حدیث کی روایت سے روکنے کا مطلب ؟کیا اسلامی
کردار سستی پیدا کرتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر حضور نے اس حدیث
کے اظہار سے کیوں روکا؟ اس لئے ہم لازما اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں
کہ اس حدیث کا مفہوم رسالت و الوہیت کا زبانی اقرار تھا۔ اور
چونکہ زبانی اقرار کی اتنی بڑی جزا قوم کو بے عمل بنا سکتی تھی۔
اس لئے آپ نے اس حدیث کو بیان کرنے سے روک دیا تھا۔

ہمارے اس استدلال کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

"ایک مرتبہ حضورﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس ابو ہریرہ جا پہنچے ۔ حضور نے فرمایا کہ جاؤ جو شخص ملے اسے یہ بشارت دے دو  کہ کلمہ پڑھنے والا داخل جنت ہو گا۔ ابو ہریرہ وہاں سے باہر آئے تو سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب سے دوچار ہوئے اور انھیں وہ بشارت  سنائی۔ حضرت عمر نے ابو ہریرہ کی چھاتی میں ایک گھونسہ رسید کیا ۔ ابوہریرہ بھاگ کر حضور کے پاس پہنچے۔ عمر بھی پیچھے تھے۔ ابوہریرہ تکلیف کی وجہ سے رونے کو تھے۔ حضور نے واقعہ پوچھا۔ اور پھر عمر سے دریافت کیا کہ اسے کیوں پیٹا ہے ؟ کہا ، کیا آپ نے کلمہ پڑھنے پر جنت کی بشارت دی ہے؟ فرمایا ، ایسا نہ کریں۔ مبادا کہ لوگ سست ہو جائیں۔ انھیں کام کرنے دیجئے۔ حضور نے فرمایا ، بہت اچھا۔ ہم لوگوں کو کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (ملخص کتاب الایمان، جلد 1 ص 204)

اگر کلمہ پڑھنے سے مراد اسلامی کردار پیدا کرنا ہوتا تو حضرت عمر حضرت ابو ہریرہ کو کیوں پیٹتے اور حضور سے یہ کیوں کہتے "لوگوں کو سست نہ بنائیں اور انھیں کام کرنے دیں"۔

عجیب حدیث ہے کہ جو رسول 23 برس تک اصلاح اخلاق کے لئے بے اندازہ مصائب برداشت کرتے رہے۔ جو اپنے اصحاب کو کم و بیش تئیس جنگوں میں  خود لے گئے  یا بھیجا۔ جنھوں نے سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کیا۔ انھی کی زبانی ہمیں یہ بھی سنایا جاتا ہے کہ کلمہ پڑھنے والا جنتی ہے۔ اگر جنت اتنی آسان تھی تو صحابہ کو اتنی ابتلاؤں میں کیوں ڈالا۔ ان سے جان و مال کی قربانی کیوں مانگی۔ ان سے روزے کیوں رکھوائے۔ حج کیوں کروائے۔ زکوٰۃ کیوں فرض کی۔ ہر گناہ سے بچنے کی کیوں ہدایت کی۔ ساڑھے چھ ہزار آیات کی کیا ضرورت تھی؟ صرف ایک آیت کافی تھی۔ من قال لاالہ الا اللہ د خل الجنہ ۔ اگر ان احادیث کو پڑھنے کے بعد بھی آپ کی یہی رائے ہو کہ کلمہ سے مراد مکمل اسلامی کردار ہے تو ذرا اس حدیث پر غور کیجئے۔ یہ حدیث مسلم اور بخاری ہر دو میں دی ہوئی ہے۔ راوی ایک ہی ہے لیکن الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

"حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا۔ مامن عبدقال لا الہ الااللہ ثم مات علی ذالک الادخل الجنہ (جب کوئی آدمی لا الہ الااللہ کہتا ہے اور اس کی موت اسی عقیدے پہ ہو جاتی ہے تو وہ جنت میں چلا جاتا ہے)۔ میں نے پوچھا اگر وہ زانی اور چور ہو تو؟ فرمایا پھر بھی جنت میں جائے گا۔ میں نے تین مرتبہ

یہی سوال دہرایا اور آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔ اور چوتھی مرتبہ کہنے لگے۔ علی رغم الف ابی ذر[47] کہ جنت ہی میں جائے گا خواہ ابو ذر کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو" (مسلم جلد 1 ص 258)

خلاصہ یہ کہ کلمہ پڑھتا جائے اور زنا او ر سرقہ کے مزے بھی لوٹتا جائے ، سیدھا جنت میں جا پہنچے گا۔ کیا اسلامی کردار یہی ہے؟ ایک طرف تو حدیث میں لکھا ہوا ہے۔

1۔ لا یدخل الجنۃ قتات

غماز بہشت میں نہیں جائے گا۔ (مسلم جلد 1 ص 263)

2۔ تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن کلام نہ کرے گا۔ نہ انھیں دیکھے گا اور نہ گناہ معاف کرے گا۔ بلکہ انھیں سخت عذاب دے گا۔ اول غرور سے دامن گھسیٹ کر چلنے والا ۔ دوم احسان کر کے جتانے والا۔ سوم جھوٹی قسمیں کھا کر سودا بیچنے والا۔ (مسلم جلد 1 ص 264)

3۔ من اقتطع حق امر مسلم بیمبنہ فقداوجب اللہ لہ النار و حرم علیہ الجنۃ فقال لہ رجل و ان کان شیئا یسیرا قال و ان کان قضیب من اراک

جو شخص کسی مسلمان کا حق کھاتا ہے۔ اس پر جنت حرام کر دی جائے گی۔ ایک شخص نے پوچھا خواہ وہ بہت ہی تھوڑا ہو؟ فرمایا خواہ جالی کے درخت کی ایک ٹہنی ہو۔ (مسلم جلد 1 ص 283)

4۔ لا یزنی الزانی حبر یزنی و هو مومنہ ولا یسرف السارق حین لیسرق و هو مومن

زانی ، زنا کے وقت اور چور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا۔

لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے۔ کہ اگر چور اور زانی کلمہ پڑھتے رہیں تو وہ یقیناً بہشت میں جائیں گے۔

اس طرح کی احادیث وضع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اور قرآن کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کر دی جائے۔ اسے نااہل، بیکار اور نکما بنا دیا جائے۔ اور ہمیں اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ دشمن کی یہ چال نہایت کامیاب رہی۔ جس جعلساز نے یہ احادیث تراشیں تھیں وہ تو جہنم رسید ہوا لیکن اس کے لاکھوں ایجنٹ ہر زمانے میں ہر مقام پر ان احادیث کا ورد کرتے رہیں اور اپنے واعظوں اور خطبوں میں بلا ناغہ

بیان کرتے رہتے ہیں تاکہ کہیں یہ شیر قرآن کے آئینے میں اپنی اصلی صورت نہ دیکھ لیں۔ اور مُلا کے اس افسردہ و فرسودہ اسلام سے بھاگ نہ نکلے۔

ارمغان حجاز میں علامہ اقبال نے شیطان اور اس کے مشیروں کی ایک مجلس قائم کرتے ہیں جس میں بڑا شیطان چھوٹے شیطانوں سے کہتا ہے کہ خبردار مسلمان کو جاگنے نہ دینا۔تم اسے علم کلام کی مباحث ، خلق قرآن، حیات مسیح اور الہیات کے مسائل میں الجھائے رکھو اور

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے تابساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہاں بے ثبات

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر جو چھپائے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

اس طرح کے تمام داؤ وضعی احادیث میں موجود ہیں۔ بڑے مُلا نے کہا کہ حدیث وحی ہے۔ چھوٹے نے کہا کہ آمنا و صدقناً۔ اور وہ حدیثی اسلام کی تبلیغ میں نکل پڑا۔ کوئی آڑے آیا تو شور مچا دیا کہ پکڑو بھاگ نہ جائے۔ یہ قرآنیہ ہے۔ یہ اہل قرآن[48] ہے۔ یعنی قرآن سے نسبت رکھنا بھی جرم ہے۔ اس قسم کے طریقے اختیار کر کے مُلا خانہ ساز اسلام پھیلاتا رہا۔ اور اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ قرآنی اسلام کا نام تک لینا گناہ ہے۔ ساری امت دعائیں پڑھ پڑھ کر گناہ بخشوا رہی ہے۔ باتوں سے جنت خرید رہی ہے۔ گھر بیٹھے لاکھ لاکھ حج کر رہی ہے۔ تلوار چلائے بغیر لاکھوں شہیدوں کا اجر سمیٹ رہی ہے۔ جبریل پیٹ رہا کہ اور ظالمو! یہ کان کٹا اور مسخ شدہ اسلام کہاں سے لائے ہو۔ مجھے تو خدا نے نہیں دیا تھا۔اور قرآن چیخ رہا ہے کہ او دلچسپ انسانو! تم چومتے مجھے ہو، تلاوت میری کرتے ہو۔ قسم میری کھاتے ہو اور عمل کرتے ہو ایسی حدیثوں پر جو میری تعلیم کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ لیکن سنتا کون ہے۔ سچ کہا تھا علامہ اقبال نے کہ مسلمان کو چار موتوں نے گھیر رکھا ہے۔

چار مرگ اندر پئے ایں ویر میر

سود خوار والی و مُلا و پیر

مُلا س□ مراد متعصب تنگ نظر کم علم اور کوت□ اندیش واعظ و مسجد امام □□ ن□ ک□ صحیح النظر عالم □ (برق)

م□اجن اور انگریز س□ تو جان چھوٹی□ اب صرف دو باقی □یں□ مُلا اور پیر□ مسلمانان پاکستان کی فراست ترقی پر □□□ اور کوئی عجب ن□یں ک□ کچھ عرص□ ک□ بعد ان دو بیماریوں س□ بھی جان چھوٹ جائ□□

## تیرہواں باب

# لفظ "مغفرت" کی تحقیق

مغفرت کا ماخذ "غفر" ہے۔ جس کے معنی چھپانا اور ڈھانکنا ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہوتا ہے۔ جو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کوئی گناہ معاف نہیں ہو سکتا۔ البتہ چھپ سکتا ہے۔ چند مثالوں سے واضح کرتا ہوں۔

1۔ سینکڑوں ایسے صحابہ ہو گزرے ہیں جنھوں نے آغاز میں حضور کی مخالفت کی ، تکلیفیں دیں اور آپ پر چڑھائی کی۔ لیکن بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اور ان کے پچھلے گناہ اس نئے عمل میں چھپ گئے۔

2۔ آپ کو یاد ہو گا کہ قائد اعظم علیہ الرحمہ مدتوں کانگرس کے حلقہ بگوش رہے۔ لیکن بعد میں وہ مسلمانان ہند کی واحد جماعت لیگ میں شامل ہو گئے اور ان کی پچھلی غلطیاں قوم نے بھلا دیں۔ ان سے بھی زیادہ واضح امثلہ یہ ہیں۔

3۔ فرض کیجئے کہ ایک نوجوان کسی عادت بد میں مبتلا ہو کر صحت کا جنازہ نکال لیتا ہے، اور دق کے قریب جا پہنچتا ہے۔ پھر دفعتہ سنبھل جاتا ہے، بد عادات کو ترک کر دیتا ہے۔ اصول صحت پہ عمل کرنے لگ جاتا ہے۔ ہر صبح سیر کو جاتا ہے، شام کو ورزش کرتا ہے۔ صاف غذا کھاتا ہے، اور صاف ہوا میں رہتا ہے۔ اس کی صحت ترقی کرتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ ایک تنو مند اور صحیح الجسم نوجوان بن جاتا ہے۔ اس نے گویا تلافی مافات کر لی اور اس کے پچھلے گناہ چھپ گئے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پچھلا گناہ معاف ہو گیا ہے۔ اس نے ایک گناہ کیا اور اس کی باقاعدہ سزا بھگتی۔ برسوں کمزوری اور بری صحت کا شکار رہا۔ عام نضرت کا نشانہ بنا اور کئی راتیں فکر ، درد سر اور قبض کی وجہ سے بیداری میں کاٹیں۔ یہی اس گناہ کی سزا تھی جو وہ بھگت چکا۔ اب اسے نیک اعمال کا صلہ مل رہا ہے۔ بعض

گناہوں کی سزا عارضی اور وقتی ہوا کرتی ہے۔ مثلاً آپ نے بچھو کو چھیڑا اور اس نے ڈنک لگا دیا۔ زہر کا اثر ایک دو دن کے بعد ختم ہو جائے گا۔ آپ نے موڑ پر سائیکل کی رفتار تیز کر دی اور سامنے بجلی کے کھمبے سے جا ٹکرائے۔ سائیکل ٹیڑھی ہو گئی اور آپ کے گھٹنے زخمی۔ دو چار روپے سے سائیکل ٹھیک ہو جائے گی اور دو چار دن تک گھٹنے دکھ دیتے رہیں گے۔ یہی اس جرم کی سزا تھی۔ اگر اس واقعے کے بعد آپ موڑ پہ سائیکل آہستہ چلانا شروع کر دیں گے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ پچھلا گناہ معاف ہو جائے گا۔ گناہ ہو چکا۔ اور اس کی سزا مل چکی۔ یہ ایسے گناہ ہیں جن کی سزا کی میعاد بقدر گناہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن بعض گناہ ایسے بھی ہیں جن کی سزا مدتوں سہنا پڑتی ہے۔ مثلاً ایک شخص بچپن میں علم حاصل نہیں کرتا۔ اس کی یہ جہالت اسے عمر بھر ذلیل و محتاج رکھے گی۔ ایک کاہل کسان سال بھر بھوکا مرے گا اور ایک گستاخ ملازم دیروز و د رزق کے اس وسیلے کو کھو بیٹھے گا۔

4۔ ایک طالب علم سال بھر آوارہ گردی کرتا ہے اور سالانہ امتحان میں فیل ہو جاتا ہے۔ اگلے سال وہ محنت کر کے یونیورسٹی میں اول رہتا ہے۔ پہلے سال وہ اقران و اماثل میں ذلیل ہوا۔ اساتذہ نے اس پر پھٹکار اور والدین نے لعنت بھیجی۔ لیکن اگلے سال کی کامیابی نے اس کی پچھلی ناکامی کو چھپا لیا۔ میں ایک ایسے طالب علم کو جانتا ہوں جس نے بی اے میں درجہ سوم حاصل کیا تھا اور ہر وقت پیٹتا رہتا تھا کہ میرا مستقبل تاریک ہو گیا۔ اسی لڑکے نے ایم اے میں درجہ اول حاصل کر کے پچھلی کمزوری کو چھپا لیا۔ تو گویا اس کی پچھلی کوتاہیاں ڈھک گئیں۔ اور اسی کا نام مغفرت ہے۔

مغفرت کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔اول اس گناہ سے بچنا۔ دوم تلافی مافات کے لئے صحیح اور فطری کوشش۔ خرابی صحت کے لئے فطری کوشش ، عادات بد سے اجتناب اور ورزش وغیرہ ہے نہ کہ ڈھول بجانا یا سُر سے ہیر رانجھا پڑھنا۔ امتحان میں کامیابی کا علاج کتب نصاب کو پڑھنا ہے نہ کہ باہر جا کر گڑھے کھودنا۔

لیکن بعض احادیث ایسی بھی ہیں جو تلافی مافات کے لئے نہایت غیر فطری اور مضحکہ خیز تدابیر پیش کرتیں ہیں۔ مثلاً

"حضرت عثمانؓ نے چند آدمیوں کو وضو کا طریقہ بتا کر کہا کہ رسول اللہ صلعم اسی طرح وضو کیا کرتے تھے۔ جو شخص اس طرح وضو کر

کے دو رکعت نماز پڑھ لے اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں"

(ملخص بخاری جلد 1 ص 29)

مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص باپ کو قتل کر نے کے بعد وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے تو گناہ معاف۔ یا کوئی طالب علم سال بھر کام نہ کرے اور آخر میں دو رکعت نماز پڑھ لے۔ سستی کا گناہ معاف اور وہ پاس۔ یا کوئی شخص درخت سے کود کر ٹانگ تڑوا لے اور فوراً دو رکعت نفل پڑھ لے تو گناہ معاف اور ٹانگیں واپس۔

اس قسم کی حدیث گھڑنے والے یا تو ایسے کم سودا مسلمان تھے جو نہ اللہ کی عادت سے واقف تھے نہ مغفرت کے معنی سے آگاہ اور نہ تلافی مافات کے فطری تخیل سے آشنا تھے۔ جو منہ میں آیا کہہ دیا اور اسے حضور پر نور کی ذات گرامی کی طرف منسوب کر دیا۔ اور یا ایسے اعدائے اسلام جن کا مقصد ہی حضور کی علم کی توہین تھا۔

"جب نماز میں امام ولا الضالین کہے اور مقتدی آمین کہیں اور ان کی آمین کا وقت فرشتوں کی آمین کے وقت سے مل جائے۔ یعنی سب ہمنوا ہو جائیں تو ان سب کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں " (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

مسلم ، بخاری اور دیگر کتب روایات میں اس طرح کی سینکڑوں روایات ہیں جہاں چند دعاؤں کے ورد کرنے پر ساری زندگی کے گناہ معاف کئے جا رہے ہیں۔ فطرت لاکھ پکارے کہ آ میرا مطالعہ کر اور میرے قوانین کو سمجھ۔ تجربہ و مشاہدہ ہزار کہیں کہ اس قسم کی مغفرت خلاف قیاس ، خلاف عقل اور خلاف مشاہدہ ہے۔ قرآن لاکھ اعلان کرے کہ ہم ہر عمل کی جزا دیا کرتے ہیں اور ہم اپنی عادت قطعا بدلنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن مُلا دنیا سے یہی کہے جائے گا کہ صرف حدیث سچی ہے اور باقی سب کچھ غلط۔ عقل ناقابل اعتبار۔ مشاہدہ فریب نگاہ۔ اور قرآن ایک مجمل سی کتاب ہے۔ جسے حدیث کی مدد کے بغیر سمجھنا ٹھیک نہیں۔

"جب کوئی شخص وضو میں منہ دھوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سب گناہ (بیگانہ عورت کو دیکھنا وغیرہ) معاف ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کے اور پاؤں دھونے سے پاؤں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں"

(ملخص مسلم جلد 1

ص 409)

ہے کوئی ایسا گناہ جس میں ہاتھ پاؤں اور آنکھ کی مدد شامل نہ ہو؟ زنا ، چوری ، ڈاکہ، شراب نوشی، جوا، قتل سب کے سب انھی اعضاء کی مدد سے سرزد ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ وضو کیا اور دست ورد کے غبار کی طرح سب گناہ دھل کر بدر رد میں بہہ گئے۔ صرف ایک بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب وضو سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو حضور اور حضور کے خلفاء نے مسلمانوں پر زنا، سرقہ اور شراب نوشی کی حدود جاری کیوں کیں تھیں؟ جب وضو کے بعد کوئی گناہ ہی نہیں رہتا تو پھر سزا دینے کا کیا مطلب؟

گناہوں کا کتنا عجیب علاج بتایا گیا ہے کہ قتل کر لو تو ہاتھ دھو لو اور قتل معاف۔ اب خیر سے ہمارے علماء چلا رہے ہیں کہ پاکستان میں شریعت نافذ کرو اور ان کے ہاں شریعت حدیث کا نام ہے یا فقہ کا۔ اگر اسی طرح شریعت جاری ہو گئی تو پہلے دن ہی قیامت آ جائے گی۔ اس لئے کہ ہر مجرم قتل و زنا وغیرہ کے بعد ہاتھ پاؤں دھو لے گا اور سزا سے بچ جائے گا۔ اس حدیث کی رو سے عدالت تو صرف اتنا دریافت کر سکتی ہے کہ اے زانی اور خونی ! کیا قتل و زنا کے بعد تم نے وضو کر لیا تھا؟ اگر کر لیا تھا تو جاؤ عیش اڑاؤ۔ اور پولیس کو ہدایات نافذ ہوں گی کہ دنیا کے ہر مسلمان کو ہر وقت نظر میں رکھو ، جو ں ہی وہ گناہ کرے اسے فوراً گرفتار کر لو اور وضو نہ کرنے دو، ورنہ یہ شخص فرشتوں کی طرح معصوم اور حوروں کی طرح پاک دامن بن جائے گا اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

## چودھواں باب

# مسئلہ شفاعت

قرآن حکیم کے طور عرض میں کہیں بھی مذکور نہیں کہ آنحضرت صلعم محشر میں شفاعت کریں گے۔ البتہ دنیا میں استغفار کا ذکر ضرور ہے۔

"اگر یہ لوگ مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت مانگے تو پھر یہ اللہ کو تواب و رحیم پائیں گے" (قرآن)۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تلافی مافات کے لئے کمر بستہ ہو جائیں اور حضور ان کی رہبری فرمائیں تو ان کے پچھلے گناہ چھپ جائیں گے۔ اس مضمون کے علاوہ شفاعت حضور کا کوئی اور تخیل قرآن میں موجود نہیں۔ بلکہ عدم شفاعت پر جابجا اشارے ملتے ہیں۔مثلاً

واتقو ایوما لاتجری نفس عن نفس شیئا و لا یقبل عنہا شفاعہ و لا یوخذ منھا عدل و لا ھم ینصرون (قرآن)۔

اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص اپنے آپ کو پیش کر کے دوسرے کو نہیں بچا سکے گا۔ جب کوئی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ نہ جرمانہ دے کر جان بخشی ہو گی اور نہ کسی قسم کی مدد مجرم کے کام آ سکے گی۔

ما للظالمین لھین من حمیم و لا شفیع (قرآن)

قیامت کے دن ظالموں کے لئے نہ کوئی شفیع ہو گا نہ حمایتی۔

خود آنحضرت صلعم کے کئی اقوال اس موضوع پر موجود ہیں۔

یا فاطمہ بنت محمد و یا صفیہ بنت عبدالمطلب و یا بنی عبدالمطلب لا املک لکم من اللہ شیئا سلونی من مالی ماشئتم

اے فاطمہ بنت محمد۔ اے صفیہ بنت عبدالمطلب اور آل عبدالمطلب۔ یاد رکھو کہ میں اللہ کے دربار میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ ہاں اگر مال درکار ہے تو جو کچھ میرے موجود ہے ، لے لو۔(مسلم جلد 1 ص 272)

یہ حدیث قرآن کے عین مطابق ہے۔ جب ہر عمل کا صلہ مقرر ہو چکا ہے جس میں کمی بیشی کی گنجائش ہی نہیں اور جب ازل سے اللہ تعالیٰ اسی نہج پر مصروف عمل ہے اور باربار کہہ چکا ہے کہ ہم اپنے طریقوں کو بدلنے کے لئے تیار نہیں تو پھر شفاعت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح مریض کی سب سے بڑی سفارش موزوں دوا اور ہدایات طبیب کی پابندی ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے سب سے بڑی شفاعت احکام رسول کی تعمیل ہے۔ جس طرح ایک بد احتیاط مریض کو طبیب کی کوئی آرزو یا دعا مرض سے نہیں بچا نہیں سکتی اسی طرح ایک نافرمان کے لئے حضور کی کوئی دعا یا سفارش مفید نہیں ہو سکتی۔

"اگر تم منافقین کے لئے ستر مرتبہ بھی سفارش پھر بھی ہم نہیں سنیں گے " (قرآن)

حضور نے ام زبیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا

لا املک لکما من اللہ شبئا سلانی من سالی ما شئتما

میں تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا۔ البتہ میرا مال اگر ضرورت ہو تو حاضر ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 154)

یہ تو تھا اس مسئلے کا قابل قبول اور قرآنی پہلو۔ اب ذرا محدثین  کا نقطہ نگاہ ملاحظہ کیجئے۔

"ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے لوگ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور شفاعت کی التجا کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں نے تو دانہ گندم کھا لیا تھا  اس لئے اللہ کے سامنے جانے سے ڈرتا ہوں پھر ابراہیم کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں نے  تو تین جھوٹ بولے تھے اس لئے مجھے معاف کرو۔ اس کے بعد  موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں نے قبطی کو قتل کیا تھا۔ اس لئے خدا کے سامنے جانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ پھر عیسیٰ کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ نفسی نفسی تم محمد کے پاس جاؤ۔ آخر میں لوگ حضور صلعم کے پاس جائیں گے اور آپ اللہ کے حضور روانہ ہو جائیں گے ۔۔۔۔ الخ " (ملخص مسلم جلد 1 ص 372)

کیا دلچسپ حدیث ہے کہ رسول خدام صلعم کو اس ابراہیم سے بھی بڑا بنا دیا جن کی اتباع کا آپ کو بار بار حکم دیا گیا تھا۔ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا (تم موحد ابراہیم کے آثار قدم پر چلو) اور آپ پر تین جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگا دیا۔ اچھا مان لیا کہ آدم نے دانہ گندم کھایا تھا۔ ابراہیم نے تین جھوٹ بولے تھے۔ موسیٰ نے قتل کیا تھا لیکن عیسیٰ نے کیا قصور کیا تھا کہ انھیں شفاعت کی اجازت نہ مل سکی۔ اور نوح ، ادریس، زکریا، یحیی، ہارون، یونس، اور یوسف علیہ السلام میں کیا کمی تھی؟

عن ابو ہریرۃ قیل یا رسول اللہ من اکرم الناس قال اتقاھم فقالو اللیس عن ھدا نساءلک قال فیوسف نبی اللہ

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ کسی نے پوچھا کہ دنیا کا بہترین انسان کون ہے؟ فرمایا سب سے بڑا پرہیزگار؟ کہا میرے سوال کا یہ مطلب نہیں تھا۔ فرمایا تو پھر یوسف علیہ السلام۔حیرت ہے کہ اس اہم کام یعنی شفاعت کے لئے دنیا کا بہترین انسان کیوں منتخب نہ ہو سکا۔ اور کیوں حضرت ابو ہریرہ نے شفیعوں کی فہرست سے آپ کا نام کاٹ دیا۔

اگر کسی طالب علم کو ایک سال پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ امتحان میں کچھ لکھے یا نہ لکھے ، بہر رنگ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ تو وہ یقیناً کام چھوڑ کر آوارہ گردی شروع کر دے گا۔ احادیث شفاعت میں اس قسم کا وعدہ آنحضرت صلعم سے بھی کیا جا چکا ہے۔

۔۔۔۔فقال اللہ یا جبریل اذھب الی محمد فقل انا سنر ضیک فی امتک و لا نسئوک

رسول اللہ ر و رہے تھے۔۔۔ کہ اللہ نے جبریل سے کہا اے جبریل ! محمد کے پاس جاؤ اور انھیں ہماری طرف سے کہو کہ ہم تمھیں تمھاری امت کے متعلق خوش کریں گے اور مغموم نہ ہونے دیں گے ۔ (مسلم جلد1 ص 372)

اس وعدہ کی رو سے ہم سب کو جنت میں تو پہنچ ہی جانا ہے۔ پھر کام کیوں کریں، نمازیں کیوں پڑھیں، روزے کیوں رکھیں۔ اور جہاد کے خوفناک مصائب کیوں برداشت کریں۔

## پندرہواں باب

# قرآن سے متصادم احادیث

بخاری و مسلم میں ایسی احادیث کی کمی نہیں جو قرآن سے متصادم ہوتی ہیں۔ مثلاً قرآن میں مذکور ہے۔

انا ھدیناہ السبیل اما شاکر او اما کفورا

ہم نے انسان کو صحیح راہ دکھا دی ہے۔ اب وہ چاہے تو سیدھا راستہ اختیار کرے یا اُلٹا۔ (قرآن)

من شآء فلیو من و من شآء فلیکفر

جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر رہے (قرآن)۔

انما انت مذکر لست علیھم بمسیطر

آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ آپ ان پر داروغہ نہیں لگائے گئے (قرآن)

لعلک یاجع نفسک ان لایکونوا مومنین

کیا اس فکر میں تم خود کشی کر لو گے کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ؟ (قرآن)۔

لآ اکراہ فی الدین

دین میں کوئی جبر نہیں (قرآن)

ایک حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قلمرو میں امن قائم کرنے کے لئے جرائم کا استیصال کرے۔ اگر کسی سلطنت میں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہوں، کسی عورت کی عصمت محفوظ نہ ہو اور بات بات پہ قتل ہوتے ہوں تو وہاں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اور فرمانروا کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ رعایا کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے۔

اس کو انگریزی میں (To enforce law and order) کہتے ہیں یعنی
ملک میں تلوار کے زور سے قانون نافذ کرنا۔ امن کی خاطر چند قوانین
کو بزور شمشیر اپنی سلطنت میں نافذ کرنا الگ چیز ہے۔ اور کسی کو
جبر سے مسلمان بنانا الگ چیز۔ انگریز اپنے دور حکومت میں قانون کا
احترام کرانے کے لئے ہر قسم کی سختی کرتے رہے۔ لیکن کسی گورنر نے
ہمیں عیسائی بننے کے لئے کبھی مجبور نہیں کیا تھا اس نازک فرق کو
سمجھنے کے بعد اب یہ آیت پڑھئیے۔

وقاتلو هم حتى لا تكون فتنہ و تكون الدين كلنہ اللہ

تم کفار سے اس وقت تک لڑو جب تک بد امنی ختم نہ ہو جائے اور
ہمارا قانون قلمرو میں نافذ نہ ہو جائے۔ (قرآن)

مطلب یہ کہ دین کے دو معنی ہیں ۔ اول سارا ضابطہ اسلامی۔ دوم
اس ضابطہ کا وہ حصہ جس کا نفاذ قلمرو میں قیام امن کے لئے
ضروری ہے۔ لآ اکراہ فی الدین میں دین سے مراد سارا قرآن ہے۔اور
دوسری آیت میں وہ حصہ جو قیام امن کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے ان
آیات میں کوئی تضاد نہیں۔

اب یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

اول: امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوان لآ الہ الا اللہ و ان
محمد الرسول اللہ و یقیمو الصلواۃ و یو توالزکوٰۃ فاذ
افعلواذلک عصموا منی اموالهم و دما هم الابحق الاسلام و
حسابهم علی اللہ

مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب
تک کہ وہ خدا کو ایک مان کر میری رسالت کا اقرار نہ کریں اور صلوۃ
و زکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں۔ اگر وہ ان باتوں کو مان لیں تو پھر میں
ان کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ ہاں جان و مال
میں اللہ کے حقوق کسی طرح ساقط نہیں ہوں گے۔ (بخاری جلد 1 ص
8)

یہ حدیث کئی طرح سے محل نظر ہے۔

اول: قرآن کریم نے بدامنی کے روکنے اور مظالم کے انسداد کے لئے جہاد
کا حکم دیا ہے۔ نہ کہ قرآن کی تعلیم زبردستی منوانے کے لئے۔ قرآن
میں بار بار یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ ظالموں، بد عہدوں اور فتنہ

پردازوں سے لڑو۔ لیکن اگر مندرجہ ذیل چار صورتوں میں سے کوئی پیدا ہو جائے تو جنگ ختم کر دو۔

1۔ جب فتنہ اور بد امنی ختم ہو جائے۔

2۔ جب دشمن سے صلح ہو جائے۔

و ان جنحو اللسلم فا جنح ۔ اگر وہ صلح چاہیں تو ان سے صلح کر لو۔

3۔جب وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائے۔

حتیٰ یعطو الجزیہ عن ید وھم صاغرون

یہاں تک کہ وہ ہار مان کر جزیہ دینے پہ راضی ہو جائیں۔

4۔ جب وہ اسلام قبول کر لے۔

فان تابوا و اقاموا الصلواۃ و اتو الزکوٰۃ فخلو سبیلھم

اور اگر وہ توبہ کرنے کے بعد صلواۃ و زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں تو پھر ان کے راستے سے ہٹ جاؤ

سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین کے خلاف اعلان جنگ کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ یہ کہ انہوں نے تمام معاہدات توڑ دئیے تھے۔

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانکم الخ

تم ان مشرکوں سے کیوں جنگ نہیں کرتے جنھوں نے سارے معاہدات توڑ ڈالے ہیں۔ (سورہ توبہ)

اور جن مشرکین نے معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کی تھی ان کے متعلق کہا گیا

فانموا الیھم کہ تم بھی ان معاہدوں کو پورا کرو۔

اور ساتھ ہی یہ رعایت دی گئی کہ

"اگر کوئی مشرک تمھارے ہاں پناہ لینے آئے تو انکار نہ کرو" (قرآن)

چونکہ یہ حدیث لوگوں کو بہ جبر مسلمان بنانے کے لئے جہاد کا حکم دیتی ہے۔

اور قرآن کی تعلیم سے متصادم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی صحت مشتبہ ہے۔

دوم: حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل کو اہل بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا (بخاری جلد 2 ص 131) حالانکہ وہ غیر مسلم تھے اور اس حدیث کی رو سے ان کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تھا۔

سوم: حضور علیہ السلام نے جنگ خیبر میں حضرت علی سے فرمایا تھا کہ

ثم ادعهم الی الاسلام ان یهدی بک رجلا خیر لک من حمر النعم

اور پھر تم انھیں اسلام کی طرف دعوت دو اور یاد رکھو کہ ایک انسان کا ہدایت پا جانا تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 112)

یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم کو قتل کر دو اور جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے جنگ جاری رکھو۔

چہارم: موطا میں مذکور ہے کہ

"ایک اعرابی نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور پھر کہنے لگا میں بیعت توڑتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی التجا دہرائی۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جہاں خالص دھات باقی رہ جاتی ہے اور کثافت نکل جاتی ہے" (موطا ص 359)

اس موقع پر حضور نے اس مرتد سے جنگ نہیں کی بلکہ خاموش رہے۔ جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں کسی کا مذہب بہ جبر تبدیل کرنے کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔ اور اس لئے حدیث زیر نظر وضعی ہے۔ اور درج ذیل حدیث بھی

من بدل دینہ فاقتلو

جو شخص اسلام کو چھوڑ جائے اسے مار ڈالو۔ (بخاری جلد 2 ص 113)

## سولہواں باب

# غلامی اور اسلام

لارڈ ہیڈلے فاروق جب مسلمان ہوئے، تو آپ نے انگلستان کی مسجد میں تقریر کی جس میں اسلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں کہا

"قرآن میں ایک نقص بھی ہے کہ وہ حکومت کرنے کے تو سب گُر بتاتا ہے لیکن یہ گُر نہیں بتاتا کہ اگر مسلمان غلام ہو جائے تو وہ کیا کرے۔ سارے قرآن میں غلام مسلمان کے لئے ایک بھی ہدایت موجود نہیں"

بدیگر الفاظ لارڈ فاروق یہ کہہ گئے کہ قرآن جانبازوں کا دستور العمل ہے نہ کہ غلاموں کا۔ اور اس مقدس کتاب پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ آقائی و فرمانروائی ہے ۔ لارڈ فاروق کی تائید میں سارا قرآن پیش کیا جا سکتا ہے۔

وعداللہ الذین آمنوا و عملو الصالحات منکم لیستخلفنهم فی الارض

ہم ان اہل ایمان سے جن کے عمل صالح (حکومت کی صلاحیت پیدا کرنے والے ) ہوں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انھیں سلطنت دیں گے۔

ولقد تتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارضیرثها عبادی الصالحون

اور ہم نے قانون زندگی کی تفصیل کے بعد (داؤد کی) کتاب زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے وہ بندے ہوں گے جن کے اعمال صالح ہوں گے۔ (قرآن)

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

اگر تمھارا ایمان قائم رہا تو تم ہی سر بلند ہو گے (قرآن)۔

ان الارض للہ لور ثما من تسنا من عبادہ و العاقبۃ للمتقین

اللہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے لیکن عاقبت کار فتح اہل تقویٰ کو ہوا کرتی ہے۔ (قرآن)

واللہ ید عو الی دارالسلام

خدا ایک زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے جس میں خوف نہ ہو (قرآن)۔

یعنی غلامی کا خوف ، بھوک خوف ، گناہ کا خوف اور احتیاج کا خوف۔

ان حزب اللہ هم الغلبون

اللہ کی جماعت دنیا میں ، یقیناً غالب رہے گی ۔ (قرآن)۔

کہاں تک لکھوں اس مضمون پہ دس بیس نہیں سینکڑوں آیات موجود ہیں۔ قرآن کی یہی وہ تعلیم تھی جس سے ہمارے دشمن خوف کھایا کرتے تھے۔ عصر حاضر کا مشہور مصنف ایچ۔جی۔ویلز اپنی کتاب "تاریخ الاقوام" میں لکھتا ہے۔

"گو اس وقت دنیا کے مسلمان بھوکے ، پراگندہ، جاہل اور سخت کمزور ہیں۔ لیکن ان کے پاس ایک زبردست انقلابی کتاب موجود ہے جو انھیں کسی وقت بھی نئی زندگی دے کر دنیا کی خوفناک طاقت بنا سکتی ہے" ۔۔۔ ملخص۔

اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم ہمارا شکار کھیل رہی ہے۔ ہمیں خریدنے کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ہمیں کچلنے کے لئے گہرے منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ ہمیں سلانے کے لئے موثر مسکرات تیار کئے جاتے ہیں۔ اور ہمیں اس منبع قوت و ہیبت یعنی قرآن سے دور رکھنے کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔ انگریز نے اپنی حکومت میں اس زبان کو ہی ختم کر دیا جس میں قرآن لکھا ہوا تھا۔ تسبیح و قوالی والے پیروں کو ہم پہ مسلط کر دیا۔ اہل دل کو نظر بند کر دیا۔ اور جاہل واعظین کو چھٹی دے دی کہ دیہات میں پھر پھر کر ہمارے عقائد کا حلیہ بگاڑتے پھریں۔ اور یہ قدم صرف انگریزوں ہی نے نہیں اٹھایا بلکہ آج سے تیرہ سو سال پہلے شہنشاہ روما بھی اسی قسم کے وسائل سے کام لیتے تھے۔ انھوں نے بےشمار علماء خرید رکھے تھے۔ جن کا کام احادیث تراشی تھا تاکہ مسلمان قرآن سے کٹ کر اس نئے اسلام کا گرویدہ ہو جائے اور آئے دن کے حملوں سے ان کی جان چھوٹ جائے۔ حدیث ذیل کچھ ایسے ہی حالات کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔

للعبد الصالح المملوک اجران و الذی نفسی بیدہ لولا الجهاد فی سبیل اللہ و الحج [49] □□□لا جبت ان امرت و انا مملوک

ایک نیک غلام دگنے اجر کا مستحق ہے۔ اللہ کی قسم اگر جہاد و حج مانع نہ ہوتے تو میں موت تک غلام رہنا پسند کرتا۔ (بخاری جلد 2 ص 56)

تو گویا حدیث یہ کہتی رہی ہے کہ بہترین زندگی دوسروں کی غلامی ہے۔ یعنی ان کے پنکھے کھینچنا، لکڑیاں کاٹنا، بوجھ اٹھانا، پانی بھرنا، اور ہل جوتنا۔

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب

کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

(اقبالؒ)

## سترہواں باب

# تقدیر

تقدیر کا ماخذ ہے "قدر" جس کے معنی ہیں تولنا ، ناپنا ، معین کرنا۔ اللہ نے تخلیق اعمال کے بعد ہر عمل کو تولا ناپا اور ایک صلہ ہمیشہ کے لئے معین کر دیا۔ جو اس عمل سے کسی صورت بھی علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر زمانے میں کاہلی کا نتیجہ ناکامی، محنت کا کامیابی، بد اعمالی کا رسوائی، جہالت کا ذلت، علم کا عزت، عبادت کا پاکیزگی، اور بلند کردار کا رفعت رہا ہے۔ یہ نتائج کسی قوم، کسی عقیدے، کسی دعا، کسی منتر، کسی چلے یا کسی عبادت کی وجہ سے نہ آج تک بدلے نہ آئندہ بدلیں گے۔ انسان اعمال کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ چاہے تو شریف بنے یا شریر، محنتی بنے یا کاہل لیکن نتائج بھگتنے پر مجبور ہے۔ یہی "تقدیر" ہے۔ اور اسی کا نام "قضائے الٰہی" ہے۔ انسان اپنی تقدیر کا معمار خود ہے۔ وہ صرف اپنی کوششوں کا پھل پاتا ہے۔ اور اپنی تباہ کاریوں سے نقصان اٹھاتا ہے۔

لیس للانسان الا ما سعی و ان سعیہ سوف یری

انسان کو صرف اپنی کوششوں کا پھل ملتا ہے۔ اور اس کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ (قرآن)

انا لا تضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی

ہم کسی محنتی مرد یا عورت کی محنت کبھی برباد نہیں جانے دیتے۔ (قرآن)

اس مضمون پر قرآن میں بیسیوں آیتیں موجود ہیں۔ اور نوع انسانی کی ہزار سالہ تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ دنیا دارالمکافات ہے۔ جہاں صرف اپنی محنت کام آتی ہے۔ اور بے عملے بد عملے کاہل اور سہل انگار افراد قوم کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

ہمارا پنا مشاہدہ بھی یہی ہے کہ ایک نکما طالب علم آج تک کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ ایک بدکار کبھی معزز نہیں بن سکا۔ ایک چرسی افیونی کبھی عمدہ صحت کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکا۔ اور ایک بزدل فوج کبھی میدان نہ جیت سکی۔ الغرض قرآن تاریخ اور مشاہدہ ببانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ انسان انتخاب اعمال میں آزاد ہے لیکن نتائج اعمال برداشت کرنے پر مجبور۔ ہر قوم کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو بلند اعمال کی بدولت دنیا کی مالک بن جائے اور چاہے تو پست کرداری کی وجہ سے جہاں بھر میں رسوا ہو جائے۔

کافر ہے تو تقدیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

(اقبال)

یہ تھا تقدیر کا قرآنی تخیل۔ اب ذرا حدیثی تخیل ملاحظہ ہو۔

"حضور صلعم فرماتے ہیں کہ نطفہ رحم میں پہنچ کر چالیس دن کے بعد منجمد سا خون بنتا ہے۔ پھر وہ لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے کہ جاؤ اور اس لوتھڑے کے اعمال زندگی ، رزق موت اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ ابھی لکھ لو۔ اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے" ۔۔۔ الخ

(ملخص بخاری جلد 2
ص 138)

اس حدیث تراش نے یہ نہ بتایا کہ جب ایک شخص کے اعمال اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی ہو جاتا ہے تو پھر اللہ نے انسانی ہدایت کے لئے اتنے پیغمبر کیوں بھیجے۔ بے شمار اقوام کو غرق کیوں کیا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا کیوں حکم دیا۔ جب خود اللہ اس کی تقدیر میں چوری لکھ چکا تھا تو پھر یہ غریب اللہ کی تحریر کو کیسے مٹا سکتا تھا۔ اس کی مشیت اور مرضی کے خلاف کیسے جا سکتا تھا۔ ان حالات میں اسے سزا دینے کا مطلب؟ خود ہی فیصلہ کرنا کہ چوری کرو اور جب وہ اس فیصلے کو عملی شکل دے چکے تو حکم دے دینا کہ اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ عجب مذاق ہے۔ کسی کو ہدایت دے کر جنت میں بھیجنا اور کسی کو گمراہ کر کے جہنم کے حوالے کر نا ، بے انصافی کی انتہا ہے۔ کسی کو نیک بنا کر تخت سلطنت پر بٹھانا اور کسی کو چور بنا کر اس کے سامنے سزا کے لئے

پیش کرنا۔ عجیب ستم ظریفی ہے۔ یہ سب الجھنیں اس لئے پیدا
ہوئیں کہ ہم نے قرآنی تقدیر کو چھوڑ کر حدیثی تقدیر کا تخیل اپنا لیا
اور پھر لگے اتھاہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے۔

آج ساری دنیائے اسلام حدیثی تقدیر کے مہلک تصور میں گرفتار ہے۔
ہر جگہ پٹ رہی ہے ۔ ہر مقام پر رسوا ہو رہی ہے۔ اور پھر بھی
اس دھن میں مست ہے کہ اللہ کی مرضی یہی تھی۔ میں کیا کر سکتا
ہوں۔ ابے او مخبوط الحواس ! تو اپنی جہالت کاہلی ، کام چوری،
غلاظت ، بد کرداری اور بد عقیدتی کو خدا کی مرضی بنائے پھرتا ہے۔
خدا کی مرضی کی تفصیل قرآن میں درج ہے اور تو اسے دیکھتا نہیں۔
دیکھتا ہے تو سمجھتا نہیں۔ کیا اللہ نے ایک ہزار سے زیادہ مرتبہ قرآن
میں نہیں کہا کہ بلند اعمال کا صلہ بلند اور پست اعمال کا صلہ پست
ہے۔ یہ خدا کی مرضی کی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اے سوئے ہوئے
مسلمان ! اٹھ جاگ اوہام و عقائد کے یہ سنہرے سلاسل توڑ دے اور
شمشیر عمل ہاتھ میں لے کر آگے بڑھ دیکھ مدت سے دنیا کے میدان
تیرا انتظار کر رہے ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی

روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

صورت شمشیر ہے ، دست قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں روح کا عمل کا حساب

## اٹھارہواں باب

# متضاد حدیث

## (پیاری ماں)

مرد اور عورت کے فرائض حیات پر اگر نظر ڈالی جائے تو عورت بظاہر نہایت دکھیا نظر آتی ہے۔ جب تک وہ بیٹی ہوتی ہے، صبح سے شام تک گھر بار کے کام میں مصروف رہتی ہے۔ یہ ہانڈی ،یہ چکی ، یہ صفائی، یہ برتن مانجھنا ، یہ کپڑے دھونا، یہ سب کو کھانا کھلانا، بستر لگانا وغیرہ وغیرہ۔ کب ساری دنیا کھا پی کے سوئے کہ اس بیچاری کو بھی چند لمحات کے لئے آرام نصیب ہو۔ ماں بنی تو جھمیلے بڑھ گئے۔ نو ماہ تک کئی سیر بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھرنا۔ وضع حمل کی چیخیں اور کراہیں۔ دو سال تک بچے کو ہر روز سیروں خون پلانا۔ جاڑے کی راتوں میں بار بار اٹھ کر بچے کا پیشاب اور پاخانہ دھونا۔ خدا خدا کر کے ایک چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اوپر سے دوسرا آ گیا۔ پھر وہی مصیبتیں، وہی دو سال کا نہایت پریشان کن زمانہ۔ گھر کا کام کاج علاوہ۔ بچے کو سنبھالے کہ ہانڈی پکائے۔ جھاڑ پونچھ کرے کہ روٹی تیار کرے۔ پانی بھرے کہ کپڑے دھوئے۔ دودھ بلوئے کہ برتن مانجھے۔ ایک جان اور لاکھوں بکھیڑے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ایک بچے کا پالنا آرام و جان کی بڑی قربانی مانگتا ہے۔ اور یہ مخلص پیکر ایثار اور مجسم محبت اس مشکل فرض کو اس تندہی اور خوبی سے سرانجام دیتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اس پر لاکھوں جنتیں قربان کر دی جائیں۔

"ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند عورتوں نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ کا تمام تر وقت مردوں کی تہذیب و اصلاح میں گذر جاتا ہے اور ہم آپ کے ارشادات سے محروم رہتی ہیں۔ اس لئے

ایک دن نکال کر ہمیں بھی مستفیذ ہونے کا موقع عطا فرمائیے۔ حضور
نے یہ التجا منظور فرما لی۔ اور عورتوں کے ایک مجمع کو خطاب کیا۔
دوران تقریر فرمایا کہ جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں گے اللہ
اسے نار جہنم سے بچا لے گا۔ ایک عورت کہنے لگی اور دو بچوں والی؟
فرمایا دو والی بھی جنت میں جائے گی " (بخاری جلد 1 ص 20)

بالکل درست فرمایا تھا حضور نے۔ سارا قرآن شاہد ہے کہ انسانی
خدمت بہت بڑے اجر کی کی مستحق ہے۔ تو کیا بچوں کی تولید و
تربیت انسانی خدمت نہیں؟ کیا بچے انسان نہیں ہوتا؟ کسی اندھے کو
راہ دکھانا۔ کسی پیاسے کو پانی پلانا۔ کسی بھوکے کو روٹی کھلانا۔
کسی مریض کے لئے ہسپتال سے دوا لے آنا۔ کسی یتیم کو دو کپڑے سلا
دینا۔ اور کسی ضعیف کو سہارا دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر
مشکل اور نہایت مشکل ہے تو بچے کو نو ماہ تک اٹھائے پھرنا۔ موت و
حیات کے اتصالی نقاط پر پہنچ کر اسے جنم دینا۔ دو سال خون پلانا اور
زندگی بھر اس پہ قربان ہوتے رہنا۔ اندازہ کیجئے کہ انسانی خدمت کا
یہ کتنا لاجواب شاہکار ہے۔ اگر حضور نے دو بچوں والی ماں کو جنت
کی بشارت دے دی تھی تو حقیقتاً اس جاں گداز خدمات اور ان کی
وفات پہ اس کے صبر کا نہایت موزوں و مناسب صلہ تجویز فرمایا تھا۔

اس کائنات میں سب سے گراں بہا متاع بے لوث محبت ہے۔ محبت کی
کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً مال و زر سے محبت۔ اپنے آپ سے محبت۔
حسن سے محبت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن محبت کی ان تمام اقسام کے
پیچھے چند اغراض کارفرما ہوتی ہیں۔ اگر کوئی محبت ان تمام
کثافتوں سے پاک ، اور ہر قسم کی آلائشوں سے صاف ہوا کرتی ہے تو
وہ ہے ماں کی محبت۔ وہ دیکھو مرغی کے بچے پہ چیل جھپٹی۔ کس
بے قراری کے ساتھ مرغی شور مچاتی ہوئی ہوا میں اڑی ، اس کی
کلغی اڑ گئی اور ایک آنکھ چر گئی لیکن اس نے اپنے لخت جگر کو موت
کے پنجے سے بچا ہی لیا۔ کیا اس بچے سے مرغی کی کوئی غرض
وابستہ تھی؟ نہیں صرف مامتا ۔ یعنی محبت کی خاطر محبت۔ اور
قربانی کی خاطر قربانی۔ میرا یہ دعوی ہے کہ محبت کی یہ پاکیزگی
ماں کے سوا کہیں اور قطعی نہیں ملتی۔ چونکہ باب جنت کی کلید
صرف محبت ہے۔ اللہ سے محبت اور اس کی کائنات سے محبت اور
محبت کا سب سے بڑا خزانہ ماں ہے۔اس لئے وہ لوگ یقیناً جنتی ہیں
جو ماں سے یہ جوہر وراثت میں پا کر ساری کائنات کے لئے محبت و
رحمت بن جاتے ہیں۔ درست فرمایا تھا مخبر صادق صلی اللہ علیہ
وسلم نے

## الجنۃ تحت اقدام امھا تکم

جنت تمھاری ماؤں کے پاؤں تلے ہے

عورت کی عظمت و رفعت کا کتنا شاندار اعتراف ہے۔ ہمیں یورپ طعنہ دیتا ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی چار دیواری میں بند کر رکھا ہے۔ اسے مرد کا غلام بنا دیا ہے اور معاشرت میں اس کو موزوں مقام حاصل کرنے سے روک دیا ہے۔ خود یورپ نے عورت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ اسے نیم برہنہ کر کے کلبوں اور تفریح گاہوں میں غیر مردوں کے ساتھ ناچ کی کھلی چھٹی دے دی ہے۔ لیکن دوسری طرف اسلام نے جنت کی لازوال بہاریں اس کے پاؤں پہ قربان کر ڈالیں۔ کہو عورت کو کس نے بلند کیا ، اسلام نے یا یورپ نے؟

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ

کہ میں ہوں محرم راز درون میخانہ

ایک طرف تو عورت کی عظمت کا یہ حقیقت افروز اعتراف اور دوسری طرف اس پرستار محبت کی یہ توہین کہ

## رایت النار فاذااکثر اھلھا النساء

آنحضرت فرماتے ہیں کہ میں نے جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر آبادی عورتوں کی نظر آئی۔(بخاری جلد 1 ص 9)

یعنی ایک طرف تو دو بچوں والی ماؤں کو جنتی بنایا جا رہا ہے بلکہ ساری جنت ماں کے قدموں میں پھینکی جا رہی ہے اور دوسری طرف اس کے جہنمی ہونے کا بھی ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔چوریاں کریں تو مرد ، ڈاکے ڈالیں تو مرد، جیبیں کتریں تو مرد ، قتل کریں تو مرد، بغاوت کی آگ بھڑکائیں تو مرد، جوا کھیلیں تو مرد، بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کریں تو مرد (مشرقی پنجاب کے واقعات یاد کرو) لیکن جہنم میں جائیں تو عورتیں کیوں ؟ کیا اللہ کے عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے ؟

<u>آگ سے عذاب دینا</u> "ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کرنے سے پہلے فرمایا کہ اگر فلاں فلاں تمھیں مل جائیں تو انھیں آگ میں جلا دینا۔ اور جب ہم چل پڑے تو کہا ان لوگوں کو جلانا مت بلکہ قتل کر ڈالنا۔ اس لئے کہ آگ سے عذاب دینا صرف اللہ کا کام ہے (بخاری جلد 2 ص 13)

لیکن

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ چند آدمی مدینہ میں آ کر بیمار ہو گئے۔ حضور نے انھیں اجازت دی کہ وہ سرکاری اونٹنیوں کا دودھ پئیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ شفا یاب ہو کر ترو تازہ ہو گئے تو انھوں نے رکھوالے کو مار ڈالا، اور اونٹنیوں کو ہانک کر چل دئیے۔ جب یہ خبر آنحضرت تک پہنچی تو انھوں نے کچھ آدمی روانہ کئے جو انھیں پکڑ کر لے آئے۔ آپ نے انھیں مندرجہ ذیل سزائیں دیں۔

الف۔ پہلے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔

ب۔ پھر لوہے کی سلاخیں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیریں۔

ج۔ اس کے بعد انھیں گرم ریت پر پھینک دیا۔ وہ تڑپ تڑپ کر پانی مانگتے رہے۔ لیکن کسی نے نہ دیا۔ اور ہلاک ہو گئے۔ (ملخص بخاری جلد 2 ص 113)

یہ بے رحمی رحمۃ اللعلمین کی شان سے بعید ہے۔ مزید براں قرآن نے قاتل کے لئے صرف سزائے موت تجویز کی ہے۔ نہ کہ یہ تین سزائیں بیت وقت۔ ہاں باغیوں کے لئے چار سزائیں مقرر ہیں۔

ان يقتلوااويصليوااو تقطع ايديهم و ارجلهم من خلاف او ينفومن الارض

کہ وہ یا تو قتل کر دیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا جائے اور یا جلا وطن کر دئیے جائیں۔

لیکن ان چار سزاؤں میں سے صرف ایک کی اجازت ہے۔ اللہ کا ارشاد واضح ہے کہ یا یہ سزا دو اور یا وہ۔ خود حضور کا ارشاد موجود ہے کہ آگ سے عذاب دینا صرف اللہ کا کام ہے ۔ پھر گرم سلاخوں سے آنکھیں کیوں نکالی گئیں ؟

کیا گھوڑا منحوس ہے؟ ہم گذشتہ صفحات میں یہ حدیث لکھ چکے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانی کو قیامت تک مبارک قرار دیا ہے" قرآن حکیم میں بھی گھوڑے پالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حضور نے خود بھی ایک گھوڑا پال رکھا تھا۔

"حضرت سہیل فرماتے ہیں کہ کان للنبی فی حایطنافرس یقال لہ اللحیف کہ ہمارے ہاں حضور کا ایک گھوڑا بندھا رہتا تھا جس کا نام لحیف تھا" (تجرید البخاری ص 539 طبع دین محمدی الیکٹرک پریس لاہور)

لیکن عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا

انما الشؤم فی ثلثہ فی الفرس و المراۃ و الدار

تین چیزیں منحوس ہیں۔ گھوڑا ، عورت اور مکان۔ (تجرید البخاری ص 540)

اس ارشاد کا مقصد تو یہی ہو سکتا ہے کہ لوگ ان منحوس چیزوں سے بچیں لیکن لوگ کیسے بچ سکتے تھے۔ جب خود حضور کے پاس ایک گھوڑا ، گیارہ بیویاں اور نو مکانات موجود تھے۔ اگر کوئی عقلمند ہم سے پوچھ بیٹھے کہ کیا یہ قول اسی رسول کا ہے جس نے ماؤں کے قدموں میں جنت کا پتہ دیا تھا، اور جس نے فرمایا تھا کہ "نکاح میری سنت ہے ، جو اس سنت کو چھوڑے گا وہ ہم سے کٹ جائے گا" تو ہم کیا جواب دیں گے۔ پھر یہ بھی تو واضح کیا ہوتا کہ یہ تین چیزیں منحوس کیوں ہیں کیا جن عورتوں نے لاکھوں انبیاء کو پیدا کیا ، جن کی گود میں لقمان و افلاطون کھیلے۔ جنھوں نے اتاترک، قائد اعظم ، اقبل ، سعدی ، رومی ، رازی، سینا اور فارابی جیسے عظیم الشان محسنین نسل انسانی کو جنم دیا، وہ منحوس ہیں ؟

نماز میں بھولنے کی وجہ ابوہریرہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پادتا ہوا بھاگ نکلتا ہے اور اذان کے بعد واپس آ جاتا ہے۔ جب نمازی نماز کے لئے کھڑا ہوتا تو وہ پھر بھاگ جاتا ہے اور پھر نماز شروع ہونے کے بعد واپس آ کر نمازی پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اسے بھولی ہوئی باتیں یاد دلانا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ نمازی بھول جاتا ہے اور اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں ۔

(بخاری کتاب الصلواۃ جلد 1 ص 145)

شیطان کا اذان کی عربی عبارت سے گھبرانا اور پاد مارنا لیکن نماز کی لمبی چوڑی دعاؤں کی پروا نہ کرنا اور نمازی پہ سوار رہنا ایک ایسی منطق ہے جو شاید کسی عقلمند کی سمجھ میں کبھی بھی نہ آئے۔ چلو مان لیتے ہیں کہ شیطان بلند آواز سے گھبراتا ہے اور اس لئے بھاگ نکلتا ہے۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ اگر نماز میں بھول صرف شیطانی تسلط کی وجہ سے ہوتی ہے آنحضرت صلعم کیوں بھول جایا کرتے تھے؟

بخاری باب الصلوٰۃ میں پوری چھ احادیث اس موضوع پر موجود ہیں۔ کہ حضور فلاں فلاں نماز میں بھول گئے تھے۔ اور اس بھول کی تلافی

سجدہ سہو سے کی تھی۔ کیا شیطان رسول اللہ پر بھی تسلط پا سکتا تھا ؟

اسی طرح کی ایک اور حدیث سنیے۔

"آنحضرت کے سامنے کسی نے کہا فلاں شخص دن چڑھے تک سویا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان اس کے کانوں میں مُوت گیا تھا اس لئے سویا رہا" (بخاری جلد 2 ص 144)

لیکن اسی جلد کے صفحہ 177 پر یہ روایت دی ہوئی ہے۔

"عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور کے ہمسفر تھے ۔ پچھلی رات تک ہم چلتے رہے۔ سحر کے قریب لیٹ گئے اور دیر تک سو گئے۔ یہاں تک کہ سورج کافی اوپر آ گیا۔ سب سے پہلے حضرت صدیق بیدار ہوئے۔ آپ نے حضور کے سرہانے کھڑے ہو کر بلند آواز سے تکبیر کہنا شروع کر دی۔ چنانچہ آپ بیدار ہوئے اور نماز پڑھائی۔۔۔۔"

اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ کیا حضور کے دن چڑھے تک سوئے رہنے کی وجہ بھی وہی تھی جو اوپر والی حدیث میں دی ہوئی ہے؟ تو بغیر اس کے کیا کہیں گے کہ استغفراللہ ، استغفراللہ۔

<u>تعظیم قبلہ</u> حضور کا ارشاد ہے۔

"جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو وہ قبلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھ" (بخاری جلد 1 ص 28)

اور یہ بھی ملاحظہ ہو۔

" حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں سیدہ حفصہ کے پاس والے مکان کی چھت پہ چڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلعم قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضائے حاجت فرما رہے ہیں"

کس کو صحیح سمجھیں ؟

<u>کیا احرام میں شکار کا گوشت کھانا جائز ہے؟</u> صعب بن جثامہ اللیثی کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے پاس ایک گورخر بھیجا آپ نے لوٹا دیا۔ اور فرمایا کہ میں نے احرام باندھا ہوا ہے۔ ورنہ ضرور لے لیتا ۔ (مسلم جلد 3 ص 223 و 225)

مطلب یہ کہ احرام میں شکار کا گوشت کھانا ناجائز ہے۔ اب دیکھئے یہ حدیث

"سال حدیبیہ میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ ابو قتادہ بھی تھے جس کے سوا باقی سب نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اثنائے سفر میں ایک گورخر نظر آ گیا۔ ابو قتادہ سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑ پڑے اور آخر اسے برچھے سے مار لیا اور ذبح کر کے پکایا اور صحابہ کو پیش کیا۔ صحابہ نے حضور سے پوچھا کہ کیا ہم کھا لیں ؟ فرمایا کھا لو یہ حلال ہے۔"
(مسلم جلد 3 ص226)

یہی حدیث ذرا آگے ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

"۔۔۔۔۔۔ اور کچھ گوشت ہم حضور کے پاس لے گئے آپ نے خود تو نہ کھایا لیکن صحابہ کو اجازت دے دی"

ذرا آگے اسی واقعہ کو یوں پیش کیا گیا ہے۔

"۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کچھ باقی ہے؟ صحابہ نے کہا صرف ایک ٹانگ باقی ہے ۔ چنانچہ آپ نے وہ ٹانگ لی اور کھا گئے"

ایک ہی بات کو اتنی متضاد صورتوں میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا قیامت تک حقیقت کو نہ پا سکے۔

<u>کیا احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے</u> حضور ﷺ کا فرمان

"احرام میں ایسے کپڑے مت پہنو جن پر زعفران یا کوئی اور خوشبو لگائی گئی ہو" (مسلم جلد 3 ص 206)

"ایک آدمی خوشبودار جبہ پہنے آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ جبہ دھو ڈالو۔ خوشبو کا اثر مٹا دو۔ پھر عمرہ ادا کرو" (مسلم جلد 3 ص 207)

قول جمہور یہی ہے کہ احرام میں خوشبو حرام ہے۔ لیکن حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ احرام باندھتے اور توڑتے وقت میں حضور ﷺ پر خوشبو چھڑکا کرتی تھی" (مسلم جلد 3 ص 220)

حضرت عائشہ کا ہی قول ہے کہ

"اس خوشبو میں مشک (کستوری) ڈال دیا کرتی تھی اور احرام کی حالت میں اس تیل کی چمک حضور کے بالوں میں دور سے نظر آتی تھی" (مسلم جلد 3 ص 222)

مشک کی بو بہت تیز ہوتی ہے اور کافی دیر تک رہتی ہے۔ ظاہر ہے وہ تیل جو عین احرام کے وقت لگایا جاتا تھا اس کی خوشبو دو چار روز

تک بالوں میں یقیناً رہتی ہو گی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے یا ناجائز؟

<u>شہد والا قصہ</u>  مشہور واقعہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ایک زوجۂ محترمہ کے ہاں جا کر شہد کھایا ۔ چند دیگر ازواج نے سازش کر کے حضور سے کہا کہ آپ کے منہ سے بد بو آتی ہے۔ جس  پر حضور نے قسم کھا لی کہ میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا۔ اور معاً یہ آیت اتری۔

"اے رسول ! آپ ایک حلال چیز کو کیوں حرام بنا رہے ہیں۔ کیا آپ بیویوں کو خوش کرنے کے لئے یہ کر رہے ہیں؟" (قرآن)

اس واقعۂ کو تجرید البخاری (ص 856) میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نے سیدہ زینب کے ہاں شہد کھایا تھا اور سیدہ عائشہ اور حفصہ نے سازش کی تھی۔ لیکن ایک اور حدیث  (تجرید البخاری ص 812) میں بتایا گیا ہے کہ شہد حضرت حفصہ کے ہاں کھایا گیا تھا اور سازش حضرت عائشہ، سودہ اور صفیہ نے کی تھی۔

یہ اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اس پر تہدید بھی نازل ہوئی لیکن پھر بھی ہمارے راوی یہ نہ بتا سکے کہ حقیقت کیا تھی۔ کیا انھی روایات کو وحی کہا جاتا ہے ؟

<u>شقِ صدر کا واقعہ</u>  صفحات گذشتہ میں ہم حضرت انس کی یہ رویت درج کر چکے ہیں کہ کس طرح حضرت جبریل نے رسول اللہ صلعم کا سینہ بچپن میں چیر کر  دل کا وہ حصہ کاٹ ڈالا تھا

جس پر شیطان کا تسلط ہوا کرتا ہے۔ اس واقعۂ کے متعلق ابو ذر کہتے ہیں کہ جبریل چھت پھاڑ کر گھر میں اتر آیا تھا اور اس نے آپ کا سینہ چیرا تھا  (مسلم جلد 1 ص 324) چھت پھاڑنے کی بھی خوب کہی۔ ایک نوری مخلوق کہ جس کا نہ کوئی حجم ہے نہ وزن۔ اگر بالفرض وزن و حجم تھا بھی تو کیا گھر میں داخل ہونے کے لئے کوئی دروازہ موجود نہیں تھا؟ سب کچھ تھا۔ لیکن جب تک ہمارے بزرگ داستان میں ڈرامائی رنگ نہ بھر لیں انھیں تسلی نہیں ہوتی ۔ اسی واقعہ کو مالک بن صعصعہ خواب کا واقعہ بتاتے ہیں۔ اور میرے خیال میں یہ صورت زیادہ قرین قیاس ہے۔(مسلم جلد 1 ص 327)

<u>خیر النساء کون ہے</u>  ابو موسی حضور سے روایت کرتے ہیں کہ مردوں میں بڑے بڑے کامل انسان ہو گذرے ہیں۔ لیکن عورتوں میں آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے سوا کوئی اور عورت درجہ کمال تک

نہیں پہنچی۔ اور یاد رکھو جس طرح ثرید[50] کھانوں کا سردار ہے اسی طرح عائشہؓ تمام عورتوں کی سردار ہے" (بخاری جلد 2 ص 161)

خلاصہ یہ کہ سیدہ عائشہ خیر النساء ہیں۔ لیکن ایک اور حدیث میں مذکور ہے۔

"کہ امت عیسیٰ کی بہترین عورت مریم تھی اور میری امت کی بہترین خدیجہ الکبریٰ ہیں" (بخاری جلد 2 ص 164)

یعنی خدیجہ الکبریٰ خیا النساء ہیں۔ ایک اور حدیث میں حضرت فاطمہ کو جنتی عورتوں کی سردار قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری جلد دوم صفحہ 184۔

اب کیا سمجھیں کہ خیر النساء کون ؟

## انیسواں باب

# چند دلچسپ احادیث

حدیث کا علم الافلاک

1۔ سجدۂ آفتاب: جو لوگ دور دراز کے ممالک میں سفر کرنے کے عادی ہیں وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ سورج غروب نہیں ہوتا۔ جب پاکستان میں سورج ڈوب جاتا ہے تو مصر میں لوگ شام کی چائے پی رہے ہوتے ہیں، اہل انگلستان دوپہر کا کھانا کھا رہے ہوتے ہیں اور امریکہ کے بعض حصوں میں سورج نکل رہا ہوتا ہے۔ اگر آپ بیس نہایت قابل اعتماد گھڑیاں ساتھ رکھ کر ایک طیارے میں ولایت چلے جائیں تو وہاں جا کر آپ حیران ہوں گے کہ جب یہ تمام گھڑیاں شام کے آٹھ بجا رہی ہوں گی وہاں دن کا ڈیڑھ بج رہا ہو گا۔ اگر آپ ایک تیز رفتار راکٹ میں بیٹھ کر امریکہ چلے جائیں تو یہ دیکھ کر آپ کی حیرت اور بڑھ جائے گی کہ ان گھڑیوں کے مطابق سورج طلوع ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں ڈوب رہا ہو گا۔ اگر انھی گھڑیوں کے ساتھ آپ جاپان کی طرف روانہ ہو جائیں تو پاکستانی وقت کے مطابق وہاں عین تین بجے بعد از دوپہر سورج ڈوب رہا ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ رات ٹھیک بارہ بجے انگلینڈ میں شام کے ساڑھے پانچ بج رہے ہوں گے اور جزائر ہوائی[51] میں صبح کے ساڑھے پانچ۔

آج گھر گھر میں ریڈیو موجود ہے۔ رات کے نو بجے ریڈیو کے پاس بیٹھ کر پہلے انگلستان لگائیے پھر ٹوکیو اور اس کے بعد امریکہ۔ آپ کو معاً یقین ہو جائے گا کہ زمین کا سایہ (رات) نصف دنیا پر ہے اور نصف دیگر پہ آفتاب پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد ذرا یہ حدیث دیکھئے۔

"ابوذر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ غروب آفتاب کے بعد حضور صلعم نے مجھ سے پوچھا ، کیا تم جانتے ہو کہ غروب کے بعد آفتاب کہاں چلا جاتا ہے؟ میں نے کہا ، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سورج بعد از غروب خدائی تخت (عرش) کے نیچے سجدہ میں گر

جاتا ہے اور دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔ چنانچہ اسے مشرق سے دوبارہ نکلنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اسے اجازت نہیں ملے گی اور حکم ہو گا کہ لوٹ جاؤ جس طرف سے آئے ہو۔ چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے نکلنا شروع کر دے گا۔ اور "الشمس بحری لمستقر لها" الخ کی تفسیر یہی ہے ۔ (بخاری جلد 3 ص 137)

اگر ہم رات کے دس بجے پاکستان ریڈیو سے دنیا کو یہ حدیث سنائیں اور کہیں کہ اس وقت سورج عرش کے نیچے سجدے میں پڑا ہوا ہے۔ تو ساری مغربی دنیا کھلکھلا کر ہنس دے۔ اور ہاں کے تمام مسلمان اسلام چھوڑ جائیں۔

2۔ شیطان کا طول و عرض: کہتے ہیں کہ پیشانی طول جسم کا سولہواں حصہ ہوتی ہے۔ انسان کا قد اوسطاً 64 انچ ہوتا ہے اور اس پیشانی 4 انچ۔ باقی حیوانات میں بھی تقریباً یہی نسبت پائی جاتی ہے۔

ماہرین ارض و سماء نے سالہاسال کی تحقیق و تلاش کے بعد اعلان کیا ہے کہ زمین کا محیط 25000 میل ہے۔ یعنی اگر ہم 25 ہزار میل لمبا دھاگہ تیار کر زمین کے گرد لپیٹ دیں تو وہ بالکل پورا آ جائے گا۔ سورج زمین سے بارہ لاکھ اسی ہزار گنا بڑا ہے اور اس کا محیط بتیس ارب پچاس کروڑ میل ہے۔

"ابن عمرو حضورﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ سورج نکلتے وقت اور ڈوبتے وقت نماز نہ پڑھا کرو۔ اس لئے کہ سورج بوقت طلوع شیطان کے دو سینگوں میں ہوتا ہے" (بخاری جلد 2 ص 144)

سوج کی موٹائی ساڑھے بتیس ارب میل ہے۔ اگر اتنی بڑی چیز شیطان کے دو سینگوں میں سما جاتی ہے اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ پیشانی طول جسم کا سولہواں حصہ ہوتی ہے تو شیطان کے جسم کی لمبائی پانچ کھرب بیس ارب میل ہونی چاہیئے۔ اور چوڑائی بھی اسی نسبت سے۔ اتنا بڑا شیطان کھڑا کہاں ہوتا ہو گا۔ زمین سے سورج نو کروڑ پینتیس لاکھ میل دور ہے۔ اور شیطان کی لمبائی سوا پانچ کھرب میل۔ اگر شیطان کو زمین پر کھڑا کیا جائے تو سورج اس کے ٹخنوں سے بھی نیچے رہ جاتا ہے۔ اسے شیطان کے سینگوں تک پہنچانے کا کیا انتظام کیا جاتا ہے اور اتنا بڑا شیطان زمین میں سماتا کیسے ہے؟

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین تقریباً گول ہے اور زمین کے کسی نہ کسی حصے پہ ہر وقت سورج طلوع ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اوقات مسلسل محو سفر رہتے ہیں۔ کلکتے کی صبح چند لمحوں کے بعد بنارس پہنچتی ہے پھر دہلی پھر لاہور پھر کابل و علیٰ ہذا القیاس۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج ہر وقت شیطان کے سینگوں کے درمیان رہتا ہے۔ چونکہ ایسی حالت میں نماز ناجائز ہے اس لئے مسلمانوں کو نماز بالکل ترک کر دینی چاہیے۔

<u>حدیث کا علم الجغرافیہ</u> حدیث کا علم الافلاک آپ پڑھ چکے ہیں اب سنئیے کہ موسم کس طرح بدلتے ہیں۔ ہم اور آپ اتنا تو جانتے ہی ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گرما میں ہم سورج کے قریب ہو جاتے ہیں اور سرما میں دور۔ اس لئے گرمی و سردی

محسوس کرتے ہیں۔ گرمی میں زمین کے خاکی ذرات گرم ہو جاتے ہیں اور چونکہ یہ ذرات پہاڑوں پہ کم ہوتے ہیں اس لئے وہاں مقابلتاً ٹھنڈک ہوتی ہے۔ لیکن حدیث کہتی ہے کہ

"ابو ہریرہؓ آنحضرت صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جہنم نے خدا سے شکایت کی کہ میرا دم گھٹ چلا ہے۔ اس لئے مجھے سانس لینے کی اجازت دیجئے۔ اللہ نے کہا کہ تم سال میں صرف دو سانس لے سکتے ہو۔ چنانچہ اس کی ایک سانس سے موسم گرما اور دوسری سانس سے موسم سرما [52] پیدا ہو گیا۔ لیکن دنیا کی گرمی و سردی سے جہنم کی گرمی و سردی بہت زیادہ ہے" (بخاری جلد 2 ص 143)

لیکن یہ سمجھ نہیں آیا کہ ہر سال گرمیوں میں اس سانس کی لپیٹ میں صرف وہی علاقے کیوں آتے ہیں کو خط استوا کے قریب ہیں۔ اور سارا یورپ،سائبیریا، گرین لینڈ اور کینیڈا وغیرہ کیوں بچ جاتے ہیں؟ اور یہ بھی تو فرمایا ہوتا کہ گرمیوں میں پہاڑوں پہ کیوں گرمی نہیں ہوتی۔ وہاں تک اس سانس کا اثر کیوں نہیں پہنچتا ؟ اور سردیوں میں خط استوا کا علاقہ کیوں گرم رہتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم نے زمین کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ سردیوں میں وہ اہل یورپ کی خبر لیتا ہے اور گرمیوں میں ہماری۔ سچ انصاف اچھی چیز ہے۔

<u>حدیث کا علم الطب</u> ماہرین طب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مکھی ایک نہایت خطرناک جانور ہے۔ جو مہلک امراض کے جراثیم ایک جسم سے

دوسرے جسم تک منتقل کرتی رہتی ہے۔ تپ دق مریض بازار میں تھوکتا ہے۔ تھوک پہ مکھیاں جمع ہوتی ہیں۔ اپنے پروں اور ٹانگوں کےساتھ لاکھوں زندہ جراثیم لے کر اڑ جاتی ہیں۔ کچھ حلوائی کی دکان پہ چلی جاتی ہیں۔ اور کچھ گھروں میں داخل ہو کر اشیائے خوردنی پر آ بیٹھتی ہیں۔ اور کھانے والا ان امراض کا شکار بن جاتا ہے۔ یہ ہیضہ، یہ دق ،یہ پیچش، یہ تپ محرقہ اور بیسیوں دوسرے امراض مکھیوں کی مہربانی کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے علمائے صحت نے ہمیں سخت تاکید کر رکھی ہے کہ اشیائے خورد و نوش کو مکھیوں سے بچاؤ۔ جس چیز پہ مکھی بیٹھ جائے اسے ہرگز نہ کھاؤ۔ اور مکھیوں کو تباہ کرنے کے لئے فلاں فلاں وسائل سے کام لو۔ لیکن حدیث کہتی ہے کہ

اذا وقع الذباب فی شراب احد کم فلیغمسہ ثم لیترعہ فان فی احدی جناحیہ داء و فی الاخری شفاء

اگر مکھی شربت وغیرہ میں گر جائے تو اسے پوری طرح غوطہ دے کر باہر نکالو اس لئے کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفاء (بخاری جلد 2 ص 148)

مکھی بیت الخلاء سے اڑ کر آئی ہے۔ ہ پر اور ٹانگیں غلاظت سے لتھڑی ہوئی ہیں۔ اور مولانا اس کے دوسرے پر میں شفاء تلاش کر رہے ہیں۔

<u>حدیث کا علم التولید</u> رحم مادر میں بچہ کیسے بنتا ہے۔ نر و مادہ کی علامات اس میں کس منزل پہ کس طرح پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ماں یا باپ یا دونوں کے خدوخال کس طرح حاصل کر لیتا ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ فطرت کے وہ رموز ہیں جنھیں کوئی ماہر فطرت آج تک نہیں سمجھ سکا۔ لیکن ہمارے علماء ان مسائل کو صدیوں پہلے حل کر چکے ہیں۔

"مرد کا نطفہ سفید ہوتا ہے۔ اور عورت کا زردہ انزال کے بعد یہ ہر دو قسم کے نطفے مل جاتے ہیں۔ اگر مرد کا نطفہ غالب آ جائے یعنی مرکب مائل بہ سفیدی ہو تو اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ بچی ۔ (مسلم جلد 1 ص 468)

ماہرین تولید اس امر پر متفق ہیں کہ عورت کا نطفہ مقدار میں بے حد کم یعنی بمشکل ایک آدھ قطرہ ہوتا ہے۔ اور مرد کا کافی زیادہ۔ اگر دونوں کو ہی ملا دیا جائے تو عورت کا نطفہ نظر تک نہ آئے۔ چہ جائیکہ وہ نطفہ شوہر کا رنگ بدلتا پھرے۔ اس صورت میں تو چاہیے

تو یہ تھا کہ مجامعت سے ہمیشہ لڑکا پیدا ہوتا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ لڑکیاں زیادہ پیدا ہو رہی ہیں اور لڑکے کم۔

علمائے جدید نے واضح کیا ہے کہ بچے دانی کے عین سامنے ایک باریک سا خورد بینی انڈا منتظر رہتا ہے ۔ جونہی مجامعت کے وقت مرد کے نطفے کا کوئی قطرہ اس سے چھو جاتا ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط پکڑ لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ سرک کر رحم کے اندر چلے جاتے ہیں۔ رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ اور تکوین جنین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تولید کے لئے نطفے کا کا صرف ایک مہین سا ذرہ استعمال ہوتا ہے اور باقی بہہ کر باہر آ جاتا ہے۔ بس یہ ہے داستان تولید۔

خد و خال کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

"مجامعت کے وقت اگر مرد کا انزال عورت سے پہلے ہو تو بچہ باپ پہ جاتا ہے ، ورنہ ماں پر" (بخاری جلد 2 ص 149)

داد دیجئے اس مُلا کو کہ فطرت کے نہایت مخفی راز کو کس بے تکلفی، صفائی اور آسانی سے بے حجاب کر دیا۔ اب یورپ ہمیں یہ طعنہ تو نہ دے گا کہ مسلمان کائنات پہ غور نہیں کیا کرتے۔ اور کہ وہ جاہل ، نااہل اور نالائق ہیں۔ ذرا پیش تو کرے ہماری اس ریسرچ کے مقابلے میں اپنی کوئی تحقیق۔

میں لایا ہوں پکڑ کر شیر تحقیق

تم اپنے فیل معنی کو نکالو

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاں ایسی اولاد ہو جو فرشتوں سے زیادہ پاکیزہ اور ابلیس کی زد سے بالکل باہر ہو ، تو لیجئے نسخہ حاضر ہے۔

"ابن عباسؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص مجامعت کرنے لگے تو یہ دعا پڑھ لے ، بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان مارزقنا (اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو شیطان سے بچا) اس کی اولاد کو شیطان کبھی گمراہ نہیں کر سکے گا" (بخاری جلد 2 ص 144)

کتنی امرت دھارا قسم کی دعا ہے کہ نہ قرآن کی ضرورت باقی رہی نہ رسول کی۔ اس لئے کہ قرآن و رسول کا کام تو ہدایت ہے اور

جس بچے کے گمراہ ہونے کا امکان ہی باقی نہ رہا۔ قرآن و رسول اس کے کس کام کے؟

<u>حدیث کا علم الصوت</u> مرغ بانگ کیوں دیتا ہے ، گدھا کیوں ہینگتا ہے گھوڑا کیوں ہنہناتا ہے شیر کیوں دھاڑتا ہے اور ہاتھی کیوں چنگھاڑتا ہے؟ ان تمام سوالات کا حل تو مشکل ہے البتہ ایک دو سوالات کے جوابات حاضر ہیں۔

"ابو ہریرہ حضور صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے فضل کی دعا مانگا کرو اس لئے کہ اس وقت مرغ کو فرشتہ نظر آتا ہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر ہینگتا ہے " (بخاری ج 2 ص 147)

حقیقت خرافات میں کھو گئی

<u>حدیث کا علم الآداب</u> اگر کوئی شخص کسی محفل میں جا کر تین مرتبہ سلام کرے اور ہر بات کو تین تین مرتبہ دہرائے تو آپ اسے کب تک برداشت کریں گے ؟

عن انس عن النبی صلعم انہ کان اذا سلم سلم ثلاثہ و اذا تکلم بکلمہ اعادها ثلاثا

حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور کی یہ عادت تھی کہ وہ تین مرتبہ سلام کہتے اور ہر بات کو تین تین مرتبہ دہراتے تھے ۔ (بخاری جلد 1 ص 20)

حضور علیہ السلام کے بےشمار اقوال و خطبات ہمارے سامنے موجود ہیں کہیں بھی کسی بات کو تین تین مرتبہ دہرایا نہیں گیا ہاں اگر کسی نے دو چار مرتبہ ایک ہی سوال پوچھا ہو تو آپ نے ایک ہی جواب اتنی مرتبہ دہرا دیا ہو گا۔ ورنہ ہمارے رہبر فطرتِ انسانی کے بہت بڑے ماہر اور مزاج شناس تھے۔ وہ افصح العرب و عجم تھے۔ انهیں یہ چھوٹی سی بات یقیناً معلوم ہو گی کہ تکرار اتنا تنافر پیدا کرتا ہے اور کلام کو درجہ فصاحت سے گرا دیتا ہے۔

ایک اور حدیث سنیئے۔

"حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کھاد کے ایک ڈھیر کے قریب آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا" (بخاری جلد 1 ص 36)

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے دو دو مرتبہ دہرایا ہے۔ لیکن امام
مالک نے اسے بیان نہیں کیا۔ انھوں نے یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرو
کی طرف منسوب کی ہے۔ فرماتے ہیں

عن عبداللہ بن دینار قال رایت عبداللہ بن عمر یبول قائما

عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو کھڑے ہو کر
پیشاب کرتے دیکھا۔ (موطا ص 22)

حدیث کا علم السنہ اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ سعدی نے
گلستان سات بولیوں یا زبانوں میں لکھی تھی تو آپ کیا سمجھیں گے ؟
یہی کہ انھوں نے گلستان کے سات نسخے تیار کئے تھے۔ ایک فارسی
میں ، ایک عربی میں، تیسرا انگریزی میں، چوتھا جرمنی میں، وعلیٰ
ہذا القیاس۔ لیکن اگر کوئی شخص فارسی کی گلستان کے متعلق یہ
کہے کہ یہ سات زبانوں میں لکھی ہوئی ہے تو آپ اسے یہی کہیں گے
سر پر ٹھنڈا پانی ڈال لو۔ تاکہ حواس درست ہو جائیں۔

"ابی بن کعب کہتے ہیں کہ مسجد میں دو آدمیوں نے ایک ہی آیت کو
مختلف طور پر پڑھا۔ اور مجھے کچھ اور طرح یاد تھی۔ ہم سب رسول
اللہ صلعم کے پاس گئے ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں درست پڑھ رہے
ہیں۔ یہ سن کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں اسلام کو چھوڑنے کو تیار
ہو گیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ قرآن سات بولیوں میں اتارا گیا ہے۔"
(ملخص مسلم جلد 2 ص 363)

کیا سات بولیوں میں اتارنے کا مفہوم یہی ہے کہ ایک آیت سات سات
مختلف بولیوں میں اتری تھی۔ تو پھر وہ باقی چھ بولیوں کے قرآن
کہاں چلے گئے۔ اگر مراد یہ ہے کہ ایک آیت قریش کی بولی میں اتری
تھی ، دوسری ہذیل ، تیسری ازد کی بولی میں تو پھر ایک ہی آیت کے
متعلق ان تین صحابہ کی مختلف قراتوں کو حضور نے درست کیوں
قرار دے دیا تھا؟

تدوین قرآن کی تاریخ بتاتی ہے کہ حضور پر جب کوئی آیت نازل ہوتی
تو آپ قرآن میں اس کی صحیح جگہ فوراً متعین کر دیتے۔ کاتب الوحی
کو ہدایت ہوتی کہ اسے لکھ کر مناسب جگہ پر رکھ دو۔ اور حفاظ کو
ارشاد ہوتا کہ اسے فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد پڑھو۔ سینکڑوں
حفاظ نے حضور کی مقرر کردہ ترتیب کے مطابق قرآن یاد کر لیا تھا۔
اور ایک نسخہ حضرت عائشہ کے گھر میں موجود تھا۔ جو چمڑے کے
ٹکڑوں، پتھروں اور پتوں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا۔ جب حضرت صدیق کے

زمانہ حفاظ قرآن کی ایک خاصی تعداد جنگ یمامہ میں شہید ہو گئی
تو آپ نے نسخہ رسول سے ایک نسخہ تیار کرایا۔ جو  حضرت حفصہ
کے ہاں رکھ دیا گیا۔ جب حضرت عمر کو اپنے عہد میں یہ شکایت
پہنچی کہ سلطنت کے دور دراز کے علاقوں  (مثلاً عراق و عجم) میں
بعض آیات میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ تو آپ نے حضرت حفصہ سے وہ
نسخہ منگوا کر  کئی نقول تیار کرائیں۔ اور سلطنت کے مختلف حصوں
میں بھیج دیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضور کے اپنے نسخے میں ہر آیت سات سات
بولیوں میں لکھی ہوئی تھی۔ اگر تھی تو صدیق و فاروق نے اس کی
صحیح نقل ہم تک کیوں نہ پہنچائی۔ اگر نہیں تھی تو اس حدیث کا
مطلب ؟

آیہ وضو میں صرف ایک اختلاف کی بنا پر کسی نے "ار جلَکم" کو"ار
جلِکم[53]" پڑھ دیا۔ پورا ایک فرقہ پیدا ہو گیا جو وضو میں پاؤں پر مسح
کرتا ہے۔ اگر قرآن میں اس قسم کے اختلافات کی اجازت دے دی جائے
تو ہر مسلمان کا مذہب دوسرے سے جدا ہو جائے۔ اور میرا خیال ہے
کہ اس حدیث کے تراشنے کا مقصد بھی مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا
اور قرآن کو ناقابل اعتماد بنانا تھا۔ اگر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے
کہ یہ اختلاف صرف قرات تک محدود تھا جیسے کہ ہم "سکُول" کہتے
ہیں اور یوپی والے "اِسکول" تو پھر حدیث کا مفہوم واضح ہے۔ لیکن
بعض ایسی آیات بھی  اس باب میں درج ہیں جن کے الفاظ مختلف
ہیں۔

حدیث کا علم النباتات  جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں
ایک درخت تھا جس کے پاس کھڑے ہو کر جمعہ کے حضور وعظ فرمایا
کرتے تھے ۔ انصار میں سے ایک مرد یا عورت نے منبر کی تجویز دی۔ آپ
نے فرمایا جیسی تمھاری مرضی۔ پھر جس روز منبر تیار ہو گیا اور آپ
منبر پر چڑھ کر وعظ کہنے لگے تو اس  تنے نے بچے کی طرح رونا شروع
کر دیا۔ حضور منبر سے اترے اور اس درخت کو بانہوں میں لے کر چپ
کرایا۔۔۔۔" (بخاری جلد 2 ص 179)

حضور مکہ سے نکلے تو نہ ان کا گھر رویا ، نہ کوئی درخت نہ کوئی
پتھر۔ آپ زندگی میں ہزار ہا درختوں کے نیچے بیٹھے ہوں گے۔ لیکن
کوئی درخت کبھی نہ رویا۔ پھر اس مسجد والے درخت کو کیا خاص
صدمہ پہنچا تھا کہ وہ رونے لگا۔ حالانکہ حضور صرف دو قدم کے
فاصلے پہ موجود تھے۔

رونے کے لئے احساس ، دل ، دماغ ، پھیپھڑوں ، گلے اور دقیق جسمانی نظام کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ اس درخت میں کہاں سے آ گیا؟ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ معجزہ تھا۔ تو پھر رسول اللہ صلعم نے کفار کو معجزہ دکھانے سے کیوں انکار کر دیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ

هل كنت  الا بشرا رسولا

میں ایک انسان ہوں جس کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ (نہ کہ معجزے دکھانا) ۔ (قرآن)۔

اور مسلمانوں کے سامنے معجزے دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔

حدیث کا علم الحقائق  ام شریک راوی ہیں کہ حضور نے سانڈھے کو مارنے کا حکم دیا تھا۔

 اس لیے کہ وہ اس آگ کو پھونکوں سے بھڑ کاتا تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینکا گیا تھا۔ (بخاری جلد 2 ص 153)۔

بھلا حضرت ابراہیم نے سانڈھے کا کیا بگاڑا تھا؟ اور اس آگ کو جس میں ساٹھ ستر من ایندھن جل رہا تھا ایک ننھا سا کیڑا کیا بھڑکا سکتا تھا ؟ اور اس کے تنفس میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ آگ کے شعلوں میں ذرہ بھر بھی اضافہ کر سکتا؟

کہاں تک گنوں صاحب ! بات لمبی ہو رہی ہے۔ ورنہ صحاح ستہ میں اس نوع کی سینکڑوں اور احادیث موجود ہیں جن کی نسبت اس معلم اخلاق و تہذیب کی طرف خدا اور رسول ہر دو کے لئے باعث توہین ہے۔ میرا مقصد احادیث پر تنقید نہیں بلکہ یہ دکھانا ہے کہ احادیث کے جن مجموعوں کو "صحیح" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان میں بھی ایسے ایسے اقوال بھرے پڑے ہیں جنھیں سن کا تہذیب کانوں پہ ہاتھ دھرے۔ عقل سلیم بلبلا اٹھے۔ اور کتاب الہی  کلیجہ تھام کے رہ جائے۔نمونہ آپ نے دیکھ لیا۔ انصافاً کہیے کہ ان اقوال کو وحی سمجھ کر ان پر کیسے عمل کریں۔ اور اس دستور العمل کو کیسے چھوڑ دیں جس کی ہر ہدایت روشن ، پر لفظ حقیقت، ہر حرف صداقت، ہر حکم دینی و اخروی اصلاح کا ضامن اور ہر قول تمامتر شبہات سے داراء الورا ہے ۔ ہم نے قرآن کی ہر بات کو سائنس[54]  کی کسوٹی پر پرکھا۔ فطرت کے میزان میں تولا۔ اور اعمال خدا سے اس کا مقابلہ کر کے دیکھا۔ ہمیں ہر جگہ صرف حقیقت اور ٹھوس حقیقت نظر آئی۔ تاریخ نے بارہا اس دستور العمل کا تجربہ کیا۔ اور ہر مرتبہ اسے تابدار کامرانی نصیب

ہوئی۔ اسے بارہا چھوڑا اور ہر بار اسے مہیب شکست و ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن حقائق سے بحث کرتا ہے اور حدیث اوہام کی طرف دعوت دیتی ہے۔ حقیقت کو چھوڑ کر ہم سراب کی طرف کیوں بھاگیں۔

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست

زیر گردوں راز تمکین تو چیست

آں کتاب زندہ قرآن حکیم

حکمت اولا یزال است و قدیم

ازیک آئینی مسلماں زندہ است

پیکر ملت ز قراں زندہ است

(اقبالؒ)

## بیسواں باب

# صحیح حدیث کو تسلیم کرنا پڑے گا

صفحات گذشتہ میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ بوجوہات ذیل صحیح احادیث کا سراغ لگانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

1۔ خلفائے راشدین احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتے رہے۔

2۔ حضور نے کتابت حدیث سے منع فرما دیا تھا

3۔ اڑھائی سو برس تک احادیث ہر کہ و مہ کی زبان پر جاری رہیں اور بگڑتے بگڑتے خدا جانے کیا سے کیا بن گئیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی حدیث موجود ہی نہیں ہے "صحیح حدیث" کے دو مفہوم ہیں۔ اول یہ کہ کسی حدیث کی نسبت آنحضرت صلعم کی طرف صحیح ہو۔ یعنی ہم با دلائل ثابت کر سکیں کہ یہ قول حضور کی زبان مبارک سے واقعی نکلا تھا۔ ان معنوں میں کوئی حدیث یقینی طور پر صحیح نہیں ہے۔ البتہ ظن غالب یہ ہے کہ بعض اقوال صحیح ہوں گے۔ دوم کہ حدیث کا مضمون صحیح ہو۔ اور ان معنوں میں ہزاروں احادیث صحیح ہیں۔

اس صورت میں ہمیں صرف یہ دیکھنا پڑے گا کہ حدیث قرآن سے ٹکراتی تو نہیں۔ حضور یا صحابہ کرام کی توہین تو نہیں کرتی۔ تعلیمات قرآنی کا مضحکہ تو نہیں اڑاتی۔ تاریخ کے مسلمہ واقعات کے خلاف تو نہیں جاتی۔ انسانی فطرت اور حقائق کو تو نہیں جھٹلاتی۔ امت کو گرفتارِ اوہام تو نہیں بناتی۔ اور قرآن کی قطعیت پر حملہ تو نہیں کرتی۔ پس ہر ایسی حدیث صحیح ہے۔ خواہ اس کا راوی ابوہریرہ ہو یا بابا رتن۔ ہمارے محدثین اسناد و روایت پر تکیہ کرتے رہے۔ اور انھیں کرنا بھی چاہیے تھا۔ آخر کسی قول کو آنحضرت کی طرف منسوب کرنے کے لئے روایت کا سلسلہ ضروری تھا۔ لیکن آج ہمیں صرف مضمون حدیث کو دیکھنا چاہیے۔ اگر کوئی بات قرآن کے مطابق ہو تو اسے تسلیم نہ کرنا گویا قرآن سے انکار کرنا ہے۔ ادھر کوئی انگریز کہہ دے کہ خدا ایک ہے۔ چوری زنا، قماری بازی گناہ ہیں

تو کیا کسی مسلمان میں یہ جرات ہے کہ وہ اقوال کے صحیح ہونے
سے انکار کرے۔ گو یہ اقوال انگریز کے منہ سے نکل رہے ہیں۔ لیکن
قرآن کی آیات کے لفظی تراجم ہیں۔ ان کو نہ ماننا گویا اپنی کتاب کو
جھٹلانا ہے۔ اس طرح کی ہزار ہا احادیث ہمارے پاس موجود ہیں۔ جو
نہ صرف تعلیمات قرآن کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلعم
کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ صحابہ کرام کی
جرات ، شجاعت ، ایثار ، سرفروشی، خدمت خلق ، حرارت ایمانی،
عشق رسول، تقوی، اور نظم و ضبط کی حیات انگیز

داستانیں سناتی ہیں۔ اس عہد کے تمدن پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں
اور بتاتی ہیں کہ اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے ؟
اکاسرہ کیوں مٹ گئے ؟ قیاصرہ کو کیوں شکست ہوئی ؟ مٹھی بھر
مسلمان سند کے ریگستان سے فرانس کی عشرت گاہوں تک کیسے چھا
گئے؟ لٹیرے فرمانروا کیسے بن گئے؟ گڈرئیے اورنگ جہانبانی پہ کیسے جا
بیٹھے ؟ وحشی فلسفہ و حکمت کا درس کیسے دینے لگے ؟ شرابیوں اور
جواریوں میں اس بلا کی پاکیزگی کہاں سے آ گئی ؟ 630 بتوں کے
پجاری ایک خدا ، ایک قبلہ، ایک مرکز اور ایک نصب العین کے تخیل پہ
کیسے متحد ہو گئے ؟

یہ تمام تفاصیل حدیث میں ملتی ہیں۔ اور یہی وہ بیش بہا سرمایہ
ہے۔ جس پہ ہم نازاں ہیں۔ اور جس سے اب تک کروڑوں غیر مسلم
متاثر ہو چکے ہیں۔ مولانا شبلی کے "الفاروق" کا ماخذ یہی احادیث
تھیں۔ اور یہ وہ کتاب عظیم ہے۔ جو اس وقت تک لاکھوں کیریکٹر
(کردار) بنا چکی ہے۔ اگر عہد رسول کے ایک فرد کی سیرت اس قدر
انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔ تو اندازہ لگائیے کہ اگر احادیث کے تمام کردار
اسی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دئیے جائیں تو نتائج کس قدر
حیرت انگیز ہو سکتے ہیں۔

<u>وحی خفی کا مسئلہ</u>

ہم صفحات گذشتہ میں کئی آیات سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ حضور
پر بذریعہ وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا۔ اور آپ کا کوئی اور قول
وحی کا درجہ نہیں رکھتا۔ چونکہ قرآن میں صرف مہمات مسائل سے
بحث کی گئی ہے۔ اور چھوٹی موٹی تفاصیل کو انسانی عقل پر چھوڑ دیا
گیا ہے۔ اس لئے حضور تمام غیر الہامی مسائل میں صحابہ سے مشورہ
لیا کرتے تھے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ حضور کی ہر حرکت ، ہر
قول اور ہر اقدام تابع وحی ہوا کرتا ہے۔ تو پھر "شاورھم" (تم صحابہ

سے مشورہ کر لیا کرو) کی ہدایت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس
لئے کہ وحی (خدائی ہدایت) کے متعلق مشورہ لینا خدا کی توہین ہے۔
مشورہ میں موافق و مخالف دونوں قسم کی آزادی دی جاتی ہے۔ اور
کسی صحابی میں یہ ہمت کہاں کہ وہ خدائی ہدایت کی موجودگی
میں اپنی رائے کا اظہار کرتا۔ احادیث میں کئی ایسے واقعات موجود
ہیں کہ حضور نے کچھ کہا، صحابہ نے کچھ اور مشورہ دیا۔ اور وحی
نے صحابہ کی تائید کر دی۔ اسیران بدر کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ کہ
حضور نے فدیہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ حضرت فاروق نے قتل کا مشورہ
دیا تھا۔ اور اللہ نے حضرت عمر کی تائید فرما دی۔ اگر حضور کا ہر
قول یا ہر فیصلہ وحی ہوتا تو حضور مشورہ کیوں لیتے ؟ صحابہ
فیصلہ رسول کے خلاف رائے کیسے دے سکتے تھے؟ اور پھر قرآن صحابہ
کی تائید کیوں کرتا؟ یہ نا ممکن ہے کہ اللہ پہلے تو اسیران بدر سے
فدیہ لینے کی وحی نازل کرتا اور دو منٹ بعد حضور سے جواب طلب
کرتا کہ تم نے فدیہ کیوں لیا ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں صرف اہم قوانین و
ضوابط ست بحث کی ہے۔ اور غیر اہم مسائل انسانی اجتہاد پہ چھوڑ
دئیے ہیں۔ آنحضرت صلعم تمام ایسے معاملات میں اجتہاد سے کام لیا
کرتے تھے۔ اور احادیث کا بیشتر حصہ انھی اجتہادات پر مشتمل ہے۔ یہ
فرض کر لینا کہ رسول اللہ صلعم

ملکہ اجتہاد سے عاری تھے اور وحی کے بغیر کچھ نہ سوچ سکتے تھے
اور نہ کر سکتے تھے ، رسالت پناہ کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص آپ
کے متعلق یہ کہہ دے کہ آپ ہر معاملے میں اپنے کسی دوست یا بیوی
کے مشورے پہ چلتے ہیں تو کیا آپ اسے اپنی توہین نہیں سمجھیں گے ؟

آج سے چند سال پہلے مجھے ایک ایسے پروفیسر کے ساتھ کام کرنے کا
اتفاق ہوا جو نہایت زندہ دل ، مخلص ، شریف اور بے غرض دوست
تھے۔ اور میری ہمسائیگی میں رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی وہ مجھ
سے بگڑ جاتے۔ اور مہینوں کھنچے رہتے۔ ٹوہ لگانے کے بعد معلوم ہوا
کہ آپ دنیا کے ہر معاملے میں رفیق حیات کی ہدایات پر چلتے تھے۔ اگر
وہ فرما دیتیں کہ برق سے علیحدہ ہو جاؤ تو وہ مجھ سے بگڑ جاتے اور
اگر صلح کا حکم دیتیں تو کسی رسمی تکلف کے بغیر سیدھے میرے پاس
چلے آتے۔

ہمارے علماء نے بھی سرور کائنات کے متعلق کچھ اسی قسم کا تصور
قائم کر رکھا ہے کہ ان کا ہر قول وحی تھا۔ یعنی روٹی مانگتے (آخر

یہ بھی قول ہے) تو وحی کا انتظار کرتے۔ اگر یہ پوچھنا ہوتا کہ میرا دوسرا جوتا کہاں ہے؟ تو جبریل کی راہ دیکھتے رہتے کہ وہ آئے میرے لئے فقرے تجویز کرے اور میں بولوں۔

تاریخ رسالت کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ کئی ماہ تک وحی کا سلسلہ بند رہا اور کفار نے استہزاً کہنا شروع کر دیا تھا "لو جی ! آپ کی پیغمبری ختم ہو گئی"

آخر چھ ماہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں ۔۔

والضحی و اللیل اذا سجی ۔۔۔۔۔ الخ

اور آنحضرت کی پریشانی ختم ہوئی۔ اس چھ ماہ کے عرصے میں حضور نے کوئی بات تو کی ہو گی ؟ سوال یہ ہے کہ آیا وہ قول وحی تھا یا نہیں ؟ اگر تھا تو دریافت طلب امر یہ تھا کہ وحی کا سلسلہ تو مسدود تھا وہ قول وحی کیسے بن گیا ؟ کیا جبریل رات کو چھپ کر چپکے چپکے آ جاتا تھا۔ اور اللہ کو (نعوذ باللہ) خبر نہیں ہونے پاتی تھی ؟ (ممکن ہے وحی خفی کا مفہوم یہی ہو) اور اگر وحی نہیں تھا تو گویا آپ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ حضور کی ہر بات وحی کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور یہی چیز ہم کہتے رہے ہیں۔ کہ قرآن کے سوا حضور کو کوئی اور چیز بذریعہ وحی نہیں دی گئی تھی۔

اوحی الی ھذا القرآن لا نذرکم بہ (القرآن)

تمھیں گناہوں سے بچانے کے لئے مجھے بذریعہ وحی یہ قرآن دیا گیا ہے۔

اس مضمون پر ایک مشتبہ سی حدیث بھی ملتی ہے۔

"ابو حجیفہ نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپ کے پاس قرآن کے سوا کوئی اور وحی موجود ہے ؟ فرمایا ! خدا کی قسم اس صحیفہ کے سوا اور اس فہم کے بغیر جو وحی کے متعلق ہر مسلمان کو حاصل ہے ہمارے پاس کوئی اور وحی موجود نہیں" (بخاری جلد 2 ص 117)

میں نے اس حدیث کو مشتبہ اس لئے کہا ہے کہ اس میں حضرت علی قرآن کے علاوہ ایک اور صحیفے کو بھی الہامی سمجھتے ہیں۔ نسائی میں اس صحیفہ کی تفصیل یہ دی ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اہل بیت کے لئے چند خاص وصایا ارشاد فرمائی تھیں۔ جو اس صحیفہ میں درج تھیں۔ اور جسے حضرت علی نیام ذوالفقار میں رکھتے تھے۔ علامہ صنعانی کہتے ہیں کہ یہ وصایا جعلی تھیں۔ اور ان کا واضع حماد

بن عمرو النصیبی تھا۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض وصایا عبداللہ بن زیاد بن سمعان نے تراشی تھیں۔ (تذکرۃ الموضوعات)

بہرحال اس حدیث سے اتنا تو واضح ہو گیا کہ قرآن اور اس فرضی صحیفہ کے سوال کوئی اور وحی موجود نہیں تھی ۔ اس لئے احادیث کو وحی خفی کہنا نہ عقلاً درست ہے نا نقلاً ۔

ایک سلیم الفطرت مسلمان کا وتیرہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر ایسی حدیث کو تسلیم کرے جو قرآن سے متعارض نہ ہو۔ خواہ ہو بخاری میں ہو یا کسی مسند میں۔ اور ہر ایسی حدیث کو بلا دریغ ٹھکرا دے ، خواہ وہ بخاری ہی میں درج ہو ۔۔۔

1۔تعلیمات قرآنی کے خلاف ہو۔

2۔ قرآن میں تحریف تسلیم کرتی ہو۔

3۔رسول اکرم ، ازواج مطہرات و صحابہ و صحابیات کی توہین کرتی ہو۔

4۔حقائق کونیہ کے خلاف ہو۔

5۔ انسانی فطرت کو جھٹلاتی ہو۔

6۔ عقل ، تجربہ اور مشاہدہ کے الٹ ہو۔

7۔ مسلمہ تاریخی واقعات کی تردید کرتی ہو۔

8۔ اسلام کے اہم اصولوں مثلاً جہاد و ایثار وغیرہ کی منزلت گھٹاتی ہو۔

9۔رہبانیت اور نفس کشی کو جہاد اکبر قرار دیتی ہو۔

10۔مسلمان کو دنیا سے بیزار کرتی ہو۔

11۔ایک ایک دعا پر لاکھوں محل تقسیم کرتی ہو۔

12۔ وضو کرنے پر سارے گناہ معاف کرتی ہو۔

13۔دوات کی سیاہی کو ایک لاکھ شہیدوں کے خون سے افضل ٹھہراتی ہو۔

14۔ذکر خدا کو جان و مال کی قربانی سے بہتر قرار دیتی ہو۔

15۔ سورج کو عرش کے نیچے سجدے کراتی ہو۔

16۔درختوں کو رلاتی ہو۔

17۔صوم و حیض میں مباشرت کی اجازت دیتی ہو۔

18۔ طریقت اور پیر گردی پر اچھالتی ہو۔

19۔ صرف کلمہ پڑھنے پر زانی اور چور تک کو جنت میں بھیجتی ہو۔

20۔ سورج کو شیطان کے سینگوں میں پھنساتی ہو۔

اور جو قرآن کے مشکل اسلام کو چھوڑ کر مُلاؤں کے آسان اسلام کی طرف دعوت دیتی ہو۔

آج دنیائے اسلام قرآن کے ہیبت و قوت والے اسلام سے کٹ کر حدیث کے تسبیحوں ، دعاؤں ، چلوں، وظیفوں ،جنتروں اور منتروں والے اسلام میں آ پھنسی ہے۔ ہمارے ائمہ مساجد ہر مسجد میں اور ہمارے واعظین دیہات میں پھر پھر کر دعاؤں ، ڈھیلوں، لاکھ لاکھ حجوں ، بہشتوں اور مفت حُوروں والی احادیث سنا سنا کر سارے عالم اسلام کو اپنے رنگ میں رنگ چکے ہیں۔ جسے دیکھو مزاروں پہ ماتھا رگڑ رہا ہے۔ کسی پیر کے دام ہمرنگ زمین میں گرفتار ہے۔ رات کو ہُو حق کے نعروں سے سارے محلے کے لئے وبال جان بنا ہوا ہے۔ اٹھتے دعا ، بیٹھتے دعا، سوتے دعا ، جاگتے دعا، آتے دعا، بھاگتے دعا ، کھاتے دعا ، پیتے دعا، مباشرت میں دعا، مجالست میں دعا، کوئی حملہ کر دے تو دعا، مار مار کر پلستر بگاڑ دے تو دعا، یعنی نیچے دعا اوپر دعا۔ اور عمل کے خانے میں صفر۔

اے دعا خوانو ! تم میں کتنے ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں سر کٹانے کے لئے تیار ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو ملت کی سربلندی کے لئے دس روپے بھی بخوشی دے سکتے ہیں ؟ جو سچ بولتے ہیں اور سچے وعدے کرتے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو خدمت خلق کو اپنا فرض سمجھتے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو سودے پورے تولتے ہیں ، جھوٹ سے بچتے ہیں اور جھوٹی شہادتوں سے اجتناب کرتے ہیں ؟

کتنے ایسے ہیں جن کے تابدار کردار، بلند عمل، محنت اور اولوالعزمی پہ قوم ناز کر سکتی ہے ؟ کتنے ایسے ہیں جنھوں نے کلچر، تمدن اور تہذیب کی پیشرفت میں کوئی خدمت سرانجام دی ہو؟ کتنے ایسے ہیں جن کے تھانوں پہ چست و چالاک گھوڑے نہایت ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جن کی تلواروں کی بجلیاں دشمن کے کاشانے پر گرنے کے لئے بے تاب ہوں؟ کتنے ایسے ہیں جو جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اللہ سے ملنے کے لئے بے چین ہوں۔ کوئی نہیں۔ قطعاً کوئی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو یہ مشکل ہزار میں ایک ۔

کیوں؟ اس لئے کہ ساری امت حدیث کو اسلام سمجھ بیٹھی ہے۔ وہ لالے کے نشے میں مست ہے۔ وہ خمار شفاعت میں مدہوش ہے۔ وہ چند دعاؤں کی بدولت  جنت کے لاکھوں محلات کی مالک بنی بیٹھی ہے۔ اس کا ہر ورد لاکھوں حج کا ثواب دلاتا ہے۔ اس کا ہر وظیفہ اسے کروڑوں شہدا سے افضل بناتا ہے۔ خدارا بتاؤ کہ جس قوم کی دماغی کیفیت یہ ہو جو اوہام میں سرتاپا ڈوبی ہوئی ہو جو دنیائے حقائق سے لاکھوں فرلانگ دور جا پڑی ہو۔ اس کے پنپنے اور ترقی کرنے کی کیا صورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس بدحواسی اور کج دماغی کا علاج صرف ایک ہے۔ کہ وضعی حدیث کی تبلیغ بند کر دی جائے۔ قرآن کو طاق نسیاں سے اتار کر  پھر قوم کے سامنے پیش کیا جائے ۔ ملت کو پھر سطوت و جلال کا درس دیا جائے۔ اسے پھر تیر  انداز و شمشیر باز بنایا جائے۔ اس کی عیش کوشیوں کو پھر  سیلابوں کی تندیوں میں بدلا جائے ۔ اس کے افسردہ و مردہ اعضا میں پھر طوفانوں کا زور اور دھاڑتی ہوئی لہروں کا شور پیدا کیا جائے۔ اور اس طرح اسے ایک ایسی مہیب طاقت بنا دیا جائے کہ اس کی ایک چتون اقوام و ممالک کی تقدیریں بدل ڈالے۔ اور جب اس کے قشون تا ہر کسی سمت کا رخ کریں تو خوف سے دھرتی کا سینہ دھڑکنے لگے۔ اور ہر طرف سے الامان و الخدر کی صدائیں بلند ہوں۔

جس سے جگر لالہ میں  ٹھنڈک ہو وہ شبنم !

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبال)

اور یہ ہے قرآن کا اسلام ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

★★★

ٹائپنگ: ظہیر اشرف

پروف ریڈنگ، تدوین اور ای بک کی تشکیل: اعجاز  عبید

[1] ہ داعی اول مولوی عبداللہ چکڑالوی مرحوم کے نام سے مشہور ہیں۔

[2] مولانا بفضل خدا اس وقت 93 سال کی عمر میں ہیں اور کراچی میں موجود ہیں۔ (1950)

[3] کتاب جامع بیان العلم از حافظ ابن عبدالبر طبع مصر 1320ھ ص 33۔

[4] بہت خوب پہلے تو رسول اللہ سے روایت بالمعنیٰ کرتے ہیں۔ پھر راوی رسول سے روایت بالمعنیٰ کی تکرار کرتا ہے۔ اگر اسی طرح ہر راوی "بالمعنیٰ" کے مصرع کا تکرار کرتا رہے تو آخری راوی تک پہنچ کر غریب "معنی" کا کچومر نہ نکل جائے گا ؟ (ناظم ثانی)

[5] 22 اگست 1949ء ۔ 26 اگست 1949ء

[6] المقاصد میں علامہ شمس الدین سخاوی اس حدیث کو وضعی قرار دیتے ہیں۔

[7] ذکرہ الموضوعات صفحہ 18 میں ہے کہ محمد طاہر نے اس حدیث کو جھوٹا قرار دیا ہے۔

[8] ہ تذکرہ الموضوعات صفحہ 19 میں اس حدیث کو وضعی قرار دیا گیا ہے۔

[9] امام سیوطی نے اسے وضعی قرار دیا ہے۔ تذکرہ الموضوعات ص 20

[10] موضوع ہ تذکرہ الموضوعات ص 36

[11] ہ یہ حدیث عبداللہ بن احمد کے مجموعہ احادیث سے لی گئی ہے۔ جسے غلط اور محرف سمجھا جاتا ہے۔

[12] یہ حدیث نعیم کذاب نے تراشی تھی۔ (تذکرہ الموضوعات ص 55)

[13] موضوع ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ 92)

[14] ابن حجر اس حدیث کو جھوٹا سمجھتے ہیں ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ 18)

[15] ابو داؤد نخفی کی وضع کردہ (تذکرہ الموضوعات صفحہ 55)

[16] یہ حدیث جھوٹی ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ100)

[17] ترمذی کے ہاں یہ حدیث وضعی ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ96)

[18] جھوٹی حدیث ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ100)

[19] علامہ سخاوی کے ہاں یہ حدیث جھوٹی ہے۔ (المقاصد) (تذکرہ الموضوعات صفحہ100)

[20] موضوع ہے۔(تذکرہ الموضوعات صفحہ100)

[21] علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

[22] قدریہ: نظام معتزلہ کے پیروکار تھے جو جبر کے منکر تھے اور انسان کو افعال میں خود مختار سمجھتے تھے۔ (الملل و النحل شہرستانی)

[23] مرجیہ: حسن بن محمد حنفیہ کے پیرو جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے۔ زبانی اقرار کے بعد ہر شخص جنت میں جائے گا۔ خواہ نیک عمل کرے یا نہ کرے ۔ (الفرق الاسلامیہ)

[24] علامہ سخاوی اس حدیث کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (تذکرہ الموضوعات ص 28)

[25] علامہ الصغانی کے ہاں یہ حدیث وضعی ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات)

[26] ابن الجوزی کے ہاں یہ حدیث جعلی ہے۔ (تذکرہ الموضوعات ص 99)

[27] ملاحظہ ہو کلیات آریہ مسافر پنڈت لیکھرام۔

[28] امام سیوطی اس حدیث کی صحت سے منکر ہیں۔ (لآلی سیوطی)

[29] محمد بن طاہر نے اس حدیث کو جعلی قرار دیا ہے۔ (تذکرہ الموضوعات ص 11)

[30] ائمہ فن نے اس مضمون کی تمام احادیث کو وضعی قرار دیا ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات ص 63) ۔ عرب کے بغیر سارا جہان عجم کہلاتا ہے لیکن اصطلاحاً اس سے مراد صرف ایران ہے۔

[31] اس عنوان کے تحت دی ہوئی تمام احادیث ائمہ فن کے ہاں جھوٹی ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (تذکرہ الموضوعات)

[32] سخاوی کے ہاں یہ دونوں احادیث وضعی ہیں ۔ (مقاصد۔ تذکرہ الموضوعات ص 162)

[33] سخاوی کے ہاں یہ حدیث وضعی ہے ۔ (مقاصد۔ تذکرہ الموضوعات ص 162)

[34] حدیث وضعی ہے۔ (تذکرہ الموضوعات ص 15) ۔

[35] علامہ محمد طاہر کہتے ہیں کہ سلیمان بن ارقم جیسا کذاب اس کا راوی ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات ص 114) ۔

[36] یہ جواب محض منطقیانہ ہے اور سخن گسترانہ ہے ۔ اس موضوع پر محققانہ بحث آگے آئے گی ۔ (مصنف)

[37] یہ ہر دو احادیث علامہ عقیلی، خطابی اور سفانی کے ہاں وضعی ہیں۔ (تذکرہ الموضوعات ص 27-28)

[38] طبع مجتبائی 1345 ھ ص 31۔

[39] اصل الفاظ ہیں اذا جاوز الختان الختانہ مرد کی صورت میں ختان کے معنی ہوں گے آلہ تناسل کا ختنہ شدہ حصہ اور عورت کی صورت میں شرمگاہ کا حصہ۔

[40] ہقدیم الہامی کتابوں میں دو صحیفہ تواریخ 1 اور تواریخ 2 کے نام سے موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو بائیبل۔ اس صحیفہ میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی پوری تفصیل کئی صفحات میں بیان کی گئی ہے۔ کہ معمار کہاں سے آئے ، چوب کہاں سے لی گئی ، پتھر کہاں سے حاصل کئے گئے اور مسجد کی شکل کیا تھی۔

[41] احوال کتاب مقدس ، حصہ اول باب 48 صفحہ 117 مطبوعہ لندن 1860ء۔
[42] ملاحظہ ہو فتح الملہم جلد 3 ص 126
[43] سال وفات 11 رمضان 10 نبوی۔ یعنی ہجرت سے اڑھائی سال پہلے
[44] سال وفات 3ھ ۔
[45] مصر کے والی مقوقس نے حضورؐ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیجی تھیں۔ جن میں سے ایک بقول راوی کے آپؐ نے گھر میں رکھ لی تھی اور اسی سے ابراہیم پیدا ہوا تھا۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ "خدائے تعالیٰ تین آدمیوں کو دگنا معاوضہ دے گا۔ اور وہ یہودی یا عیسائی جو اپنے رسولوں پر ایمان لانے کے بعد حضور پر بھی ایمان لائے۔ دوم وہ غلام جو خدا اور آقا دونوں کے حقوق ادا کرے اور سوم وہ شخص جو لونڈی کو تعلیم و تربیت دے کر پہلے آزاد کرے اور پھر نکاح کر لے" (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 299)
[46] لاہور کا چکلا۔
[47] اس کے لفظی معنی ہیں خواہ ابو ذر کی ناک مٹی سے لتھڑ کیوں نہ جائے۔ مطلب کہ اسے کتنی ہی دماغی کوفت کیوں نہ ہو کلمہ خوان بہشت میں جائے گا۔ (مصنف)
[48] مت سمجھئے کہ میں کسی ایسے گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جو اہل قرآن کہلاتا ہے۔ میں نے ان کے عقائد سے آگاہ ہوں نہ ان کے کسی فرد سے کبھی ملا ہوں۔ اور نہ میں فرقہ پرستی اور گروہ بندی کا تصور تک بھی برداشت کر سکتا ہوں۔ (برق)
[49] یہ لفظ پڑھ نہ سکا۔
[50] ثرید۔ گوشت کا شوربہ جس میں روٹی گوندھ دی گئی ہو۔
[51] بحر الکاہل میں مجمع الجزائر ٹوکیو سے 3379 میل دور مشرق کی طرف ۔
[52] کہتے ہیں کہ دوزخ کا ایک حصہ سخت سرد ہے اور دوسرا سخت گرم۔
[53] اگر ارجلکم کو بفتح لام پڑھیں تو تفیر ہو گی "پاؤں کو دھو" اور بکسر لام پڑھیں تو معنی ہوں گے "پاؤں پہ مسح کرو" ۔ اسی لئے شیعہ حضرات مسح کیا کرتے ہیں۔
[54] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب "دو قرآن" مطبوعہ کتاب منزل کشمیری بازار ۔ لاہور۔